بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقصدِ حیات

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقصدِ حیات

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر

1	تعلیم وتدریس	3
2	مقصدِ حیات	6
3	یہ زندگی	11
4	ہم اور ہماری عبادات	18
5	دنیا کی بے ثباتی	23
6	دنیا کی محبت اور اس کی حقیقت	29
7	علم اور طالب علم	37
8	عمل صالحہ	42
9	انسانی فضیلت کا راز	44
10	بیدار دل	49
11	وہ اعمال جن سے رحمت خداوندی حاصل ہوتی ہے	52
12	من کی آلودگی	55
13	تذکر، تفکر اور تدبر	61
14	فیصلے کا دن	66
15	مقصد حیات اور سفر آخرت	71

حصہ دوم

1	قیامت کی نشانیاں	78
	☆ قیامت کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی نشانی	78
2	قیامت کی چھوٹی نشانیاں (حصہ اول)	78
3	ہر مجدون	80
4	اِمام مَہدی	81
	☆ اِمام مَہدی سے متعلقہ احادیث	85
5	غزوہ ہند	88
6	قیامت کی بڑی نشانیاں (حصہ دوم)	94
7	قربِ قیامت میں عام واجبات	99

تعلیم وتدریس

انسان جو اس کائنات میں افضل ترین مخلوق ہے اور اس کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے، شریعت، عقل اور حس تینوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انسان افضل الکائنات ہے، اشرف المخلوقات ہے، قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ہم نے انسان کو مکرم اور معظم بنایا، دنیا بھر کی تمام چیزیں اس کے لیے بنائیں، پاک اور پاکیزہ رزق اس کو کھانے کے لیے دیا اور بہت بڑی فضیلت اس کو ملی۔ جتنی بھی چیزیں اس نے پیدا کی ہیں ان میں انسان کو برتر بنایا۔ عقل بھی اس کی شاہد ہے کہ انسان ہی تمام کائنات میں بلند و برتر ہے۔ اس لیے یہ ساری کائنات پر تصرف کرتا ہے، سورج، چاند، تارے، ساری چیزیں اس کے استعمال میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: (سورہ لقمان، آیت نمبر 20)

ترجمہ: ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو تمھارے کام میں لگا رکھا ہے''۔

جو کچھ زمین اور آسمان میں خزانے ہیں سب انسان کے کام میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اپنی نعمتیں کامل اور مکمل کر دی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کیوں افضل ہے؟

1۔　حکما اور فلاسفر کہتے ہیں کہ انسان اپنی عقل کی وجہ سے افضل ہے۔ اس لیے منطقی اس کو حیوان ناطق کہتے ہیں ''یعنی ایسا جاندار جو عقل سے امور دریافت کرتا ہے اور بولتا ہے'' جو اور جاندار نہیں کرتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دعویٰ نامکمل ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ عقل تو جانور بھی استعمال کرتے ہیں۔ کتے کو ایک دن لاٹھی ماردیں، دوسرے دن وہ وہاں نہیں بیٹھے گا۔ اس نے اندازہ لگالیا کہ یہاں بیٹھنے پر کل میرے ساتھ یہ ہوا تھا۔ آج جاؤں گا تو آج بھی یہی ہوگا۔ لومڑی کی چلاکی اور ہوشیاری تو مشہور ہے۔ بندر کی عیاری سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس لیے فضیلت کی بنیاد عقل نہیں ہے۔ یہ جو ہر دوسرے جانداروں میں بھی موجود ہے چاہے کم ہی ہے۔

2۔　بعض علما نے کہا کہ انسان کی فضیلت علم کی بنیاد پر ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دعویٰ بھی غلط ہے اس لیے کہ خود قرآن پاک یہ بتاتا ہے کہ جانوروں کو بھی علم ہوتا ہے۔ علم بھی معمولی قسم کا نہیں۔ شریعت کے احکام کا علم، بندگی اور اطاعت کا علم، جیسے انسان کو دیا گیا ہے۔ جانوروں کو بھی دیا گیا ہے۔ ہر چیز نے اپنی نماز کو بھی اور تسبیح کو بھی جان لیا ہے۔ تو نہ صرف ہم نماز پڑھتے ہیں جبکہ کائنات کا ذرہ، ذرہ نماز پڑھتا ہے۔ فرمایا

''كُلٌّ ''قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ'' (سورۃ النور، آیت نمبر 41)

قد علمَ میں ''قد'' کلمہ تحقیق ہے جس کے معنی ہیں کہ یقیناً ہر چیز نے جان لیا ہے۔ اور لفظ ''کل'' کے اندر جمادیات بھی آتے ہیں۔ حیوانات بھی اور انسان بھی، تو یہاں تو شریعت سب کے لیے علم ثابت کر رہی ہے اور علم بھی شریعت کا یعنی سب اپنی اپنی تسبیح اور نماز پڑھتے ہیں۔

شاہ رفیع الدینؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ کائنات کا ذرہ، ذرہ نماز جانتا ہے، نماز پڑھتا ہے، مگر ہر ایک کی نماز اس کے مناسب حال ہے، کہتے ہیں درختوں کی نماز میں قیام ہے، چار پیر سے چلنے والے جانوروں کی نماز میں رکوع ہے، حشرات الارض کی نماز میں سجدہ ہے (سانپ، کیڑے، مکوڑے) پہاڑوں کی نماز میں تشہد ہے، اگر پہاڑ سجدہ کرنے لگیں تو ساری دنیا پس کر رہ جائے، غنیمت ہے کہ وہ تشہد کی حالت میں ایک جگہ پر ہیں۔ جنت اور دوزخ کی نماز میں دعا ہے۔ جنت بھی دعا کر رہی ہے کہ ''اے اللہ مجھے بھر دے اور دوزخ بھی دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ مجھے بھر دے'' اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ''قیامت کے دن تمہارے پیٹ بھر دیئے جائیں گے''۔ کروڑوں فرشتے صف باندھے کھڑے ہیں، کروڑوں رکوع میں ہیں، کروڑوں سجدے میں ہیں۔ جتنے سیارے چکر کھا رہے ہیں ان کی نماز گردش ہے کہ ایک مقام سے چلے اور پھر اسی مقام پر آ گئے تو کائنات کا ایک ایک ذرہ اپنی ہیت اور خلقت کے مطابق نماز، تسبیح اور تہلیل میں مشغول ہے۔ جانور بھی تسبیح کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو جانوروں کی بولی کا علم تھا۔ جانور اور چرند پرند ان کے پاس بیٹھ کر حکمت اور دانائی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت سلیمانؑ کا دربار لگا ہوا تھا، تمام جانور اپنے اپنے وصف گنوار ہے تھے۔ ہدہد کی باری آئی تو اس نے کہا "اے ہمارے بادشاہ اللہ نے مجھے یہ وصف دیا ہے کہ ہزاروں فٹ کی بلندی سے میں زیر زمین پانی کا کھوج لگا لیتا ہوں کہ زمین کے نیچے کہاں پر پانی ہے اور اس کی خاصیت کیا ہے؟۔ یعنی پانی زمین سے نکل رہا ہے یا پتھر سے"۔ (یعنی چشمہ ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سنا تو فرمایا ''اچھا یہ بات ہے تو آئندہ سے تم ہمارے ہر اوّل دستے کے ساتھ رہنا تاکہ ہمیں پانی کی تلاش میں آسانی رہے''۔ کوے نے جب یہ باتیں سنیں اور اس کو معلوم ہوا کہ ہدہد کو اتنا بڑا اعزاز مل گیا ہے کہ یہ آئندہ ہر دستے کے ساتھ رہے گا تو اس کا دل جل بھن کر کباب ہو گیا۔ اس نے کہا "بادشاہ یہ ہدہد جھوٹ بول رہا ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ اگر یہ اتنا ہی بینا ہے کہ ہزاروں فٹ کی بلندی سے زیر زمین پانی اس کو نظر آجاتا ہے تو زمین پر بچھایا ہوا جال جو ان کو پکڑنے

کے لیے لگا یا جاتا ہے یہ وہ کیوں نہیں دیکھ پاتا"؟۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے کہا کہ ''اپنے دعویٰ کی سچائی کا ثبوت دو''۔ ہدہد نے کہا'' بادشاہ سلامت میرا دعویٰ بالکل سچا ہے اگر میں جھوٹ بولوں تو میری گردن اڑادی جائے ۔ یہ صفت مجھے اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور جب اللہ ہی اس صفت کو سلب کر لے، جب قضا اور قدر کا حکم آجائے تو چاند سیاہ پڑ جاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے''۔تو یہ دیکھئے کہ اللہ نے کیسی کیسی دانائیاں جانوروں کو عطا کیں ہیں اور کیسی کیسی بولیاں، جن میں ہر وقت وہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، تیتر جو بولتا ہے وہ کہتا ہے کہ ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' مور کہتا ہے ''سبحان تیری قدرت'' کوئی کہتا ہے ''ادلے کا بدلہ'' یہ ایک الگ بات ہے کہ ہماری دو رکعت نماز میں اللہ تعالیٰ نے درختوں کا سا قیام، چوپایوں کا سا رکوع، پہاڑوں کا سا تشہد، سیاروں کی سی گردش اور پھر دعا بھی سب کچھ ہی جمع کر دیا۔تو اس انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی بنیاد علم بھی نہیں ہے۔

ایک خصوصیت انسان میں ایسی ہے جو کسی اور مخلوق میں نہیں ہے وہ علم نہیں۔ بلکہ تعلیم ہے۔یعنی دوسروں کو سکھانا۔دوسروں کو بتانا۔دوسروں کی تربیت کرنا۔یہ خصوصیت نہ ملائکہ میں ہے نہ جنات میں، نہ حیوانات میں، یعنی ان میں سے کوئی بھی کسی مکتب میں جا کر تعلیم نہیں دیتا۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:"میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔(یعنی سکھانے والا تعلیم دینے والا) (ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 150، حدیث نمبر 229)

یعنی عالم تو آپ خاتم النبیین ﷺ اتنے بڑے کہ کائنات میں کوئی اتنا بڑا عالم نہیں۔اللہ تعالیٰ کے بعد اگر علم میں کسی کا رتبہ ہے تو وہ ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا۔تو ایک ہوا آپ خاتم النبیین ﷺ کا عالم ہونا اور ایک ہے اس علم کو دوسروں تک پہنچا دینا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا دنیا میں یہ سب سے بڑا کمال ہے کہ حیات طیبہ ہی میں ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا کم وبیش) افراد کے مقدس نمونے تیار کر دیئے جو آپ خاتم النبیین ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے پسینہ پر اپنے قطرات خون چھڑکنے والے یہ تعلیم وتربیت نے تیار کئے۔**تعلیم کے ذریعے آپ خاتم النبیین ﷺ نے مسائل سکھائے اور تربیت کے ذریعے قلوب کی راہ کو درست کیا۔دلوں میں تصرف کیا۔یہ باطنی تعلیم ہے کہ دل تک علم اور کمالات کو پہنچایا۔**

باطنی تصرف:

قرآن پاک کے بارے میں حدیث پاک میں ہے کہ ابتدا میں سات لغت میں قرآن پاک پڑھنے کی اجازت تھی۔ایک صحابیؓ نماز پڑھ رہے تھے اور اپنی لغت کے مطابق نماز ادا کر رہے تھے۔حضرت عمرؓ کو لغت قریش میں قرآن پاک یاد تھا۔انہوں نے قرآن پاک کو دوسری لغت میں سنا۔فوراً کہا ''منافق قرآن پاک کو غلط پڑھتا ہے'' میں ابھی تیری گردن اڑاتا ہوں یہ کہا اور گھسیٹتے ہوئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا تو فرمایا چھوڑ دو پھر صحابیؓ سے فرمایا پڑھو انہوں نے اپنی لغت میں پڑھ کر سنایا۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ھذا انزلت'' یونہی نازل ہوا ہے حضرت عمرؓ کے دل میں ایک وسوسہ سا پیدا ہوا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے خود ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا ''یا ابن الخطاب'' حضرت عمرؓ کہتے ہیں مجھے یوں معلوم ہوا جیسے تمام آسمان مجھ پر منکشف ہو گئے۔شرح صدر ہو گیا (سینہ کھل گیا) حقیقت سمجھ میں آ گئی۔تو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ایک تعلیم یہ بھی تھی۔یہ ہے باطنی تصرف جو صحابہ کرامؓ کو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنا لعاب دہن چٹا کر، سینے پر ہاتھ مار کر، سینے سے سینہ ملا کر، اپنا دست شفقت سر پر رکھ کر اور مسرت کی نظر سے دیکھ کر تقسیم کیا تو قلب نبوت کا فیضان ہاتھ کی حرکت سے حضرت عمرؓ کے قلب تک پہنچا۔اگر ہم بجلی کا کرنٹ ایک لوہے کی تار پر لیں اور پھر اس کو دوسری تار سے ملا دیں اور پھر وہ کرنٹ جہاں تک پہنچائیں، پہنچ جائے گا۔تو قلب نبوت کا وہ علمی کرنٹ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت عمرؓ کے قلب تک پہنچایا یہ باطنی تصرف تھا **تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے زبان سے بھی تعلیم دی۔قلب کی توجہ سے بھی تعلیم دی۔دست مبارک کے تصرفات سے بھی تعلیم دی۔تو یہ تعلیم دینا صرف انسانی خاصہ ہے کہ انبیاء مبلغین اولین ہیں جنہوں نے دنیا کو تعلیم وتربیت دینا سکھایا۔یہ انسان کی سب سے بڑی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے یہ افضل ہے۔نبوت بھی تو تعلیم ہی کا کام ہے۔**

جنات وملائکہ میں کوئی پیغمبر نہیں کہ علم پہنچا کر ان کو روشن بنایا جائے اور علم سے منور کر دیا جائے۔یہی تعلیم ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف اور افضل المخلوقات ہے۔جب یہ خصوصیت ختم ہو جاتی ہے تو انسانیت ختم ہو جاتی ہے۔بغیر تعلیم کے انسان جانور رہے۔اگر تعلیم ہے تو انسان انسان ہے اور کوئی علم اس وقت تک اونچا نہیں ہوتا جب تک اس کا انتساب (نسبت) صحیح نہ ہو۔علم تو ہزاروں ہیں، لیکن جب ہم یہ کہیں گے کہ یہ علم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ہم تک پہنچا ہے تو وہ علم مستند ہو جائے گا جیسے مہر لگ گئی، پکا ہو گیا۔اگر ہم یہ کہیں کہ یہ ہماری رائے ہے۔یہ دنیا کہے گی کہ آپ اپنی رائے اپنے پاس رکھیں، ہماری رائے یوں ہے۔لیکن جب ہم کہیں گے کہ جو کچھ کر رہے ہیں یا کہہ رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے کہہ رہے ہیں تو برگزیدہ شخصیت کی طرف علم کی نسبت قائم ہو گی تو علم میں نسبت سے مقبولیت آئے

گی۔ اگر انتساب نہ ہوتو مقبولیت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم ایک ورثہ ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے انبیاء اپنے ورثے میں درہم ودینار نہیں چھوڑتے، روپیہ پیسہ نہیں چھوڑتے، محلات اور بلڈنگیں نہیں چھوڑتے، وہ اپنے ترکے میں علم، معرفت، اخلاقی کمالات اور ظاہری وباطنی علوم چھوڑتے ہیں تو علم وتعلیم انبیاء کا ورثہ ہی ہے۔ عالم اسی ورثہ کو پاتے ہیں لیکن وراثت کب ملتی ہے؟ جب نسبت صحیح ہو۔ یعنی استاد اور شاگردوں کا سلسلہ آخیر تک پہنچ جائے اور وہ بھی بصیرت کے ساتھ یعنی راویوں کے احوال اور کردار کے ساتھ اگر بیچ میں سے ہم خدانخواستہ صحابہ کرام کو نکال دیں تو ہم تک علم پہنچا ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ زنجیر ٹوٹ گئی ہے۔ اگر ہم کسی کو اپنا استاد نہیں بناتے اور یوں کہتے ہیں کہ علم ہم خود سیکھ سکتے ہیں تو پھر سرے سے نسبت ہی قائم نہیں ہوگی۔ تو وراثت وہ نہ رہی جو پیغمبر کی تھی۔ کچھ وسوسے ہونگے کچھ اوہام جن کو علم سمجھ لیا گیا۔ علم تو وہ ہے جو سند کے ساتھ منتقل ہو کر ہم تک پہنچے اور یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے، آج دنیا میں کسی قوم کے پاس خدائی کتاب کی سند موجود نہیں ہے اور مسلمانوں میں پیغمبر کے کلام تک کی سند موجود ہے۔ نیچے سے اوپر تک ملا سکتے ہیں۔

ہر دور میں اس علم کو اٹھانے والے آتے رہیں گے اور آگے چلتے رہیں گے۔ اس علم کی بدولت ہر قرن میں ایسے لوگ رہیں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریفات کا پردہ چاک کرتے رہیں گے اور جاہلوں کی تاویلات کو رد کرتے رہیں گے۔ وہ ہوں گے تو تعلیم ہی کے ذریعے ہوں گے۔ تو اصل بنیادی چیز تعلیم ہے، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ "کسی بشر کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ یوں کہے کہ لوگو میرے بندے بنو اور میری عبادت کرو اس کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ یوں کہے۔ بلکہ اس کو یوں کہنا چاہیے کہ ربانی بنو، رب والے بنو، اللہ والے بنو"، اور ربّانی کسے کہتے ہیں؟۔ حضرت ابن عباسؓ نے صحیح بخاری میں اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ فرمایا کہ ربّانی وہ ہے کہ جو مخلوق خدا کو چھوٹے چھوٹے مسائل سے تربیت دے کر بڑے بڑے مسائل تک پہنچادے۔ ربّانی جزئیات پیش کرتا ہے۔ نماز کے مسائل، وضو کے مسائل، نکاح وطلاق کے مسائل، معاشرت کے مسائل، احکامات الٰہی سے چھوٹے چھوٹے جزئیات پر تربیت کرتا ہے۔ اس کے بعد بڑے بڑے علوم سامنے لاتا ہے۔ یہ سلسلہ نہ ہو تو ربانیت کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ محض وعظ گوئی سے اور محض تقریروں سے ربانی نہیں بنایا جاسکتا۔ تو حقیقت میں بڑی جو شے ہے وہ ہے تعلیم وتدریس، تعلیم وتدریس بھی کتاب اللہ کے ساتھ ہو تو بہترین ہے۔ تو نسبت سے علم بڑا ہوتا ہے اور قابل قبول ہوتا ہے۔

ہم بیت اللہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کی دیواروں کو بڑی عزت اور محبت سے چومتے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ اس کی اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا محور ہے۔ بیت اللہ کے اوپر غلاف ڈال دیا یہ غلاف جہاں بھی بن رہا ہو لوگ اس کو اس کی آیات قرآنی کی وجہ سے چومیں گے اب آیات کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہے اور جب یہ غلاف خانہ کعبہ پر ڈال دیا جائے۔ تب لوگ اس سے لپٹ لپٹ جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہے۔ یعنی غلاف کو بیت اللہ سے نسبت ہے اور بیت اللہ مسجد حرام میں ہے۔ تو مسجد حرام تمام مسجدوں سے افضل ہوگی اور مسجد حرام جس شہر میں ہے اس کا شہر کا نام بلدالامین ہو گیا کیونکہ وہ مسجد حرام کا شہر بن گیا ہے۔ وہ مکہ شہر جس صوبے میں ہے وہ حجاز کا صوبہ مقدس بن گیا اس لیے کہ اس میں مکہ واقعہ ہے۔ تو نسبت سے فضیلت اور بڑائی آئی۔ اسی طرح علم خود بڑی چیز ہے اور کسی بڑی شخصیت کی طرف انتساب ہو جائے تو اس کی شان اور بڑائی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تو وہ ذات جس کے فیضان سے ہزاروں علما تیار ہوں، ہزاروں ربانی تیار ہوں، قابل تعریف ہے۔

اصل بنیادی چیز وحی ہے اور وحی کا علم نسبت لیے ہوئے ہے۔ اللہ کا علم، اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا علم، رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا علم، صحابہ کرامؓ کے تابعین کا علم، اس نسبت نے ہم کو معتبر بنایا۔

تو تعلیم انسان کی خصوصیت ہے یہ تعلیم ہی کا حاصل ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو پڑھایا اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا۔ یہ تعلیم ہی سے پہنچا۔ محض علم سے نہیں پہنچا تو سب سے پہلے معلم انبیاء کرام، پھر صحابہ کرام اور پھر آئمہ عظام پھر علماء ربانی، پھر مبلغین۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی نسبت اس نسبت سے قائم ودائم رکھے۔ آمین

کرم کی بھیک ملے تو حیات بنتی ہے
حضور ﷺ آپ نوازیں تو بات بنتی ہے
ہو اذن ثنا کا تو لفظ ملتے ہیں
ہو آپ ﷺ کی مرضی تو نعت بنتی ہے

مقصدِ حیات

دنیا میں جب کوئی انسان حرکت کرتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ کسی دانش منداور عقل مند انسان کی حرکت بلا مقصد نہیں ہوسکتی۔ ہم جب مسجد کی طرف جاتے ہیں تو عبادت مقصد ہوتا ہے۔ بازار کی طرف جائیں تو خرید و فروخت مقصد، مدرسے کی طرف جائیں تو تعلیم حاصل کرنا مقصد، کوئی اپنے شیخ کی طرف جائے تو اس حرکت کا مقصد اخلاقی تربیت ہوتا ہے۔ بلا مقصد حرکت دیوانوں اور مجنون آدمی کا کام ہے۔ دانش مند جب بھی کوئی حرکت کرے گا تو اس کا کوئی مقصد ہوگا جو اُس کے عقلمند ہونے پر دلالت ہوگی ورنہ اس کو بے وقوف کہیں گے۔

ہم ریل سے سفر کریں گے، کسی جگہ کے لیے حرکت کر رہے ہیں؟ راستے میں کوئی نہ کوئی اسٹیشن ایسا ضرور ہوگا جہاں ہم نے اُترنا ہوگا۔ جو ہماری منزل مقصود ہو گی۔ غرض یہ عقلی اور حسّی قاعدہ ہے کہ حرکت سے کوئی منزل مقصود ہوتی ہے جس کی طرف آدمی جانا چاہتا ہے۔

سفرِ انسانی کی ابتداء

اگر ہم غور کریں تو زندگی بھی ایک حرکت ہے ایک طرف سے چلے ہیں تو ایک طرف جا رہے ہیں۔ اور یہ کوئی چھوٹی موٹی حرکت نہیں کہ دس بیس میل کا سفر کر لیا، بلکہ یہ ایک لامحدود حرکت ہے جو دُور تک جانے والی ہے اور بہت پہلے سے شروع ہوئی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ماں کے پیٹ سے نکلے تو یہ حرکت شروع ہوئی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ماں کا پیٹ تو ایک اسٹیشن ہے حرکت اوپر سے آرہی ہے اس لئے کہ انسان کی حرکت "عالمِ الست" سے چلی ہے۔ جس کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے اور احادیث میں اس کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ عالم ارواح میں تین عہد ہوئے تھے۔

1- پہلا عہد:

پہلا عہد اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کی روحوں سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید کا لیا کہ وہ اللہ کو ایک مانے گا، اللہ کی توحید پر ایمان لائے گا، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا۔ یعنی اللہ رب العزت نے اپنی توحید کے اقرار اور شرک کی نفی کا عہد اور وعدہ ہر انسانی روح سے لیا۔ اس کو ''میثاقِ اَلَست'' بھی کہتے ہیں۔ اس عہد کا ذکر قرآن پاک سورہ الاعراف، آیت نمبر 172 میں آتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

ترجمہ: ''اور (یاد کیجئے!) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے،) ہم گواہی دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے۔'' (ترجمہ عرفان القرآن)

2- دوسرا عہد:

اس کے بعد دوسرا عہد اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیاء اور رسولوں کی روحوں سے لیا۔ یہ میثاقِ نبوت تھا اور oath-taking ceremony تھی، اس امر کا اعلان تھا کہ تمام انبیاء اور رسولوں کو نبوت یا رسالت عطا کی جائے گی اور اپنی رسالت یا نبوت کا فریضہ ادا کرنے کے لیے انبیاء اور رسولوں کو اپنے اپنے وقت پر مبعوث کیے جائے گا۔ اور ان کے یہ فرائضِ نبوت اور فرائضِ رسالت ہوں گے اور ہر ایک سے اس چیز کا عہد اور oath لیا کہ وہ اپنے فرائض نبوت و رسالت کا حصہ بجا لائیں گے۔

اس عہد کا ذکر سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 7 اور 8 میں آتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

ترجمہ: ''اور (اے حبیب! یاد کیجئے) جب ہم نے انبیاء سے اُن (کی تبلیغِ رسالت) کا عہد لیا اور (خصوصاً) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم (علیھم السلام) سے اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیا تاکہ (اللہ) سچوں سے اُن کے سچ کے بارے میں دریافت فرمائے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''۔ (ترجمہ عرفان القرآن)

3- تیسرا عہد:

تیسرا عہد بھی صرف انبیاء اور رُسل عظام سے لیا گیا۔ یہ عہد ان سے نبوت و رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا تھا۔ ہر نبی اور ہر رسول سے عہد اور وعدہ لیا گیا کہ تم پیغمبر آخر الزماں سیدنا محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لاؤ گے، اور ان کے پیغمبرانہ مشن کی مدد کرو گے۔

اس عہد کا ذکر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 81 میں آتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

ترجمہ: ''اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں، پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (خاتم النبیین ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اِقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اِقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں''۔ (ترجمہ عرفان القرآن)

تو انسان آتے رہے اور اپنی اپنی عمر کے مطابق قیام کرتے رہے، جب دنیا میں ان کی عمر ختم ہوئی تو عالم برزخ میں پہنچ گئے جس کو قبر کہتے ہیں اور قبر یہ نہیں ہے کہ جس کو ڈیڑھ گز کا گڑھا دکھایا گیا ہے، یہ تو ایک علامت ہے۔ وہ ایک مستقل جہاں ہے جس کو "برزخ" کہتے ہیں یعنی یہ پردہ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس کا تعلق کچھ دنیا سے ہے کچھ آخرت سے، مرنے والا بالکل دنیا میں بھی نہیں رہتا اور بالکل آخرت میں بھی نہیں رہتا بلکہ بیچ بیچ میں ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

"مرنے والا قبر میں جاتا ہے، تو نیک آدمی تو اپنی قبر میں بیٹھ جاتا ہے، نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ دل پریشان ہوتا ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے" تو کس دین پر تھا؟ تو وہ کہتا ہے" :"میں اسلام پر تھا"، پھر پوچھا جاتا ہے "یہ شخص کون ہیں"؟ وہ کہتا ہے "یہ محمد اللہ کے رسول ہیں، یہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے دلیلیں لے کر آئے تو ہم نے ان کی تصدیق کی"، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے " کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟" جواب دیتا ہے "اللہ تعالیٰ کو بھلا کون دیکھ سکتا ہے"؟ پھر اس کے لیے ایک کھڑکی جہنم کی جانب کھولی جاتی ہے، وہ اس کی شدت اشتعال کو دیکھتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے "دیکھ، اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اس سے بچا لیا ہے"، پھر ایک دوسرا دریچہ جنت کی طرف کھولا جاتا ہے، وہ اس کی تازگی اور لطافت کو دیکھتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے "یہی تیرا ٹھکانا ہے"، اور اس سے کہا جاتا ہے "تو یقین پر تھا، یقین پر ہی مرا، اور یقین پر ہی اٹھے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا"۔ اور برا آدمی اپنی قبر میں پریشان اور گھبرایا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے " تو کس دین پر تھا"؟ تو وہ کہتا ہے "میں نہیں جانتا"، پھر پوچھا جاتا ہے" یہ شخص کون ہیں"؟ جواب دیتا ہے "میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تو میں نے بھی وہی کہا"، اس کے لیے جنت کا ایک دریچہ کھولا جاتا ہے، وہ اس کی لطافت و تازگی کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے "دیکھ! اس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے محروم کیا"، پھر جہنم کا دریچہ کھولا جاتا ہے، وہ اس کی شدت اور ہولنا کی کو دیکھتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے "یہی تیرا ٹھکانا ہے، تو شک پر تھا، شک پر ہی مرا اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا"۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4268)

آخرت بھی سامنے ہے دنیا بھی سامنے، کوئی ثواب پہنچائے تو پہنچ جاتا ہے۔ قبر پر زیارت کے لیے کوئی جائے تو حدیث ہے کہ قبلہ کی طرف پشت کرے میت کی طرف منہ کرے۔ میت اسے جانتی اور پہچانتی ہے تو اُدھر اُس کا رُخ جنت کی طرف اِدھر دنیا کی طرف وہاں سے ہوائیں آ رہی ہیں، اِدھر سے دُعائیں اور ثواب پہنچ رہا ہے۔

قبر پر جا کر ثواب پہنچائیں وہ اس کو مل جائے گا اس نے دعا کا ہدیہ بھیجا، یہ آپ کو مل جائے گا، حاصل یہ ہے کہ جس کو ہم قبر کہتے ہیں وہ ڈیڑھ گز کی جگہ نہیں ہے۔ وہ تو پورا عالم ہے، عالِم برزخ، جو اتنا بڑا ہے کہ دنیا جیسے لاکھوں عالم اس میں سما سکتے ہیں، تو انسان عالِم دنیا سے عالِم برزخ کی طرف منتقل ہوا۔

بَرزخ میں پہنچ کر ہر انبیاء علیہ السلام نے خبر دی کہ آگے ایک اور عالم آنے والا ہے جو اس سے بھی بڑا ہے، وہ "محشر" ہے۔ اس عالم کی کل عمر چند صدیوں کی ہوگی۔ اس عالم (محشر کا) کا پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا۔ ایک دن میں سارے اولین اور آخرین جمع ہوں گے، پھر اس کے بعد انبیاء علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد ایک عالم اور آنے والا ہے۔ جس کا نام جنت ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ عالمِ برزخ جیسے کروڑوں عالم اس میں بن سکتے ہیں۔ اس لیے عالِم برزخ میں انسان کو اتنا حصہ ملتا ہے جتنا زمین سے لے کر آسمان تک اور جنت میں ادنیٰ جنتی کو جو حصہ ملے گا، اس دُنیا کے 10 گنا کے برابر ہوگا۔ تو اندازہ کریں کہ جنت کا عالم کتنا بڑا ہوگا۔ تو حرکتِ انسانی اوّل ارواح پھر انسان کا دنیا میں آنا پھر برزخ، پھر محشر، پھر جنت تو اتنی لمبی حرکت کا کوئی مقصد ہونا چاہیے۔ تھوڑی سی حرکت گھر سے مسجد تک یا پھر مدرسے تک کی جائے تو اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ چند گھنٹوں کی حرکت ہوتی ہے۔ یہ تو ہزاروں برس کی حرکت ہے، تو اتنی طویل حرکت ہو اور بلا مقصد ہو، عقلِ سلیم یہ قبول نہیں کرتی کہ انسان ایسے ہی بے کار حرکت کر رہا ہے۔ عقل سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے۔ اللہ نے انسان کو عبث اور بے کار پیدا نہیں فرمایا ہے۔

زندگی کی حقیقت

زندگی ایک مستقل حرکت ہے جو آدمی کے اندر بہت زور سے چل رہی ہے، حرکت ہے تو زندگی ہے، حرکت ختم تو مردہ ہے۔ تو حرکت بند ہونے کا مطلب موت اور جاری رہنے کا نام زندگی ہے۔

کیا مقصدِ زندگی صرف کھانا اور پینا ہے؟

روٹی بدن کے پلنے کا ذریعہ ہوتی ہے، پھر بدن کے پلنے کا کیا مقصد ہوا؟ اگر فرض کیا کہ کھانا پینا مقصد ہو؟ تو یہ مقصد تو جانوروں کو بھی حاصل ہے۔تو اتنی لمبی چوڑی عمر اور مقصد محض روٹی؟ اگر انسان اور جانوروں کا مقصد ایک ہے تو پھر جانور بھی اشرف المخلوقات ہوتے۔ہم نے مرغ کھایا، بلّی نے بھی مرغ کھایا۔اس نے تو اصل ذائقے میں کھایا۔تو کھانا یا پینا کوئی مستقل کمال نہیں،تو انسان کی زندگی کا مقصد یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ روٹی کھائے اور مقصد حاصل ہوگیا۔اس لیے کہ اتنا لمبا سفر کہ آدم کی کمر سے نکلے۔باپ کی پیٹھ سے پھر ماں کے پیٹ میں، پھر دنیا میں آئے تو اس کا مقصد جانوروں کے مقصد سے ملتا ہو، یہ کسی صورت نہیں ہوسکتا۔

تو اوّل تو روٹی مقصد نہیں، جانور بھی کھاتے ہیں انسان کو اتنی لمبی زندگی کیوں دی گی؟ کھانا پینا حقیر چیز ہے جبکہ زندگی بڑی عظیم چیز۔عظیم چیز پر اتنا چھوٹا سا مقصد، یہ حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے۔پھر آخر کیا مقصد ہے؟ کیا مقصدِ زندگی اقتدار اور عزت ہے؟ یاد رکھیے کہ عزت اور مرتبہ روٹی سے اُونچی چیز ہے۔لیکن زندگی کا مقصد عزت نہیں ہے کیونکہ یہ ایک خیالی چیز ہے اور خیال بھی دوسرے کا، اپنا نہیں۔عزت تو فی الحقیقت اللہ کے ہاں مقبول ہونے کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ قبول کرے، وہ قابل عزت اور جس کو اللہ تعالیٰ رد کردے وہ بے عزت، پھر عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، بندوں کے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حق تعالیٰ شانہ جب کسی سے راضی ہوتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ مَیں فلاں بندے سے راضی ہوں۔تُو بھی اس سے راضی ہو جا، جبرائیل علیہ السلام بھی راضی ہو جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ آسمان میں اعلان کرواتے ہیں کہ فلاں بندہ میرے ہاں مقبول ہے (جو مقبولیت خداوندی کی علامت ہے) لہٰذا تُم بھی اُس سے راضی ہو جاؤ تو سارے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں، جب فرشتوں میں اس کی محبت قائم ہو جاتی ہے تو ان ملائکہ کے اثرات زمین کے ملائکہ پر پہنچتے ہیں، تو وہ بھی عزت کرنے لگتے ہیں۔زمین کے ملائکہ کے اثرات اولیاء اللہ کے قلوب پر پڑتے ہیں تو اللہ والے بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں اور جتنے لوگ اہلِ اللہ سے وابستہ ہیں نیک ہیں پھر ان کی وجہ سے عوام میں عزت آجاتی ہے۔الغرض اس شخص کی عزت پوری اُمت میں پھیلا دی جاتی ہے"۔(مسلم کتاب البر والصلہ والادب)

یہ مقبولیت کب ہے کہ پہلے اس کو اللہ محبوب بناتے ہیں، دنیا کی عزت تو ایک لیڈر کی عزت کی طرح ہے سامنے عزت تنہائی میں گالیاں۔تو زندگی کی اتنی لمبی چوڑی حرکت کا مقصد نہ روٹی نہ عزت نہ کُرسی، بلکہ یہ مقصد تو حکمتِ خُداوندی کے خلاف ہے۔

مقصدِ زندگی قرآن کی روشنی میں

قرآن پاک نے مقصدِ زندگی کو واضح فرمایا "اور مَیں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت اور (اطاعت) کے لیے پیدا کیا"۔(سورۃ الذّٰریٰت، آیت نمبر 56)

اوّل: ایمان لانا　**دوئم:** عبادت　**سوئم:** احکامات کی پیروی کرنا

اب ایمان لانے کے بعد جب انسان عبادت کرے گا تو بہترین انداز میں۔اب احکامات کو سمجھ سکے گا۔اگر ایمان لانے کے بعد عبادت نہیں کرے گا۔تو جانوروں کی طرح زندگی ہو جائے گی اور فہم و فراست کی کمی کے باعث کچھ نہ سمجھ سکے گا۔تو ابتدائی چیز عبادت اور اطاعت ہے۔عبادت خُداوندی سے عزت بھی مل جائے گی اور روٹی بھی میسر آجائے گی۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اطاعت و عبادت مقصود ہے تو یہ لمبا چوڑا مقصد ہے جو پوری عمر پر مرتب ہے، جب تک انسان دنیا میں موجود ہے عبادت اُس کے ساتھ رہے گی۔قبر میں پہنچے گا تو عبادت موجود ہوگی۔حشر میں بھی عبادت ساتھ ہوگی اور جنت میں جانے کا سبب عبادت ہی ہے۔

تو اِنسان کے تین ساتھی ہوئے

1۔ ایک ساتھی موت تک ساتھ ہوتا ہے۔وہ ساتھی "مال"، عزت اور اقتدار ہے۔

2۔ دوسرا ساتھی قبر تک ساتھ ہوتا ہے۔وہ "اہل و عیال"، رشتہ دار، دوست اور پڑوسی ہیں۔

3۔ تیسرا ساتھی حشر تک ہوتا ہے۔وہ ساتھی اس کی "اعمال" یعنی عبادات ہیں۔

حضرات انبیاء کے لیے فرمایا گیا کہ "انبیا اپنی قبور میں زندہ ہے اور نمازیں پڑھتے ہیں"۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ "مَیں موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ لبیک الّٰھم لبیک کہتے ہوئے میدانِ عرفات کی طرف جا رہے ہیں"۔

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہ السلام حج بھی کرتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَیں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا وہ اُونٹنی پر سوار ہیں اور حج کر رہے ہیں۔اس اُونٹنی کا لگام اون اور صوف کا

ہے"۔(سنن ابن ماجہ،حدیث نمبر 2891)

حدیثِ پاک میں ہے کہ " رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایارات کعبہ کے پاس مجھے دیکھایا گیا، میں نے دیکھا کہ ایک صاحب ہیں گندمی رنگ، گندمی رنگ کے لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت، ان کے شانوں تک لمبے لمبے بال ہیں ایسے بال والے لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت، انہوں نے بالوں میں کنگھا کر رکھا ہے اور اس کی وجہ سے سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ دو آدمیوں کا سہارا لیے ہوئے ہیں یا دو آدمیوں کے شانوں کا سہارا لیے ہوئے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں، میں نے پوچھا"یہ کون بزرگ ہیں؟" تو مجھے بتایا گیا" یہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں"۔(صحیح بخاری،حدیث نمبر 5902)

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہ السلام حج کرتے ہیں، طواف کرتے ہیں، قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور قبروں میں ذکر اللہ بھی ہوتا ہے، یہ احادیث سے ثابت ہے۔ ہمارے اور آپ کے لیے یعنی عامتہ المومنین کے لیے تو یہ ثابت نہیں ہے، کہ وہ ہاتھ پیر سے عبادت کرتے ہیں۔مگر ایک عبادت ہم بھی کر سکتے ہیں وہ عبادت ہم قلب سے کرتے ہیں ہمارا بدن مٹ جاتا ہے مگر روحی عبادت ہم بھی کر سکتے ہیں اور وہ قلب کے جذبے اور تخیل کی عبادت ہے۔

تو عبادتِ خداوندی دنیا سے چلی، قبر میں پہنچی، قبر سے چلی حشر میں پہنچی اور جنت تک پہنچ گئی۔اگر زندگی ابدی ہے تو عبادت بھی ابدی ہے، کھانا پینا ابدی نہیں ہے۔کھانا پینا دنیا میں ختم ہے۔قبر میں صرف ذکر اللہ، جنت میں ذکر اللہ زبان پر جاری رہے گا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ **ذکر حق اور اطاعت خداوندی سے انسان انسان بنتا ہے**۔اب ایک چیز انسان کے دماغ میں شبہ پیدا کرنے کی آسکتی ہے وہ یہ کہ عام جاندار بھی تو عبادت کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح، اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے، "۔(سورہ نور، آیت نمبر 41)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیوں کا علم دیا تھا۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ "اے لوگو مجھے جانوروں کی بولیوں کی تعلیم دی گئی ہے"۔(سورہ نمل، آیت نمبر 16) جو جانور بولتا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام اس کا مطلب بتادیا کرتے تھے کہ یہ کہتا ہے۔

حدیث پاک میں 15 مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

تیتر تسبیح کرتا ہے "اللہ تعالیٰ عرش کے مالک ہیں"-(روح المعانی 19 ص 172)

حدیث پاک میں ہے کہ بعض ملائکہ کی تسبیح ہے "پاک ہے وہ ذات، جس نے مردوں کو داڑھیوں اور عورتوں کو چوٹیوں اور مینڈھیوں سے زینت دی"۔(تبیین الحقائق کتاب الجنایات ۶/ ۱۳۰ و بحر الرائق کتاب الجنایات ۸/ ۳۳۱)

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ عورتوں کے لیے چوٹی اور مینڈھی رکھنا حُسن ہے اور مرد کے لیے داڑھی رکھنا حُسن ہے۔تو کوئی قرآن پاک پڑھنے والا ممکن ہے کہ یہ سوال کرے کہ آپ نے انسانوں کو اشرف المخلوقات کہا اور اس کی زندگی کا مقصد عبادت اور ذکر اللہ بتایا تو یہ جانور، پتھر بھی، کنکریاں بھی ذکر اللہ کرتے ہیں تو پھر انسان نے کیا کمال کیا جو عبادت اور ذکر اللہ کیا؟۔اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ جانور بھی تسبیح کرتے ہیں مگر ارادی عبادت نہیں کرتے، ان کی طبیعتوں کی فطرت کا تقاضہ ہے جیسے مشین چلتی ہے تو اِرادہ کر کے نہیں چلتی۔ اِرادہ چلانے والے کے ہاتھ میں ہے۔یہ سمجھنا کہ یہ عبادت ہے اور اس کا ثمر مجھے ملے گا۔یہ عقل وشعور جانور کو نہیں دیا گیا۔اِرادی عبادت صرف انسان کرتا ہے تو غیر اختیاری عبادت پر اجر وثواب نہیں۔اِرادہ اور اختیار سے کی ہوئی عبادت، عبادت ہے۔جانوروں کی عبادت میں اِن کا دخل نہیں جیسے انسان بے ارادہ کھاتا پیتا ہے تو اس میں اجر وثواب نہیں ہے، ایسے ہی بے ارادہ عبادت پر بھی اجر وثواب نہیں۔

تو اتنی لمبی چوڑی زندگی کا مقصد ارادی عبادت ہے جو جانوروں کو میسر نہیں، اَب ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ فرشتے تو ارادے سے عبادت کرتے ہیں، وہ تو معبود کو پہچان کر شعور سے عبادت کرتے ہیں پھر اگر انسان نے شعور سے عبادت کر لی تو کیا کمال کیا؟ انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کام تو فرشتے ہی کر رہے تھے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ملائکہ اِرادے سے عبادت کرتے ہیں، اختیار سے عبادت کرتے ہیں لیکن اِرادے سے کی ہوئی عبادت ہی ان کے نفس کا تقاضہ ہے کہ ان میں گناہ کا مادہ نہیں۔وہ برائی کر ہی نہیں سکتے وہ جب کریں گے تو نیکی ہی کریں گے، جب کریں گے تو عبادت ہی کریں گے۔تو یہ ان کی طبیعت کا تقاضا ہوا۔فرق صرف اتنا ہے کہ جانور طبیعت کے تقاضے سے بلا اِرادہ عبادت کرتے ہیں۔ملائکہ طبیعت کے تقاضے سے اِرادی عبادت کرتے ہیں، تو دونوں جگہ طبیعت کا تقاضہ ہی ہے فرشتوں کی طبیعت میں گناہ کا مادہ نہیں اور نہ ہی شر کا مادہ، ہے کہ وہ مقابلہ کی عبادت کریں، پس وہ عبادت ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور عبادت ہی کرتے ہیں۔

انسان اپنے نفس کا مقابلہ کر کے عبادت کرتا ہے، نفس چاہتا ہے کہ میں آرام سے پڑ کے سو جاؤں وہ کہتا ہے کہ نہیں لحاف اُتار کر وضو کر اور اپنے رب کی عبادت کر۔فرشتے نفس کا مقابلہ کر کے عبادت نہیں کرتے، فرشتوں کے نفوس پاک ہیں۔گویا اس لمبی چوڑی زندگی کا مقصد یہ ہوا کہ عبادت ہو، ارادی ہو اور نفس کی مخالفت کے

ساتھ ہو۔اللہ نے اپنی تمام مخلوق سورج، چاند، ستارے، ہوا، مٹی، آگ، روشنی، دریا، سمندر،انسان کی خدمت کے لیے بنائے اور انسان کو اپنے لیے بنایا۔اگر ہم اللہ سے لولگائیں تو یہ ساری کائنات ہماری خدمت کرے گی۔لیکن اگر ہم اپنے مالک کو چھوڑ کر اس کائنات سے لولگائیں تو مالک کا کیا بگڑے گا؟۔

یہ بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص کسی صاحبِ جمال عورت سے نکاح کرے۔وہ بڑی حسین وجمیل اور شائستہ اور مہذب ہے اس کے لیے عمدہ بلڈنگ بنائے۔گھر میں نوکر چاکر رکھے۔باورچی مقرر کرے تا کہ اس کے کھانے پینے کا اچھا انتظام ہو۔دنیا بھر کا عیش اس محل میں صرف اپنی بیوی کے لیے مہیا کرے یہ سب کچھ کس کے لیے، صرف بیوی کے لیے؟اور بیوی کس کے لیے؟صرف شوہر کے لیے۔پھر اگر بیوی خاوند کی بجائے کسی نوکر سے دِل لگالے تو ظاہر ہے کہ شوہر اُسے نکال دے گا۔تو اللہ تعالیٰ نے کائنات کا ذرہ ذرہ انسان کے لیے بنایا اور انسان کو اپنے لیے۔ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کو نظرانداز کر کے دنیا میں دِل نہیں لگانا چاہیے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی ایک تخلیق ہی تو ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ رب ہم سے ناراض ہو جائے۔

پھر عبادت اور اطاعت کے مفہوم کو اتنا عام رکھا کہ وہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہو سکتی ہے۔اسے ایک مخصوص انداز کے ساتھ متعین نہیں کیا، بلکہ اس کو اتنا آسان کر دیا کہ مسلمانوں کی خدمت کرنا بھی اطاعت اور عبادت میں داخل ہے۔تو عبادت صرف نماز روزہ ہی نہیں ہے، عبادت کھانے پینے میں بھی ہے، بولنے، جاگنے، چلنے، پھرنے میں بھی۔گویا اللہ صرف مسجد میں ہی نہیں ہوتا بلکہ گھر میں بھی ہوتا ہے۔ہر جگہ آدمی اللہ کے جمال کو دیکھ سکتا ہے جبکہ سچی نیت سے چلے اور طریق شریعت کے مطابق چلے۔اتباع کا جذبہ لے کر چلے۔

یہ ساری دنیا تمہارے لیے ہے اور تم اپنے مالک کے لیے ہو۔مملوک کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کے سامنے نیاز مندی سے جھکے اور اطاعت کرے۔جب آدمی اس میں مضبوط ہو جائے تو کوئی دنیا کا کام کرے۔اس میں خیر و برکت ہوگی۔اِسلام یہ نہیں کہتا کہ تم کاروبار نہ کرو۔دنیا کے معاملات ترک کر دو۔سب کچھ کرو مگر اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کرو۔عابد اور بندے بن کر کرو۔یہ سمجھ کر کہ اسباب میں کچھ نہیں رکھا۔اس کے حکم کی تعمیل میں ہم نے یہ اسباب اختیار کیے ہیں۔تو دین اسلام آپ کے کام درست کرنے کے لیے آیا ہے، آپ کے کاموں میں روڑے اٹکانے کے لیے نہیں آیا۔قلب کا رُخ اللہ کی طرف پھیر دو، پھر دنیا کے کام کرو وہ خود بخود ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے۔مسلمان کی شان یہ ہے کہ ''دل بہ یار راست و دست بہ کار راست'' (دِل اللہ کے لیے اور ہاتھ کام کے لیے) دِل مالک میں لگا رہے اور ہاتھ پیر کاروبار میں، ایسے کاموں میں برکت بھی ہوتی ہے۔تو اِسلام کا کام راستہ درست کرنا اور صراطِ مستقیم پر چلانا ہے اور یہی حاصلِ عبادت ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے "اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا"۔(سورۃ الذّٰریٰت آیت نمبر 56)

عبادت کا مفہوم عام قرار دیا، اِس لیے کھانا، پینا، سونا جاگنا، اللہ کے لیے ہو تو یہ بھی عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ، کچھ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے ہم تجھے روزی دیں گے اور انجام کا بھلا پرہیزگاری کے لیے"۔(سورہ طٰہٰ، آیت نمبر 132)

تو ایک کام اللہ نے اپنے ذمہ لیا اور ایک کام بندہ کے ذمہ لگایا، اپنے ذمہ یہ کیا کہ ہم رزق دیں گے اور عزت دیں گے، بندے کے ذمہ یہ کام ہے کہ تم عبادت کرو، نیاز مندی برتو۔اب اگر ہم اپنا کام چھوڑ دیں تو وہ بھی اپنا کام چھوڑ دے گا۔

اس لیے جو لوگ عبادت ترک کر دیتے ہیں، تو نہ عزت رہتی ہے نہ روزی، اس نے ہمیں اس لیے نہیں چھوڑا کہ اس کے خزانے میں کمی آ گئی تھی۔معاہدہ یہ تھا کہ یہ کام تمہیں کرنا ہے اور یہ کام ہمیں کرنا ہے۔ہم نے اطاعت کا عہد چھوڑ دیا، اس نے رزق کا عہد چھوڑ دیا۔رزق محض روٹی نہیں ہے بلکہ رزق روٹی، عزت، اقتدار اور طمانیتِ قلب یہ سب کچھ اس میں آتا ہے۔آج ہم پریشان ہیں، روٹی مل رہی ہے لیکن سکونِ قلب نہیں۔عزت نہیں، پریشان حال ہیں۔یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم نے اس کی اطاعت کا عہد چھوڑ دیا۔یعنی عہد اَلَسْتُ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں"؟

کیا میں تمہارا پالنے والا نہیں ہوں؟ تمہیں رزق اور عزت دینے والا نہیں ہوں؟ یہ ساری چیزیں رب میں داخل ہیں تو اللہ نے سوال کیا اور اس کا سب نے جواب دیا اور کہا کہ "بَلٰی" "بے شک آپ ہی رب ہیں، یعنی سب کچھ آپ ہی ہیں۔پھر فرمایا "تم بھی گواہ رہو، کہیں قیامت کے دن یوں کہہ دو کہ ہمیں تو کوئی بات بتلائی ہی نہیں تھی"۔

یعنی ہم کس کی عبادت کرتے؟ کس کو رب مانتے اس لیے یہ باتیں پہلے سے بتلادی گئیں ہیں۔تو ہماری زندگی "اَلَست" سے چل رہی ہے۔جہاں اقرار ربوبیت کیا تھا۔

اللہ نے فرمایا کہ مَیں خالق اور مالک ہوں مجھے یاد رکھنا، اس عہد کو یاد دلانے کے لیے انبیا علیہ السلام آئے یہ واعظ اور واعظین اسی عہد کو یاد دلانے کے لیے ہیں۔اس لیے جب بندہ اس عہد پر کاربند رہے گا اور اس کے مطابق چلے گا تو ضروری ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے عہد کو پورا کر دے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسن اخلاق، عبادت، ریاضت اور توجہِ الٰہی کی توفیق عطا کرے اور اپنی مرضیات پر چلائے (آمین)

یہ زندگی

جب سے ہم اس دنیا میں آئے ہیں تو اس سے پہلے نہ جانے کتنی صدیاں گزر چکی تھیں۔زندگی کب سے ہے؟ اور کب تک ہے؟ سنا ہے ازل سے اور ابد تک ہے۔ازل کب سے ہے؟ اور ابد کب ہوگا؟ کون جانے؟ اور جب ہم یہاں سے جائیں گے تو نہ جانے کتنی نسلیں ہمارے بعد آئیں گے۔زندگی ایک بارونق بازار ہے۔ جس میں ہم سب خریدار ہیں۔

زندگی کے طویل راستے پر ایک نسل سرگرم سفر رہتی ہے اور برابر رواں دواں رہتی ہے۔رونق بازار قائم رہتی ہے۔خریدار ختم ہوتے اور آتے جاتے رہتے ہیں۔ جب یہاں پر ایک نسل انسانی تھک جاتی ہے تو تھک کر چکنا چور ہوجاتی ہے۔اس کی تمام تر توانائیاں اور طاقتیں جواب دے دیتی ہیں۔پھر یہ موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہے۔مگر قبل اس کے کہ یہ ناتواں ہانپتے کانپتے ہوئے چہرے چھپ جائیں یا تھکے ہوئے پیر رک جائیں ایک دوسری نسل آجاتی ہے جو از سرنو اس سفر کا آغاز اس تندہی، خوش دلی اور مسرت ومشقت سے شروع کرتی ہے اور اس طرح اپنی سرگرمیوں کے مظاہرے کرتی ہے۔پھر کمزور ہوجاتی ہے۔اور آخیر یہ خستہ و درماندہ نسل دنیائے وجود سے نکال کر کفن میں لپیٹ کر زمین میں چھپادی جاتی ہے۔یعنی عدم کے خانے میں ڈال دی جاتی ہے۔

اور اب نئی نسل سرگرم سفر رہتی ہے۔یہاں تک کہ پچھلی نسل کی طرح اس کی قوتیں بھی آہستہ آہستہ کر کے جواب دے دیتی ہیں۔تو آخر وہ بھی لوح جہاں سے مٹا کر زمین کے اندر بھیج دی جاتی ہے۔اور اب اس کی جگہ دوسرے چہرے آجاتے ہیں۔بس یہی سلسلہ لگا رہتا ہے۔یعنی مکان وہی رہتے ہیں مکین آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ ہیں زندگی کے قافلے۔عجیب بات تو یہ ہے کہ کام کرنے والے کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور وہ اپنے کاموں میں اس قدر مگن رہتے ہیں کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔جو کبھی ایک حال پر نہیں رہتا۔اور جو برابر سنورتا اور بگڑتا اور مٹتا رہتا ہے۔

زندگی وقت کو کھا جاتی ہے۔یہ زمانوں کو ہڑپ کر جاتی ہے۔یہ صدیوں کو نگل جاتی ہے۔بسا اوقات تو انسان کی فریب خوردگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ یہ بھی نہیں سوچتا کہ وہ اس دنیا میں کہیں اور سے آیا ہے اور ہمیشہ کے لئے نہیں آیا ہے۔اسے کہیں اور جانا ہے۔اس کا فریب تخیل اسے اس طرح مدہوش رکھتا ہے کہ گویا وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔اور پھر اچانک جب موت آتی ہے تو وہ ہکا بکا رہ جاتا ہے گویا یہ کوئی نیا حادثہ ہے۔لیکن موت بھی نہیں ٹلتی اور آدمی ہاتھ ملتا ہوا یہاں سے چلا جاتا ہے۔انسان کی خیریت اس میں ہے کہ وہ جس دنیا میں رہتا ہے اس کے مزاج اور طبیعت سے غافل نہ ہو۔وہ دنیا کے ڈگمگاتے ہوئے ستونوں پر اونچے اونچے محل نہ تعمیر کرے۔

قرآن پاک میں سورہ بقرہ، آیت نمبر 28 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُنتُمْ اَمْوٰتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

ترجمہ: ''تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔پھر اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے"۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری پانچ زندگیاں ہیں۔پہلی زندگی جس کا ہمیں شعور نہیں ہے وہ ارواح کی زندگی تھی اللہ تعالیٰ نے سب ارواح کو بنایا اور پھر ان کو اکٹھا کر کے فرمایا ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''۔سب ارواح نے جواب میں کہا ''بلیٰ'' ''کیوں نہیں؟'' "بے شک آپ ہی ہمارے رب ہیں"۔پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ترجمہ: ''دیکھو میں تمہارے پاس ایک پیغام پہنچانے والا بھیجوں گا اس کی بات کو ماننا اس پر ایمان لانا اور دیکھو یہ نہ کہہ دینا کہ ہمیں تو کسی نے کچھ بتایا ہی نہیں اور ہمیں کچھ معلوم ہی نہ تھا'' (سورہ آل عمران)۔

اُس زندگی کے لئے کہا گیا ہے "كُنتُمْ اَمْوٰتًا" لیکن تم مردہ تھے'' یعنی تمہیں شعور نہ تھا۔اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے شعوری زندگی یعنی موجودہ زندگی عطا فرمائی۔یہ موجودہ زندگی واحد عمل کی زندگی ہے آخرت کی تین زندگیوں کے لئے۔یعنی قبر کی زندگی، حشر کی زندگی اور جنت کی زندگی۔ان تین زندگیوں کے لئے توشہ ہمیں موجودہ زندگی میں تیار کرنا ہے۔حقیقی اور دائمی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔عقل مند ہیں وہ لوگ جو اس موجودہ زندگی کو جو کے 50، 55 یا 60 سال کی زندگی یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کم عرصے کی زندگی ہے۔) آخرت کی زندگی کی تیاری میں بسر کرتے ہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بقا کے لئے پیدا فرمایا ہے۔فنا کے لئے نہیں "۔

ترجمہ: ''لوگ بقا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں فنا کے لئے نہیں لیکن غلطی سے انھوں نے سمجھ لیا ہے کہ وہ فنا کے لئے ہیں یہ تو بس اعمال کی اس دنیا سے بدبختی یا نیک بختی کی دنیا میں پہنچا دیئے جاتے ہیں''۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس دنیا کا حق پہنچائیں اور ہر ایک زندگی پر اتنی توجہ دیں جتنے کی وہ مستحق ہے۔یعنی جتنا قیام موجودہ دنیا میں کرنا ہے اتنا ہی اہتمام

یہاں کے لئے کریں اور جتنی طویل زندگی وہاں گزارنی ہے اتنی ہی طویل جدوجہد وہاں کی کریں۔اس زندگی کے بعد کون نہیں جانتا کہ ہمیں ایک روز موت سے دو چار ہونا ہے۔یہ وہ گھاٹ ہے جہاں پر ہر ایک کو پہنچنا ہے۔اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ موت پر زندگی کا خاتمہ ہوتا ہے اور ایک دوسری حالت شروع ہوجاتی ہے جس میں نہ شعور ہوتا ہے نہ احساس۔وہ سمجھتے ہیں کہ جسطرح ایک مردہ جانور مٹی میں مل جاتا ہے۔یا جس طرح ذبیحہ آنتوں میں جاکر ہضم ہوجاتی ہے اور پھر کچھ نہیں ہوتا بالکل یہی کیفیت انسان کی ہوتی ہے۔آدمی کی یہ بھول ہے۔اس لئے کہ موت فنا ہوجانے کا نام نہیں ہے۔موت کو ہم ایک لمبی نیند کہہ سکتے ہیں۔اور نیند کو ایک مختصر موت۔یہ زندگی موت کے تعاقب میں رہتی ہے اور موت زندگی کے تعاقب میں۔قرآن پاک بھی موت اور نیند کو ایک ہی قبیل کی دو چیزیں قرار دیتا ہے۔جن کا نفس انسانی پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑتا۔

قرآن پاک سورہ زمر آیت نمبر 42 میں ارشاد الٰہی ہے کہ:

ترجمہ:''اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کرتا ہے۔پس جس کے لئے موت کا فیصلہ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ وقت کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔''

اب اگر روح کچھ مدت کے لئے جسم سے الگ ہوجاتی ہے تو اس سے انسان کی حقیقت نہیں بدل جاتی۔پس موت ایک طرح کی نقل مکانی ہے۔مرکر آدمی بس اپنی جگہ بدل لیتا ہے۔وہ اس دنیا سے ایک ایسی دنیا میں منتقل ہوجاتا ہے جہاں وہ بالکل اس طرح حقائق کا ادراک کرتا ہے جس طرح اس دنیا میں اور اس کا حساس شعور جوں کا توں باقی رہتا ہے۔بلکہ وہاں تو حقائق اور زیادہ روشن ہوجاتے ہیں اور احساس شعور اور زیادہ تیز ہوجاتا ہے۔اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ لیں تو پوری تندہی اور تن، من، دھن سے آخرت کی زندگی کی تیاری کریں۔

انسان کا جب بالکل آخری وقت ہوتا ہے جب اس کا ایک قدم اس دنیا میں اور دوسرا قدم دوسری دنیا میں تو اس وقت کامیابی اور ناکامی خوش نصیبی اور بد نصیبی کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ مومن کو نزع کے وقت تسلی دی جاتی ہے کہ ذیل کی آیت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

سورہ حم سجدہ، آیت نمبر 30 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے ان کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ڈرو نہیں اور کوئی غم نہ کرو تمہیں بشارت ہو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔اس کے برعکس فاسق اور فاجر کو عذاب عظیم کے ڈر سنائے جاتے ہیں''۔

سورۃ انعام آیت نمبر 93 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ'': کہیں تم وہ وقت دیکھ سکتے، جب ظالم سکرات موت میں ڈبکیاں کھا رہے ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ لاؤ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں رسوا کن عذاب سے دوچار ہونا ہے۔کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط باتیں بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں کے مقابلے میں بڑے بنتے تھے''۔

سورہ انفال آیت نمبر 51,50 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ:''کہیں تم دیکھ سکتے وہ وقت جب فرشتے ان کافروں کی روحیں قبض کر رہے تھے وہ ان کے چہروں اور ان کے کولہوں پر ضربیں لگاتے جاتے تھے اور کہتے تھے آج عذاب نار کا مزا چکھو یہ سب تمہارے کرتوتوں کا بدلہ ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا''۔

عالم برزخ:- انسان اس دنیا سے رخصت ہوکر جب قبر میں جاتا ہے تو قبر کی اس دنیا کو برزخ کا عالم کہتے ہیں۔گویا انسان عالم ناسوت (موجودہ عالم) سے عالم برزخ میں جاتا ہے۔آخری زندگی کے اس عالم میں لوگ جن حالات سے دوچار ہوتے ہیں قرآن پاک اس پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔

سورۃ مومن آیت نمبر 46 میں فرمان الٰہی ہے۔

ترجمہ:''وہ دوزخ کی آگ ہے کہ جس کے سامنے صبح شام پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت کی گھڑی آجائے گی (تو حکم ہوگا) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو"۔

اللہ تعالیٰ شہداء کے اعزاز و اکرام اور ان کے حسن انجام کا بھی ذکر فرماتا ہے اور یہ صراحت بھی کرتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ بھی آجائیں اور جو کامیابیاں انہیں حاصل ہیں وہ بھی ان سے شاد باد ہوں۔''

چنانچہ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 171-169) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: "جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن انعامات سے نوازا ہے اس پر خوش و خرم ہیں اور مگن ہیں کہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں اور ابھی ان سے ملے نہیں ہیں ان کے لئے بھی کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ کسی غم سے دوچار ہوں گے۔ وہ اللہ کے فضل انعام پر شاداں اور خوش ہیں کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا''۔

گناہ گار اہل ایمان نے فرائض میں جتنی کوتاہیاں کی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو جس قدر پامال کیا ہوگا اس لحاظ سے انہیں سزائیں بھگتنی ہوں گی اور مصیبتوں سے دوچار ہونا ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''تم میں سے جب کسی کی موت آتی ہے تو صبح شام اس کو اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت کا ٹھکانہ اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ کا ٹھکانہ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ جب قیامت کے روز اللہ تجھے اٹھائے گا تو تیرا ٹھکانہ یہ ہوگا۔ جس طرح عمر کے مرحلے ہوتے ہیں جیسے بچپن، جوانی، ادھیڑ عمر، بڑھاپا، اسی طرح موت بھی درحقیقت زندگی کا ایک مرحلہ ہے۔ البتہ اس مرحلے میں آدمی کی قوت ادراک بڑھتی جاتی ہے اور روح جو کچھ محسوس کرتی ہے بالکل ٹھیک محسوس کرتی ہے۔ اس لئے جو خودکشی کی جسارت کرتے ہیں وہ اگر جان لیتے کہ وہ کس زندگی کی طرف لپک رہے ہیں یا کس مرحلے میں قدم رکھ رہے ہیں تو وہ یہ حماقت کبھی نہ کرتے۔ اس بھیانک اقدام سے ان کی منشاء تو یہ ہوتی ہے کہ وہ پریشانیوں اور مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے اور تکلیفوں اور اذیتوں سے راحت پا لیں گے۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جس دنیا کی طرف چھلانگ لگا رہے ہیں وہ حقیقت میں احساسات اور نتائج کی ہی دنیا ہے۔ وہاں تو قوت احساس کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور قدم قدم پر نتائج سے دوچار ہونا پڑتا ہے''۔

عام لوگوں کی نگاہ میں قبر ایک ایسی جگہ ہے جہاں تاریکی اور خاموشی چھائی رہتی ہے اور کیڑے مکوڑے رینگتے رہتے ہیں اور بس۔ اس خوفناک منظر سے انکار نہیں ہے ہاں اس منظر کے پیچھے نہایت کشادہ چمن ہوتے ہیں جہاں پھولوں کے تخت بچھے ہوئے ہوتے ہیں ہر طرف نہایت روح پرور خوشبوئیں اڑ رہی ہوتی ہیں۔ یہ مومنین اور صالحین کے لئے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے گڑھے بھی ہوتے ہیں جہاں بری اور ناپاک روحیں ڈال دی جاتی ہیں۔ وہاں ان پر مستقل ہتھوڑے برستے ہیں۔ آگ میں دہکائے ہوئے اوزار ہوتے ہیں جس سے ان کے جسم داغے جاتے ہیں اور اس میں تڑپتے اور کراہتے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرتے ہیں اور اس کے بندوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ یہ ایک دوسرا ہی عالم ہے جس کی پوری حقیقت سمجھنے سے انسان قاصر ہے۔

سیّدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے، جب قبر پر پہنچے تو دیکھا کہ ابھی تک قبر تیار نہیں ہوئی تھی، رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے، ہم بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے، ایسے لگتا تھا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ میں لکڑی تھی، اس کے ساتھ آپ خاتم النبیین ﷺ زمین کو کریدنے لگ گئے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے سر اٹھایا اور دو تین بار فرمایا: " عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو"۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

"ایک بندہ مومن جب اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم آخرت میں قدم رکھ رہا ہوتا ہے تو آسمان سے کچھ فرشتے اترتے ہیں جن کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن ہوتا ہے۔ وہ اتنے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں جہاں سے مرنے والا انہیں دیکھ سکے۔ پھر موت کا فرشتہ آتا ہے اور اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔ ''اے پاک روح چل اللہ کی مغفرت اور اس کے رضوان کی طرف''۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''پس روح اس وقت باہر آجاتی ہے اور ایسے باہر آتی ہے جیسے کسی مشکیزے کے منہ سے پانی بہہ نکلتا ہے اور فرشتہ موت اسے فوراً اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے''۔ اس وقت دوسرے فرشتے آگے بڑھتے ہیں اور اس روح کو ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور فوراً اسے کفن میں رکھ لیتے ہیں اور (حنوط) خوشبو اس پر لگا دیتے ہیں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''پھر وہ فرشتے اس روح کو لے کر اوپر جاتے ہیں وہ آسمانوں کے فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ پوچھتے ہیں "یہ کونسی پاک روح ہے"؟ وہ بتاتے ہیں "یہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے"۔ پھر ہر آسمان کے خاص خاص فرشتے اگلے آسمان تک اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ فرشتے اس روح کو لے کر ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "میرے اس بندے کا ٹھکانہ ''علیین'' میں لکھ لو اور اسے زمین پر اس کے جسم میں پہنچا دو"- پھر زمین پر اس کی قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بیٹھا کر پوچھتے ہیں "تمہارا رب کون ہے"؟ وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ ہے"؟ وہ پوچھتے ہیں "تمہارا دین کیا ہے"؟ وہ کہتا ہے " میرا دین اسلام ہے "۔ پھر وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے " میرے محبوب نبی حضرت محمد خاتم

النبیین ﷺ ہیں"۔اس وقت آسمان سے ندا آتی ہے "میرے بندے نے سچ کہا اس کے لئے جنت کا بستر لگا دو"۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "پس اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور اس کی قبر کو تا حد نظر کشادہ کر دیا جاتا ہے"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "پھر اس کے پاس ایک شخص آتا ہے۔ نہایت عمدہ کپڑے اور خوشبو میں بسا ہوا اور کہتا ہے تمہیں بشارت ہو کامیابی کا یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے"۔وہ پوچھتا ہے "تم کون ہو، تمہارا چہرہ تو سراپا نور ہے"؟ وہ کہتا ہے "میں تمہاری نیکیاں ہوں"۔

بندہ کافر کی جب موت آتی ہے تو اس کے پاس بھی فرشتے آتے ہیں نہایت کالے اور ڈراؤنے اور آ کر اتنے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکے۔ان کے ہاتھوں میں ٹاٹ کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پھر فرشتہ موت آتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے "اے خبیث روح چل اللہ کے غضب اور اس کے قہر کی طرف۔"پس وہ جسم میں ادھر ادھر دبکنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اسے زبردستی باہر نکالا جاتا ہے اور فوراً ہی پاس بیٹھے ہوئے فرشتے اس کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اسے ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس زمین پر جو سڑی سے سڑی بدبو ہوتی ہے وہ اس سے نکل رہی ہوتی ہے۔وہ اس کو اوپر لے جاتے ہیں۔وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ پوچھتے ہیں "یہ خبیث روح کس کی ہے"؟ تو وہ بتاتے ہیں "یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے"۔وہ پہلے آسمان کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلواتے ہیں لیکن دروازہ نہیں کھلتا، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ آیت پڑھی سورہ الاعراف آیت نمبر 40۔

ترجمہ: "ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، ذرا بھی نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے"۔

اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اس کا ٹھکانہ "سجین" میں لکھ لو (زمین کے نیچے اندھیر خانہ) پھر اس کی روح بری طرح پٹخ دی جاتی ہے"۔اس موقعہ پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے سورہ الحج کی آیت نمبر 31 پڑھی۔

ترجمہ: "اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے گر گیا۔اب یا تو اسے پرندے اچک کر لے جائیں گے یا ہوا اسے کسی دور دراز علاقے میں جا پھینکے گی"۔ پھر زمین پر روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی۔ پھر قبر میں دو فرشتے اس کے پاس آ کر سوال کریں گے۔ "تیرا رب کون ہے"؟ وہ کہے گا "مجھے معلوم نہیں"۔ پھر سوال کریں گے "تیرا دین کیا ہے"؟ وہ پھر کہے گا "مجھے معلوم نہیں"۔ پھر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں پوچھا جائے گا تب وہ یہی کہے گا کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔اس وقت آسمان سے آواز آتی ہے "یہ جھوٹا ہے اس کے لئے آگ کا بستر لگا دو اور جہنم کی ایک کھڑکی اس کی طرف کھول دو"۔ چنانچہ اس کے پاس قبر میں دوزخ کی لو اور آگ کی لپٹیں آتی ہیں اور اس کی قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ پھر اس کے پاس ایک انتہائی بدشکل آدمی بدبودار اور نہایت بھیانک کپڑے پہنے ہوئے آتا ہے۔وہ پوچھتا ہے "تو کون ہے"؟ وہ کہتا ہے "میں تیرے کرتوت ہوں۔ یہ لو آ گئے مصیبتوں کے بادل یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا"۔(مسند احمد، جلد 3، حدیث نمبر 3028)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے"۔(جامع ترمذی، حدیث نمبر 2460)

کاش ہم اس موجودہ زندگی کی قدر و قیمت سمجھیں اور اِس وقت کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اٹھائیں اور ہمیشہ اس بات کو **یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے معزز سائے میں بس انہیں لوگوں کو جگہ دے گا جو اس مہلت کو غنیمت جان کر آخرت کی زندگی کے لئے توشہ تیار کر لیں گے۔** اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے وہ خبیث لوگوں کو اپنے سائے میں جگہ نہ دے گا وہ پاک ہے اس کے ہاں پاکی کا ہی سکہ چلتا ہے۔وہ لطیف ہے اسے نجاست سے سخت نفرت ہے۔وہ علیم و حکیم ہے وہ نادانوں کی پذیرائی نہیں کرے گا۔اس نے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے انبیاء کرام کا ایک طویل سلسلہ رکھا۔ پھر واعظ اور واعظین کا سلسلہ رکھا۔اس نے حجت تمام کر دی ہے۔

انسان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس دنیا میں جو مختصر سی عمر دی گئی ہے اگر وہ ترقی اور کمال کا ذریعہ نہ بن سکی تو اس کا مستقبل کبھی روشن نہ ہوگا۔موجودہ زندگی واحد عمل کی زندگی ہے باقی اگلی تینوں زندگیاں اجر کی زندگیاں ہیں۔قرآن پاک میں بار بار ہمیں تنبیہ کی گئی ہے کہ:

"جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کل کے لئے کیا بھیج رکھا ہے"۔(سورہ الحشر، آیت نمبر 18)

وہ جنت جس کا اللہ تعالیٰ نے متقین سے وعدہ کر رکھا ہے اس میں خبیث اور برے انسانوں کا گزر نہیں ہوگا۔ چنانچہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جب مومنوں کو دوزخ سے نجات مل جائے گی تو انہیں ایک پل پر جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا روک لیا جائے گا اور وہیں ان کے مظالم کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ جو وہ دنیا میں باہم

کرتے تھے۔ پھر جب پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد خاتم النبیین ﷺ کی جان ہے، ان میں سے ہر شخص اپنے جنت کے گھر کو اپنے دنیا کے گھر سے بھی بہتر طور پر پہچانے گا"۔ (صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر 2440)

قرآن پاک سورہ جاثیہ، آیت نمبر 21 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیکیوں میں سرگرم رہے؟ اس طرح کہ ان کی زندگی اور موت یکساں ہو جائے کتنا بُرا فیصلہ ہے''۔

سورۃ ص، آیت نمبر 28 اور 29 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''آیا ہم کر دیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیکیوں میں سرگرم رہے ان لوگوں کی طرح (جو زندگی میں) زمین میں فساد پھیلاتے ہیں؟ یا کیا ہم کر دیں گے خدا ترس لوگوں کو نافرمانوں کی طرح؟ یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتار دی ہے۔ بڑی ہی برکت والی ہے۔ تا کہ یہ (لوگ) اس کی آیات پر غور کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں''۔

روزِ محشر، میدان حشر کی سخت ترین گھڑی کے بعد نبی کریم خاتم النبیین ﷺ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے۔ شفاعت کبریٰ کے بعد جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو شفاعت کی اجازت مل جائے گا تو ایک پکارنے والا پکارے گا ''وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کے پہلو رات کو بستروں سے جدا رہتے تھے'' (تہجد گزار لوگ) بے شمار لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ یاد رہے کہ اس دن ہمارے اعضاء ہمارے ارادے پر نہیں کام کریں گے۔ یعنی صرف وہی لوگ اٹھیں گے جو واقعی ایسے ہوں گے۔ پھر آواز آئے گی کہاں ہیں وہ لوگ جن کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرتی تھی؟ پھر لوگ کھڑے ہوں گے؟ پھر آواز آئے گی ذاکرین لوگ کہاں ہیں؟ پھر لوگ کھڑے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ اس کے بعد نامہ اعمال لوگوں کو دیئے جائیں گے۔

سورہ الکھف،، آیت نمبر 49 میں ارشاد خداوندی ہے:-

ترجمہ: ''اور (ہر ایک کے سامنے) اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا سو آپ مجرموں کو دیکھیں گے (وہ) ان (گناہوں اور جرموں) سے خوفزدہ ہوں گے جو اس (اعمال نامہ) میں درج ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہلاکت! اس اعمال نامہ کو کیا ہوا ہے اس نے نہ کوئی چھوٹی (بات) چھوڑی ہے اور نہ کوئی بڑی (بات)، مگر اس نے (ہر ہر بات کو) شمار کر لیا ہے اور وہ جو کچھ کرتے رہے تھے (اپنے سامنے) حاضر پائیں گے، اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ فرمائے گا''۔

ہر شخص چاہے پڑھا ہوا ہو یا نہ ہوا پنا نامہ اعمال خود پڑھے گا اور ہر شخص اپنے نامہ اعمال سے سو فی صد متفق ہوگا۔ اس کے بعد پل صراط پر سے لوگ گزریں گے۔ یہ کس قدر ہلاکت خیز ہوگا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پل صراط کے پہلو میں تشریف فرما ہوں گے اور آپ دعا کر رہے ہوں گے "یا اللہ! سلامت رکھ، یا اللہ! سلامت رکھ"۔ (مسلم)

پل صراط کے نیچے جہنم ہے، پل صراط کے دونوں طرف آنکڑے لگے ہوئے ہیں۔ ہر شخص پل صراط پر سے اپنے اعمال کے مطابق گزرے گا۔ کوئی تیز رفتاری سے کوئی کم رفتاری سے۔ نجات پانے والے گھٹنوں کے بل، ہاتھوں کے بل، کسی نہ کسی طرح نجات پا جائیں گے۔ آنکڑے حکم الٰہی کے تابع ہوں گے۔ کچھ لوگوں کے جسم تو آنکڑوں سے بچ جائیں گے لیکن وہ زخمی ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو آنکڑے جکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ (مسلم)

بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہر نبی کو ایک دعا خاص طور سے قبولیت کی دی گئی ہے۔ چنانچہ ہر پیغمبر نے اس دعا میں جلدی کی۔ مگر میں نے قیامت کے دن اپنی امت کے شفاعت کے لئے اس دعا کو بچا رکھا ہے۔ میری امت میں جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا میری اس دعا کا فائدہ اللہ نے چاہا تو اسے ہوگا''۔

کوئی گناہ گار شخص خواہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو، وہ بچ نہ سکے گا۔ سوائے ان گناہوں کے جس پر اس نے دنیا میں توبہ کر لی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت تین جگہوں پر ہوگی۔

1) شفاعت کبریٰ (حشر کے میدان میں) 2) شفاعت پل صراط پر 3) شفاعت جہنم سے نکالنے پر

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب دیکھیں گے کہ آنکڑوں نے بے شمار لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا ہے اس وقت آپ خاتم النبیین ﷺ سجدے میں جائیں گے

اور دعا کریں گے یا الٰہی میری امت میں سے جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اور وہ غیر مشرک ہے اسے جہنم سے آزاد کردے۔ اس وقت ایسے لوگ جہنم سے آزاد کر دیئے جائیں گے۔ جنہوں نے کلمہ پڑھا تھا لیکن کوئی عمل نہ کیا۔

یہ زندگی بہت ہی مختصر زندگی ہے۔ ہر اٹھنے والا قدم ہمیں قبر کی طرف کو لے کر جا رہا ہے۔ یاد رکھیئے! اللہ تعالی نے اس زمین پر جو نظام، جو سسٹم نافذ کیا ہے وہ اس کو اپنے ایک دن یا ہمارے ہزار سال کے بعد اٹھا لیتا ہے اور پھر نئی تدبیر فرماتا ہے۔

دیکھیے سورہ سجدہ، آیت نمبر 5 يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

ترجمہ: "وہ اپنے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین تک پھر (وہ کام) اس کی طرف رجوع کرے گا ایک دن میں۔ جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے۔ اُس حساب سے جو تم شمار کرتے ہو"۔ (یعنی اللہ تعالی کا ایک دن اور ہمارا ایک ہزار برس)

بہت سے مفسرین نے اس آیت میں بتائے ہوئے دن سے مراد قیامت کا دن لیا ہے۔ حالانکہ سورہ معارج، آیت نمبر 4 میں قیامت کے دن کی مقدار پچاس ہزار سال بتائی ہے۔

سورہ معارج، آیت نمبر 4 تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ترجمہ: "وہ ایک دن پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا"۔

جبکہ مندرجہ بالا آیت سورہ سجدہ، آیت نمبر 5 میں اللہ تعالی کا حکم نافذ کرنے والا ایک دن ہزار سال کے برابر بتایا گیا ہے۔

اب ہم اس ایک دن کی تشریح سورہ الحج کی آیت نمبر 48,47,46 میں دیکھتے ہیں:-

سورہ الحج، آیت نمبر 46 اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ

ترجمہ: "تو کیا لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے ہیں جن سے یہ سمجھنے لگتے یا کان ایسے ہو جاتے ہیں جن سے یہ سنتے۔ اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجاتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجاتے ہیں"۔

آیت نمبر 47 وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۚ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

ترجمہ: "اور یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں (یعنی عذاب کی خبر پر یقین نہیں کر رہے) حالانکہ اللہ تعالی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا اور آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے پروردگار کے پاس ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے مطابق"۔

آیت نمبر 48 وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ

ترجمہ: "اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمان تھیں۔ پھر ہم نے انھیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کی واپسی ہے"۔

سورہ سبا، آیت نمبر 30-29 وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ - قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ

ترجمہ: "وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک دن کا وعدہ ہے۔ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکتے ہو"۔

مندرجہ بالا تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام امتوں کو سنورنے، سنبھلنے اور پنپنے کی مہلت ایک ہزار سال کی دی گئی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں بہز ابن حکیم سے روایت کیا ہے جس کو بہز نے اپنے والد حکیم سے اور ان کے والد نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول پاک (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا:

ترجمہ: "تم لوگ 70 امتوں کے خاتمے کے بعد وجود میں آئے ہو۔ تم لوگ اللہ کے نزدیک ان امتوں میں سب سے زیادہ برگزیدہ اور افضل ہو"۔

مندرجہ بالا حدیث کو امام احمد نے (5/5) میں، امام ترمذی نے (3001) میں اور ابن ماجہ نے (4288) میں بیان کیا ہے۔ اس کی سند حسن ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر قوم کو پنپنے کے لئے مہلت اللہ تعالی کے شمار کے مطابق ایک دن کی اور ہمارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کی دی گئی ہے۔ لیکن ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہمارے تو ایک ہزار سال کب کے گزر چکے ہیں اور اب ہم پندرہویں صدی میں سے گزر رہے ہیں۔ یعنی پندرہویں صدی گزر رہی ہے۔

اب ایک اور حدیث دیکھتے ہیں۔

حضرت ابوداؤدؒ سے مروی ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا: "میں امید رکھتا ہوں کہ میری امت اپنے پروردگار کی نگاہ میں اتنی عاجز اور بے حقیقت نہیں ہو جائے گی کہ اس کا پروردگار اس کو آدھے دن کی مہلت بھی نہ عطا کرے"۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے پوچھا گیا" آدھا دن کتنا ہوتا ہے"؟ تو انہوں نے جواب دیا"500 سال"۔

یہ وہ بات ہے جس کو بنیاد بنا کر علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ " اس امت کی عمر پندرہ سو سال تک رہے گی"۔(مشکوۃ شریف، باب قرب الساعۃ)

اللہ تعالی نے امت محمدی کو وہ مہلت دی ہے۔جس سے بڑھ کر آج تک زمین میں کسی قوم کو مہلت نہیں دی گئی ہے۔ہم اللہ تعالی کی پسندیدہ قوم ہیں۔اللہ تعالی سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 19 میں ہمیں کتنی محبت سے اپنی قدردانی کی یقین دہانی کرواتا ہے۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُوْرًا

ترجمہ:" اور جس نے آخرت کا ارادہ اور ہمت کر لی کہ مجھے آخرت کمانا ہے اور یہ عزم کر کے پختہ ارادہ ہو گیا اور پھر اس کے لئے کوشش کی (جیسی کوشش کر سکتا ہے) یعنی جتنی اس کی استطاعت ہے، جیسا کہ اس کا حق ہے، اور ایمان کے ساتھ کی، اور اللہ کے بھروسے پر کی، اللہ کی خاطر کی تو اس کے ان ساری کوششوں کی پوری قدردانی کی جائے گی"۔یعنی ان تمام کوششوں کو قبول کیا جائے گا اور ان کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

لیکن افسوس صد افسوس! کہ مسلمانوں کی اکثریت آجکل دن رات موبائل ،انٹرنیٹ،فیس بک(facebook)،واٹ سیپ(whatsapp)،انسٹاگرام(instagram)،ٹک ٹاک(tik tok)،ایمو(imo)،ڈیلی موشن(dailimotion)یوٹیوب(youtube)اور لائیکی (Likee)وغیرہ میں وقت ضائع کر دیتے ہیں۔نہ صبح اٹھنا یاد اور نہ یہ یاد کہ کب سونا ہے؟ نہ نمازوں کی پرواہ، نہ قرآن کی تلاوت اور اس کے علاوہ ایک اور بہت بڑا عذاب کہ فحاشی اور عریانی کی ننگی اور بے ہودہ تصاویر اور مناظر دیکھنے میں بچے، جوان، اوسط عمر اور بوڑھے سب شامل ہیں۔عورتیں حتی کہ شادی شدہ عورتیں سب ہی ان مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ان کی خدمت میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔

حدیث: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”میں اپنی امت میں سے یقینی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ کے پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کو (ہوا میں منتشر ہو جانے والا) غبار بنا کر ہوا میں غارت کر دے گا“، ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمائیے اور کھول کر بیان فرمائیے تاکہ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہم ان میں سے نہ ہو جائیں“، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”وہ لوگ تم لوگوں کے دینی بھائی ہوں گے اور تمہاری طرح دین اسلام پر ہوں گے اور رات کی عبادات میں اسی طرح حصہ لیں گے جس طرح تم لوگ لیتے ہو (یعنی تم لوگوں کی ہی طرح قیام الیل کریں گے) لیکن ان کا معاملہ یہ ہوگا کہ جب وہ لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں کو تنہائی میں پائیں گے تو انہیں استعمال کریں گے (یعنی ان سے فائدہ اٹھائیں گے، ان سے لطف اندوز ہوں گے)“۔(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4386، کتاب الزھد، باب 29) (نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں طائف سے مدینہ تک کا علاقہ تہامہ کہلاتا تھا۔)

اب تمام مسلمانوں کے لئے یہ بات لمحہ فکریہ ہے۔زندگی بہت مختصر ہے۔یہ زندگی وہ زندگی ہے جو ہمیں صرف اور صرف توشہ تیار کرنے کے لئے دی گئی ہے۔جس کے لئے کہا گیا ہے کہ "مسافر کی طرح زندگی گزارنی ہے" اور دوسری بات یہ کہ مہلت کا وقت ختم ہونے کو ہے۔اب بھی وقت ہے۔اب بھی غفلت سے جاگ کر اس دن کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں جو جانے کے بعد واپس نہیں آئے گا۔

اللہ تعالی ہمیں اس زندگی میں آخری زندگی کے لئے توشہ تیار کرنے والا بنا دے---ہمارے وقت میں برکت عطا فرمائے---ہمیں اس دی گئی مہلت سے فائدہ اٹھانے اور آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم اور ہماری عبادات

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا خالق و مالک اور پروردگار ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ جسے وہ چاہے عطا کردے۔ اُس کی عطا پر کوئی روک نہیں۔ بے شک وہ جسے چاہتا ہے قدرت وغلبہ عنایت کرتا ہے اور جسے چاہے غلامی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عزت وذلت، عروج وزوال، خوشحالی اور بدحالی اُسی کے اختیار میں ہے۔ مردہ اقوام کی خاکستر میں حیات پیدا کرنا اور زندہ کو موت کی نیند سلا دینا اس کی ابدی سنت ہے۔ جو قانون الٰہی کے عین حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔

آج سے 1400 سال پہلے ایوان تہذیب میں کس طرح روشنی آئی۔ دلوں کی مردہ زمین زندہ ہوئی۔۔۔ صحیح عقائد کی فصلیں اُگیں۔۔۔ اخلاق حسنہ کے پھل پکے۔۔۔ روحانیت کے رنگا رنگ خوشبودار پھولوں کی بہاروں سے ساری دنیا مہک اٹھی۔ آفتاب تہذیب مشرق کا چمکتا تھا یہاں تک کہ صحرائے حجاز سے علم وعرفان کے بادل اٹھے اور علم وعرفان کے ان بادلوں سے مشرق ومغرب دونوں سیراب ہو گئے۔ پھر ہمیں مغرب کی تہذیب میں مزہ محسوس ہونے لگا۔ ہم نے مغرب کی تہذیب کی تقلید شروع کردی۔ اور اس اندھی تقلید میں ہم اپنا سب کچھ بھلا بیٹھے۔ اس طرح علم وآگہی کا سورج مشرق سے مغرب کی طرف لوٹ گیا اور۔۔۔ ہم نے اپنا تشخص کھو دیا۔

آج ہم مادہ پرستی کے مہیب سمندر میں غرق ہو کر روحانی غربت کا شکار ہو گئے ہیں۔ ٹی وی، انٹرنیٹ، واٹس ایپ، ٹک ٹاک، انسٹا گرام۔۔۔ کیا کہنے توانائی کی ترقی کے۔۔۔ آج نہار منہ موسیقی روح کی غذا سمجھی جاتی ہے۔ روحانی اقدار سے محروم ملت سٹیٹس کی سرپٹ دوڑ میں شامل ہو گئی ہے۔ مالی اور مادی فوائد میں حلال وحرام کی تمیز ہی نہیں رہی۔ چاہے ہیروئن بیچ کر یا ایمان بیچ کر بس دولت کمانی ہے۔۔۔ سٹیٹس بلند کرنا ہے۔

آج کے اس دور میں مذہبی قدریں، اخوت، مروت، مساوات، ہمدردی، رواداری، تحمل، بردباری، اخلاق واخلاص اور توکل وتقویٰ قصہ پارینہ بن گئیں ہیں۔ ہم یہ بھلا بیٹھے کہ ہمارے اسلاف نے بڑی بڑی تہذیبوں اور عالی شان تمدنوں کی بنیاد رکھی۔ **احترام آدمیت** کے وہ قابل رشک نمونے چھوڑے کہ رہتی دنیا تک روشنی کی مینار رہیں گے۔ زمانے بدل گئے۔۔۔ لوگوں کے انداز واطوار بدل گئے۔۔۔ مزاج وشعار بدل گئے۔۔۔ مگر ان کا کوئی بدل نہ پیدا ہوسکا۔ ان کی عظمت وشہرت کے چراغ ہزار آندھیوں کے باوجود گل نہ ہو سکے۔ بے شمار طوفان اور جھکڑ آئے مگر ان کے کمال کے خیمے اسی طرح گڑھے رہے۔

انسانیت کا بلند ترین مقام انسانیت کا احترام ہے اور احترام ایک وسیع المعانی خصلت ہے۔ صرف رسمی "آؤ جی"، "آیئے جی"، "بیٹھو جی" سے کام نہیں چلتا۔ انسانیت کا احترام صرف اسی کا نام نہیں ہے۔ اللہ ہی اپنی بارگاہ رب ذوالجلال سے جسے چاہتا ہے انسانیت کے احترام کی خصلت عنایت فرماتا ہے یعنی انسانیت کے احترام کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کا بندے پر انعام ہوتا ہے جس کے لیے شکر واجب ہے۔

تمثیل:۔ حضرت عمر فاروقؓ کا دربار لگا ہوا ہے۔ دو آدمیوں نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے کہا "امیر المومنین یہ وہ شخص ہے جس نے ہمارے باپ کو قتل کیا ہے"؟ یہ سن کر اس آدمی نے کہا "ہاں امیر المومنین یہ خطا مجھ سے ہی سرزد ہوئی"۔ امیر المومنین نے غور سے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جانتے ہو اس کی سزا قصاص ہے"؟ وہ شخص بولا "مجھے معلوم ہے لیکن میری بیوی اور میرے بچے صحرا میں رہتے ہیں۔ مجھے تین دن کی مہلت دیں تاکہ میں ان سے ملکر اور انہیں بتا کر آجاؤں۔ لیکن تمہاری ضمانت کون دے گا"؟ حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم واپس آؤ گے"؟ خاموشی چھا گئی وہ شخص پریشان سا ہو گیا کہ اچانک حضرت ابوذر غفاریؓ اٹھے اور فرمایا "میں اس شخص کی ضمانت دیتا ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا! "جانتے ہو اگر یہ شخص نہ آیا تو اس کی جگہ تمہیں جان دینی ہو گی" حضرت ابوذر غفاریؓ نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے" وہ شخص چلا گیا۔ تیسرا دن ختم ہونے کو آیا اس شخص کا کوئی نام ونشان نہ تھا لوگ پریشان تھے کہ معلوم نہیں وہ شخص آئے گا یا نہیں۔ اچانک دور سے غبار اُڑتا ہوا دکھائی دیا لوگوں کی نظریں اس طرف لگیں ہوئیں تھیں۔ اور یہ وہی شخص تھا جو تین دن کا وعدہ کر کے گیا تھا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "اے شخص اگر تم نہ آتے تو ہم تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ ہمارے پاس تمہارا پتہ وغیرہ بھی نہ تھا اور نہ ہی ہم میں سے کوئی تمہیں جانتا تھا۔ کس چیز نے تمہیں یہاں آنے پر مجبور کیا"؟ اس شخص نے جواب دیا ''امیر المومنین میرے دل میں یہ بات تھی کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اَب مسلمانوں میں سے ایفائے عہد اٹھا لیا گیا ہے''۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوغفاریؓ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "اے ابوذرؓ تم نے کس وجہ سے اس اجنبی کی ضمانت دی"؟ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا ''امیر المومنین میرے دل میں یہ بات آئی کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ اَب مسلمانوں میں سے خیر ہی اٹھا لی گئی ہے"۔ یہ سن کہ مقتول کے وارثوں نے کہا "امیر المومنین ہم نے اس شخص کو معاف کر دیا''۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا" کیوں"؟ انہوں نے کہا: "امیر المومنین کہیں لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ اب مسلمانوں میں سے عفو ودرگزر اٹھا

لیا گیا ہے "----**یہ ہیں احترام آدمیت کی مثالیں!**

قانون الٰہی اور اسوہ رسول خاتم النبیین ﷺ سے انحراف کا نام عذاب ہے اور ہماری شرمناک بے حسی نے ہر سو جمود طاری کر دیا ہے۔**ہادیان حق ہر زمانے میں خبردار کرتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر نہ تو بے وجہ عذاب کرتا ہے اور نہ ہی بے سبب رحم وکرم کے انعامات عنایت کرتا ہے**۔قران پاک میں جہاں کہیں بھی "ان اللہ غفور الرحیم" آیا ہے تو اس سے پچھلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ کن کے لیے غفور رحیم ہے۔ یہ بشارت اتنی عام نہیں ہے جتنی کہ جہالت نے مسلمانوں کو سمجھا دی ہے۔ابتدائے اسلام میں مسجد ہی ایوان اقتدار تھا۔نہ پوپ، نہ پروہت، نہ برہمن، نہ مُلّا۔۔۔۔جو سیاست کا امام وہی عبادت کا امام۔۔۔اکابر صحابہؓ اسی پر کاربند رہے لیکن بعد میں جب حکمران اپنے اعمال کی وجہ سے عوام کے روبرو کھڑے ہونے کے قابل نہ رہے تو علماء کو منبر پر لا کھڑا کیا۔

ہماری تاریخ کا سب سے المناک حادثہ یہی ہے کہ ہم نے اپنی عبادت گاہوں کے زندہ رکھنے والے لوگوں کو یعنی "مولویوں" کو گداگر اور عیسائیوں نے اپنی عبادت گاہوں کے زندہ رکھنے والوں کو "فادر" بنا دیا۔اور اسی طرح۔۔ ہمارا مذہب جلال سے اور ہماری سیاست جمال سے محروم ہوگئی۔جنہیں سرفرازی ملنی تھی وہ تنگدستی اور صدموں سے سرنگوں ہو گئے۔جنہیں سرنگوں ہونا تھا وہ اس طرح سر اٹھائے ہوئے ہیں کہ اللہ کے آگے بھی نہیں جھکتے۔آج ہم نفرت کے مبلغ ہیں۔دعوت حق کا علم ہمارے اپنے ہی تیروں سے تار تار ہو چکا ہے۔اس کی وجہ صرف ایک اور ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ہم نے اسوہ حسنہ رسول مقبول خاتم النبیین ﷺ کو بھلا دیا ہے۔ہم بھول گئے ہیں کہ اگر نائب رسول خاتم النبیین ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ (خلیفہ وقت) کی پیشانی پر شکن آتی تھی تو قیصر و کسریٰ پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔آج ہماری حالت قابل رحم اس وجہ سے ہے کہ ہم نام تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا لیتے ہیں اور کام اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔

ہمیں اللہ کی اطاعت، اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت اور اولیاء اللہ (علماء) کی اطاعت کو کہا گیا ہے۔قرآن وحدیث کے بعد کوئی کلام اولیاء اللہ کے کلام سے بڑھ کر نہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے علماء کو انبیاء کا وارث فرمایا ہے۔

حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "صالحین کا ذکر کرنے کے وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے"۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے لوگوں نے پوچھا "حضرت بزرگانِ دین کی حکایات اور روایات سے لوگوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے"؟ حضرت جنید بغدادیؒ نے جواب دیا "بزرگ لوگوں کا کلام اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جو شکستہ دل انسان کے قلب کو تقویت دیتا ہے"۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود، آیت نمبر 120 میں فرمایا:

ترجمہ:"اے حبیب (خاتم النبیین ﷺ) گزشتہ رسولوں کے قصے ہم تجھ سے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ تمہارا دل اس سے آرام پائے اور زیادہ قوی ہو جائے"۔

شیخ بو علی سیناؒ فرمایا کرتے تھے میری دو خواہشیں ہیں۔ **اول:-** اللہ تعالیٰ کی باتیں سنتا رہوں۔ **دوم:-** میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دیکھتا رہوں۔

امام یوسف ہمدانیؒ سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا "جب یہ زمانہ گزر جائے اور اہل اللہ بھی زندہ نہ رہیں تو ایسا کیا کریں کہ دین سلامت رہے"؟ فرمایا "ہر روز آٹھ ورق بزرگ لوگوں کے کلام کے پڑھ لیا کرو"۔

جناب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں"۔داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ اس ارشاد میں علماء سے مراد عالم باعمل ہیں اور وہ ہم ہیں۔

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے کائنات کی سب سے بڑی سچائی۔۔۔۔۔یہ ایک امانت ہے اللہ تعالیٰ اور سردار کائنات حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے اور ہم سب اس کے امین ہیں۔ یہ دین ایک برادری کی تشکیل دیتا ہے۔ایک ایسی برادری جو خالق کائنات کی فرمانبردار ہے، جو کرہ ارض پر امن وسکون، حق وانصاف اور سچائی کی علمبردار ہے۔اس برادری کے ایک ارب افراد اخوت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ یہ اخوت کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا قائم کیا ہوا ہے۔اس رشتے کے مقابلے میں خونی رشتے کچے دھاگے کی مانند ہیں۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کے رہیں گے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی اتباع کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کے حفظ وامان میں رہیں گے۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس کس انداز میں نوازا ہے؟

1- چار براعظموں میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں۔

2- 50 سے زائد خود مختار اسلامی ریاستیں ہیں جو کہ آپس میں ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔

3- دنیا کی بڑی بڑی آبی گزرگاہوں پر ہمارا قبضہ ہے۔

4- بین الاقوامی تجارتی راستے ہماری دسترس میں ہیں۔

5- طاقتی وسائل (تیل، گیس) کے ہم مالک ہیں۔

6-سونے، تانبے اور لوہے کی کانیں ہمارے علاقوں میں ہیں۔

7- ہر قسم کی زرعی پیداوار کے لیے موزوں خطے ہمارے کنٹرول میں ہیں۔

8-سال کے چار موسموں (گرما، سرما، بہار، خزاں) سے لطف اندوزی کی نعمت ہمیں میسر ہے۔

9- ذہانت، محنت، جرأت ایمانی کا بے مثال ورثہ ہمارے پاس ہے۔

10- ہدایت وروشنی کے لیے الہامی کتاب قران مجید ہماری ہے۔

11- ہمارارب۔۔۔۔رب العالمین ہے۔

12- ہمارے رسول خاتم النبیین ﷺ۔۔۔۔رحمۃ اللعالمین ہیں۔

13-ہماراماضی شانداراور درخشاں ہے۔

یہ سب کچھ توہمیں میسر ہے۔اب ہمارانمبر ہے۔ہم ہیں اپنا حال اور مستقبل بنانے والے۔اور ہم صرف نمازیں پڑھ کرملی فرائض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ہم نے اپنے آباؤ اجداد کے نمونوں کو چھوڑ دیا-کس طرح وہ راتوں کو مُصلّوں پر اور دن میں (میدان جہاد میں) گھوڑوں کی پیٹھوں پر ہوا کرتے تھے۔وہ نماز کے لیے پانی سے وضو کرتے تھے اور جنگ میں خون سے نہایا کرتے تھے۔کیا آج ہم اسلام کی تبلیغ میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی سیرت مبارکہ کو مدنظر رکھتے ہیں؟

سب سے پہلے تو۔۔۔۔ہمیں دیکھنا ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سیرت واخلاق کا کون سا پہلو ہمارے کردار (کریکٹر) میں موجود ہے۔سیرت النبی خاتم النبیین ﷺ کے جلسوں اور صرف میلاد کے محفلوں سے کام نہیں چلتا۔اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ عبادات جان ومال کی قربانی کے بغیر معتبر نہیں ہوتی۔مالک کی رضا بیک وقت تین تقاضوں کی تکمیل چاہتی ہے۔**جان، مال اور زبان**۔۔۔یعنی جہاد فی القتل، جہاد فی المال اور جہاد باللسان (ہر وہ کوشش جوکلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیے کی جائے جہاد ہے) ہمیں ہر وقت اللہ ہی کے لیے وقف رہنا چاہیے۔

آج ہمارا عمل اور عبادت قربانی اور ایثار سے خالی ہے۔ہم زبانی جمع خرچ سے قوم کی تقدیر بدلنا چاہتے ہیں۔اچھا تو یہ ہوتا کہ ہمارے عمل ہی ہمارا بیان بن جاتا۔

جس قوم میں بدکاری اور فحاشی عام ہوجائے اللہ اس کی مصیبتوں میں اضافہ کر دیتا ہے۔جس قوم نے جہاد (ہر وہ کوشش جوکلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیے کی جائے) چھوڑ دیا اللہ اسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔وہ اللہ کی نظر میں گر جاتا ہے۔

اسلام کاہل پسندی، فحاشی اور عیش کوشی کو پسند نہیں کرتا بلکہ اسلام ہمیں سرفروشی سکھاتا ہے۔سرفروش اپنے مالک کی رضا کے لیے اپنے اوپر آرام حرام کر دیتے ہیں۔

تساہل (کاہل) اور عیش پرست حکمران جو اللہ کو بھول جاتے ہیں اللہ بھی انہیں نظر انداز کر دیتا ہے۔

بہادر شاہ ظفر کے سارے شہزادوں کے سر قلم کر کے اس کے سامنے کیوں پیش کیئے گئے؟ قبر کیلئے زمین کی جگہ کیوں نہ ملی؟ آج بھی ان کی نسل کے بچے کچے لوگ بھیک کیوں مانگتے پھرتے ہیں؟ یاد رکھیں! تباہی ایک دن میں نہیں آیا کرتی -اللہ تعالی بہت مہلت دیتا ہے---اس سے زیادہ مہلت کوئی دے ہی نہیں سکتا-نمازوں کی پرواہ نہ کر کے اور اسوہ حسنہ پر عمل نہ کر کے دوپہر تک بے پرواہی سے سونے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے-

تمثیل:- زمانہ 1850ء کے لگ بھگ کا ہے-مقام دلی ہے-وقت صبح کے ساڑھے تین بجے کا ہے سول لائن میں بگل بج اٹھا ہے-پچاس سالہ کپتان رابرٹ اور اٹھارہ سالہ لیفٹیننٹ ہینری دونوں ڈرل کیلئے جاگ گئے ہیں-دو گھنٹے بعد طلوع آفتاب کے وقت انگریز سویلین بھی بیدار ہو کر ورزش کر رہے ہیں-انگریز عورتیں گھوڑ سواری کو نکل گئی ہیں-سات بجے انگریز مجسٹریٹ دفتروں میں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے ہیں-ایسٹ انڈیا کمپنی کے سفیر سر تھامس مٹکاف دوپہر تک کام کا اکثر حصہ ختم کر چکا ہے-کوتوالی اور شاہی دربار کے خطوں کا جواب دیا جا چکا ہے-بہادر شاہ ظفر کے تازہ ترین حالات کا تجزیہ آگرہ اور کلکتہ بھیج دیا گیا ہے-دن کے ایک بجے سر مٹکاف بگھی پر سوار ہو کر وقفہ کرنے کیلئے گھر کی طرف چل پڑا ہے-

یہ ہے وہ وقت جب لال قلعہ کے شاہی محل میں "صبح" کی چہل پہل شروع ہو رہی ہے-ظل الٰہی (بہادر شاہ ظفر) کے محل میں صبح صادق کے وقت مشاعرہ ختم ہوا تھا جس کے

بعد ظلِ الٰہی اور عمائدین خواب گاہوں کو گئے تھے اب کنیزیں نقرئی برتن میں ظلِ الٰہی کا منہ ہاتھ دھلا رہی ہیں اور تولیہ بردار ماہ جبینیں چہرہ، پاؤں اور شاہی ناک صاف کر رہی ہیں اور حکیم چمن لال شاہی پائے مبارک کے تلووں پر روغن زیتون مل رہا ہے۔ **اس حقیقت کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ لال قلعہ میں ناشتے کا وقت اور دہلی کے برطانوی حصے میں دوپہر کے لنچ کا وقت ایک ہی تھا۔ دو ہزار سے زائد شہزادوں کا بٹیر بازی، مرغ بازی، کبوتر بازی اور مینڈھوں کی لڑائی کا وقت بھی وہی تھا۔**

شاہی محل کے ان شہزادوں کا اور کوئی شغل نہ تھا۔ بس ہر وقت کھیل تماشہ، عیش پرستی اور کھانا پینا۔ ظاہر ہے ان انگوٹھا چھاپ شہزادوں کا اور کیا انجام ہو سکتا تھا؟

قرآن پاک سورہ آل عمران، آیت نمبر 117:۔　　ترجمہ: "اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے"۔

اللہ کی ایک سنت ہے۔ اللہ کی سنت کسی کیلئے نہیں بدلتی۔ اسکا کوئی رشتہ دار نہیں۔ نہ اس نے کسی کو جنا، نہ کسی نے اس کو جنا۔

عیسائی ورکر تھامسن میٹکاف سات بجے دفتر پہنچ جائیگا تو ضرور کامیاب ہوگا اور دن کے ایک بجے تولیہ بردار کنیزوں سے چہرہ صاف کروانے والا، بہادر شاہ ظفر مسلمان بادشاہ ہی کیوں نہ ہو ناکام رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر محنت کرنے والے کو نوازتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ محنت میں عظمت ہے۔ محنت میں برکت ہے۔ جو محنت کرے گا اور رب چاہی زندگی گزارے گا وہ ضرور کامیاب رہے گا اس دنیا میں بھی اور اگلی دنیا میں بھی۔

جس قوم میں کاہلی، سستی فحاشی اور چور بازاری آجائے اس کی عبادات کیا کام آئیں گی؟ بس ہمیں کچھ چیزیں چھوڑنی ہیں۔ کاہلی، سستی، فحاشی، جھوٹ، غیبت، چغلی اور حسد۔۔۔ رحمت الٰہی برسنے لگے گی۔

اللہ رب العالمین جو کہ انسان جسم الوجود کا خالق و مالک ہے۔ اس نے ہماری رہنمائی کے لیے نہ صرف کتابِ ہدایت (القرآن) نازل فرمایا بلکہ ہادیانِ حق بھی نمونہ دینے کے لیے معبوث فرمائے۔ اس کے بعد یہ فریضہ صالحین کے سپرد ہوا جو اس کام کو تا قیامت جاری رکھیں گے۔ (ان شاء اللہ)

سورہ المائدہ، آیت نمبر 35 میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا:　　وَ ابتَغُوا اِلَیهِ الوَسِیلَةَ　ترجمہ: "اور اللہ کی طرف وسیلہ پکڑو"۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: (سورہ الفرقان، آیت نمبر 59)　　ترجمہ: "وہ (ذات اقدس) تو رحمن ہے، پس اس کی شان صاحب خبر لوگوں سے پوچھ"۔

ان ہستیوں کی کارکردگی پر بھی غور کریں کہ جنہوں نے مختلف کارہائے نمایاں میں اپنا اپنا حق ادا کیا:

1- ہیئت دانوں نے ستاروں کی چالیں بتائیں۔

2- حکماء نے چیزوں کے خواص معلوم کئے۔

3- اطباء نے بیماریوں کے اسباب و علاج دریافت کیے۔

4- مہندسوں نے فن تعمیر کو ترقی دی۔

5- ماہرین اجرام فلکی نے سیاروں اور ستاروں پر تحقیق کی۔

6- سائنسدانوں نے جواہری توانائی سے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔

7- مواصلات کے موجدوں نے سریع رفتار پیغام رسانی میں کمال کر دکھایا۔

ان سب کی کاوشیں قابل تحسین ہیں۔ ہم ان سب ہی کے ممنون ہیں۔ **مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان کے ہیں جنہوں نے انسان کی اندرونی زندگی کی چالیں درست کیں۔۔ روحانی بیماریوں کے نسخے تحریر کیے۔۔۔ ہمارے جذبات و احساسات کے نقش درست کیے۔۔۔ ہمارے نفوس و قلوب کے عروج و زوال کا فن ترتیب دیا۔**

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک ہر عالم کے لیے ہے۔ ان کی کتاب (قرآن مجید) ہمارے پاس من و عن موجود ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ لیکن ان مادی چیزوں کی تخلیق و ترقی کا انحصار صرف انسان پر نہیں بلکہ اُس عظیم قادر مطلق، خلاق اعظم مصورِ کائنات پر ہے۔

انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کو قیامت تک قائم و دائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کے نقش قدم پر چلنے والی ہستیاں بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم، اچھی سے اچھی ہدایت پا کر ایک ایسی شخصیت کی حامل اور عامل ہو جائیں کہ جن کی تعلیمات اور صحبت سے لوگوں کے قلب و روح میں سنوار اور نکھار پیدا ہو اور وہ ہماری توجہ اور محبت کا مرکز ہو۔ ایسی شخصیات کو لوگ کوئی بھی نام دے دیں۔ اُنہیں راہبر کہیں، ھادی کہیں، شیخ کہیں، پیر کامل کہیں یا مرشد۔۔۔۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان بزرگ

ہستیوں نے اللہ تعالی سے رابطے کا جو طریقہ بتایا ہے وہ اسوہ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی، اکلِ حلال، ذکر دوام اور خدمت خلق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم جس قدر جان، مال وزر دین حق پر نچھاور کریں گے، اُسی قدر کائنات کے رموز واسرار ہمارے دل میں کھلتے جائیں گے۔ لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ پانچ وقت اللہ تعالی کے حضور سر جھکانا مشکل مگر 24 گھنٹے مردود ملعون دنیا کے لیے مارے مارے پھرنا آسان ہے۔ ہم یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ جتنا ہم عاجزی کے ساتھ اللہ کے حضور جھکیں گے اتنا ہی یہ مردود دنیا ہمارے قدموں میں جھکے گی۔ جو شخص بھی کاہلی، سستی، فحاشی، جھوٹ، غیبت، چغلی، حسد، نفاق، اور ریا سے پاک ہو جاتا ہے اُسے "مرتبہ عنایت" حاصل ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں: بندے کے پاس دو ہی چیزیں قیمتی ہیں طاعت اور ذکر۔۔۔ جہاں یہ نہیں وہاں کچھ بھی نہیں اور جہاں یہ ہیں وہاں سب کچھ ہے۔

امرا تباہ ہو جائیں تو خلقت کی معاش تباہ ہو جاتی ہے---- **عالم** تباہ ہو جائیں تو خلقت کا دین تباہ ہو جاتا ہے---- اور جب **فقرا** تباہ ہو جائیں تو خلقت کا دل تباہ ہو جاتا ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "حق تعالی کی نعمتیں، رحمتیں ہر وقت--- ہر زمانے میں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ جب تک دنیا رہے گی لوگوں کو پہنچتی رہیں گی"۔ یعنی "انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے ارشادات پر کان لگاؤ"۔ (مولانا رومیؒ)

اعمال میں نیت کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ لیکن ہمارا حال تو یہ ہے کہ بعض دلوں میں صنم کا ڈیرہ۔۔۔ بعض کا حجاب مال۔۔۔ بعض کا شہرت۔۔۔ بعض کا نفس۔۔۔ بعض کا اولاد۔۔۔ بعض کا کینہ۔۔۔ بعض کا لین دین۔۔۔ بعض کا بزنس و تجارت۔۔۔ بعض کا غیبت۔۔۔ بعض کا حرص و ہوس۔۔۔ بعض کا تمنائیں اور حسرتیں۔۔۔ اور بعض کا اپنا جسم۔۔۔ **خلوص نیت ہے کہاں؟**

لباس پارسائی سے شرافت آ نہیں سکتی
شرافت نفس میں ہو، تو انسان پارسا ہوگا

آج ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔۔۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔۔۔ حج پہ حج کیے جا رہے ہیں۔۔۔ ذکر الہی کی مجالس بھی سجاتے ہیں۔۔۔ خیرات بھی کرتے ہیں۔۔۔ دعوت و تبلیغ بھی کرتے ہیں۔۔۔ مگر فرشتے محوِ حیرت ہیں کہ:-

1- جھوٹ بولنے والے۔۔۔ اللہ کے دشمن۔۔۔ اللہ کے دشمنوں کی نماز۔۔۔ نماز کس طرح ہوئی؟
2- غیبت کرنے والے۔۔۔ اللہ کے دشمن۔۔۔ ان کی نیکیاں۔۔۔ نیکیاں کیونکر ہوئیں۔
3- چغل خور۔۔۔ شیطان کے بندے۔۔۔ رحمان کے بندے کیسے ہو سکتے ہیں؟
4- ریاکار۔۔۔ نخل توحید سے کیا پھل پا سکتے ہیں؟
5- حرام خور (سود خور) اور حرام کار۔۔۔ اللہ کے دشمن۔۔۔ اللہ کے دشمنوں کی دعا قبولیت کیسے پا سکتی ہے؟
6- آیات الٰہی سے روگردانی کرنے والے۔۔۔ اللہ کے دشمن۔۔۔ سیدھی راہ کیسے پا سکتے ہیں؟
7- زانی، شرابی اور لٹیرے۔۔۔ اللہ کے باغی۔۔۔ فلاح کیوں کر پا سکتے ہیں؟
8- مغربی تہذیب کے دلدادہ۔۔۔ حجازی سرور کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟
9- قرآن تو متقین کے لیے سراپا ہدایت ہے۔۔۔ تقوی سے روگردانی کرنے والے۔۔۔ ہدایت کیوں کر پا سکتے ہیں؟

ہم بھول گئے ہیں کہ قانون الٰہی سے انحراف ہی دوزخ---- اور قانون الٰہی کی پابندی ہی جنت ہے۔

کیا ہم ہی ہیں حضور پاک خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والے؟؟ کیا ہم ہی ہیں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنے والے؟؟ کیا ہم ہی ہیں حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا؟؟

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دِل سے اِحساسِ زیاں جاتا رہا

کیا ہم نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کی امید رکھ سکتے ہیں؟

****

دنیا کی بے ثباتی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی رہائش کے لیے جنت بنائی تھی۔ جنت کا مطلب ہے ایسی جگہ جہاں غم، خوف، ڈر، فساد اور مشقت نہ ہو۔ بے سکونی، بدصورتی، گندگی، غلاظت اور کثافت نہ ہو۔ جب غم اور خوف ختم ہو جائے تو خوشی کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ یہ دنیا لاکھوں پریشانیوں، دکھوں اور مصیبتوں کی دنیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں ہر شخص اپنی آگ میں جل رہا ہے۔ منافقت نے اس کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ مسکراہٹ ابلیسیت میں اور اخلاص فریب میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اصل میں یہ دنیا کانٹوں بھرا راستہ بھی ہے اور پھولوں کی سیج بھی ہے۔ کوئی کانٹوں بھری زندگی کو گلے لگا لیتا ہے اور کوئی خوشیوں بھری زندگی کو۔ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر آدمی اگر چاہے تو پرسکون اور پرمسرت زندگی کو اپنا سکتا ہے۔ اس کا فارمولہ یہ کہ:

جو چیز حاصل ہے اس کو شکر کے ساتھ استعمال کیا جائے اور جو چیز حاصل نہیں ہے اس کے حصول کے لیے تدابیر کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کیا جائے تو شکر کیا جائے اور نعمتوں کے فقدان پر صبر کیا جائے یعنی راضی بہ رضا رہے۔ جب انسان نعمتوں کا کفران کرتے ہیں اور صبر سے خود کو آراستہ نہیں کرتے تو ان کے دلوں میں دنیا کی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے یہ دنیا عارضی اور فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ عارضی اور فنا ہو جانے والی دنیا کو مقصد زندگی قرار دے دیا جائے۔ اللہ چاہتا ہے کہ انسان سکون کے گہوارے میں ابدی زندگی تلاش کرے اور دنیا کے تمام ساز و سامان اور وسائل کو راستے کا گرد و غبار سمجھے۔ یہ مال و زر، یہ دولت اور یہ دنیا سب کچھ انسان کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جبکہ انسان خود کو یہ باور کروانے میں مصروف ہے کہ مجھے دنیا کے لیے بنایا گیا ہے۔ نوع انسانی دین اور اخلاقی قدروں سے اتنی دور ہو گئی ہے کہ اس کے شعور پر حیوانیت کا غلبہ نظر آنے لگا ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے ایک دن سوال کیا "انسان کے ساتھ بشری تقاضے ہیں، کمزوریاں مجبوریاں ہیں، بتائیے کہ اس ماحول میں کیسے خوش رہا جا سکتا ہے"؟ انہوں نے تین باتیں بتائیں "ان تینوں کو اختیار کر کے آدمی ہمیشہ خوش رہ سکتا ہے۔ <u>پہلی بات</u> یہ کہ جو تمہارے پاس ہے اس کا شکر ادا کرو اور جو تمہارے پاس نہیں ہے اس کا شکوہ نہ کرو۔ <u>دوسری بات</u> یہ ہے کہ جدوجہد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں کسی کی کوشش رائیگاں نہیں کرتا۔ <u>تیسری بات</u> یہ کہ کسی سے توقع قائم نہ کرو۔ ہمیشہ مالک و خالق اللہ تعالیٰ کی ذات پر صدق دل سے یقین کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق انسان کو تعمیر اور تخریب دونوں صلاحیتیں دی ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو موجودہ زمانے میں علم اپنے عروج پر ہے لیکن علم میں اتنا اضافہ ہونے کے باوجود انسان بے سکون اور پریشان کیوں ہے؟ آج کا انسان ڈپریشن میں کیوں مبتلا رہتا ہے؟ اس کا سیدھا اور آسان جواب یہ ہے کہ آج کے انسان نے عارضی دنیا کی عارضی آسائش و آرام یعنی فانی دنیا کے فانی اسباب و وسائل کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو آج اس دنیا میں آیا ہے اسے کل اس دنیا سے جانا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو آدم اور حوا سے لے کر اب تک ہر انسان کے مشاہدے میں ہے جو پیدا ہوتا ہے وہ اپنی مرضی اور اپنی منشاء کے بغیر اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ ہمارا خالق اللہ ہے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا اور اس دنیا میں بھیجا۔ اس دنیا میں رہنے کے تمام اسباب و وسائل مفت فراہم کئے۔ اُس نے ہمیں یہاں مستقل سکونت کے لیے نہیں بھیجا۔ اس نے اس دنیا میں رہنے کے لیے ہمارے لیے قواعد و ضوابط بنائے ہیں۔ قواعد و ضوابط میں بہت ساری چیزیں آ جاتی ہیں۔ ہماری پریشانی اور اضطراب کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے مقصد زندگی کو نہیں سمجھا کہ خالق حقیقی نے اس عارضی اور فنا ہونے والی زندگی میں ہمیں کیوں بھیجا ہے؟ اور ہم نے اس عارضی دنیا ہی کو اپنی منزل سمجھ لیا ہے۔

ہم یہ بھول گئے ہیں کہ ہم مسافر ہیں۔ ہماری منزل یہ دنیا نہیں ہے۔ ہماری منزل تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سورہ آل عمران، آیت نمبر 109 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹ کر جائیں گے۔''

ایک مسلمان اگر سعادت مند ہے تو ''شر'' سے بچتا رہے۔ اللہ تعالیٰ شر اور فساد سے بچنے والوں پر ہمیشہ رحم کرتا ہے۔ رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کریں اور بے جا دولت خرچ نہ کریں کہ دولت اڑانے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ شیطان اللہ کا باغی ہے۔ اگر ہم تہی دست ہیں اور کسی کو کچھ دے نہیں سکتے تو مانگنے والوں کو نرمی سے ٹال دو۔ وعدہ پورا کرو کہ وعدوں کے بازپرس ہوگی۔ ناپ تول پورا رکھو، تجسس نہ کرو، ٹوہ نہ لگاؤ، غیبت نہ کرو، چغلی نہ کرو، زمین پر اکڑ کا نہ چلو، عاجزی، تواضع، خوش خلقی، عفو و درگزر، حلیمی، توکل اور قناعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا زبانی شکر بھی ادا کرو لیکن دل میں ہر وقت اس کی ہر ہر نعمت پر شکر گزاری رہے۔ انسان جب تک نعمتوں پر شکر گزاری کرتا رہتا ہے رب چاہی زندگی بسر کرتا رہتا ہے وہ سکون پاتا ہے لیکن جب نافرمانیاں اجتماعی شکل اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ زمین کو ہلا ڈالنے کا حکم فرما دیتا ہے۔ اور تین منٹ میں سو منزلہ عمارت کو زمین دوز

کردیتا ہے۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ چند ہی منٹوں میں ہزاروں آدمی کیوں زمین بوس ہوجاتے ہیں؟ سورہ شوریٰ، آیت نمبر 30 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ’’اور تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہیں اور اللہ تو بہت سی خطاؤں کو درگزر کرتا ہے‘‘۔

سورہ النور آیت نمبر 31 اللہ تعالیٰ ہمیں علاج بھی بتادیتا ہے۔ ترجمہ: ’’اور تم مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹو اے مومنو تاکہ تم فلاح پاؤ‘‘۔

یہ دنیا معلوم نہیں کب سے ہے؟ اور کب تک رہے گی؟ آنے والے آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ چھپ جاتے ہیں ایسے جیسے کبھی وہ اس دنیا میں آئے ہی نہیں تھے۔ جب دنیا کی تاریخ زیر بحث آتی ہے تو اعلیٰ دماغ کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ پانچ ہزار سال سے زیادہ پرانی نہیں ہے۔ اگر فرض کیا ایسا ہی ہے تب بھی پانچ ہزار سال سے لوگ آرہے ہیں اور جا رہے ہیں یعنی ہر شخص اپنا سفر مکمل کرتا ہے اور چلا جاتا ہے اب اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں بھیجا ہے؟ اور کیا جس کام کے لیے میں یہاں آیا ہوں وہ میں کر بھی رہا ہوں یا نہیں؟

کسی زمانے میں اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھنے والے ایک نوجوان کے پاس حضرت خضر علیہ السلام تشریف لایا کرتے تھے۔ اس بات کا تذکرہ جب اس دور کے بادشاہ کے سامنے ہوا تو بادشاہ نے اس نوجوان عارف کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اس سے تنہائی میں دریافت کیا" کیا تمہارے پاس واقعی حضرت خضر علیہ السلام تشریف لاتے ہیں"؟ نوجوان نے جواب دیا’’جی ہاں یہ درست ہے‘‘۔ بادشاہ نے نوجوان سے فرمائش کی "اگر اب حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائیں تو ان کی مجھ سے بھی ملاقات کروانا"۔ اس نوجوان نے بادشاہ کی بات مان لی۔ پھر جب حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے تو نوجوان نے بادشاہ کی خواہش بتائی۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا" چلو ہم ان کے پاس چلتے ہیں"۔ چنانچہ یہ دونوں بادشاہ کے محل میں پہنچے۔ بادشاہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کیا" کیا آپ ہی حضرت خضرؑ ہیں"؟ آپؑ نے فرمایا" جی میں ہی خضر ہوں‘‘ بادشاہ نے کہا" آپؑ نے قرن ہا قرن کا زمانہ دیکھا ہوگا۔ ہمیں کوئی عجیب وغریب قصہ سنایئے"؟۔ حضرت خضرؑ نے جواب دیا" میں نے دنیا میں عجیب عجیب چیزیں دیکھیں ہیں۔ ان میں سے ایک تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں لوسنو’’ ایک مرتبہ میرا گزر ایک وسیع وعریض خوبصورت اور آباد شہر سے ہوا۔ میں نے اس شہر کے باشندے سے پوچھا" بھائی یہ شہر کب سے آباد ہے"؟ اس نے کہا کہ’’ یہ شہر تو بہت پرانا ہے اس کی ابتداء کا تو مجھے علم نہیں ہے اور نہ میرے آباؤ اجداد کو اس کا علم ہے۔ خدا جانے کب سے یہ شہر یونہی آباد چلا آرہا ہے؟‘‘ یہ جواب سننے کے بعد میں نے وہاں اپنا کام مکمل کیا اور آگے روانہ ہوگیا۔ پھر پانچ سو سال کے بعد میرا گزر اس جگہ پر ہوا۔ اب وہاں شہر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا۔ بیابان تھا۔ بہت تلاش بسیار کے بعد ایک آدمی ملا جو سوکھی ہوئی لکڑیاں چن رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا" اس جگہ پر آباد شہر کب برباد ہوا"؟ میری بات سن کر وہ ہنسنے لگا اور بولا" اس جگہ جنگل ہی تھا"۔ یہ سننے کے بعد میں آگے بڑھا اور پھر میرا اس مقام پر پانچ سو سال کے بعد دوبارہ گزر ہوا۔ اب کیا دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا دریا بہہ رہا ہے، دریا اتنا بڑا ہے کہ اس کا دوسرا کنارہ نظر ہی نہیں آرہا۔ کنارے پر چند مچھیرے جال ڈالنے کی تیاری کر رہے تھے وہ لوگ مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے ان سے پوچھا" یہاں تو ایک گھنا جنگل تھا وہ کب ختم ہوا؟ اور یہ دریا کب سے بہنے لگا"؟ انہوں نے حیرت سے مجھے دیکھا ان میں سے ایک بولا" صورت شکل سے تو تم ایک عقلمند آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن عجیب سوال کر رہے ہو؟۔ یہاں تو ہمیشہ سے ہی دریا تھا"۔ میں نے کہا" کیا یہاں پہلے جنگل نہ تھا"؟ وہ کہنے لگے" ہرگز نہیں۔ نہ ہم نے دیکھا نہ ہمارے باپ دادا نے دیکھا۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ یہاں پر ہمیشہ سے دریا بہہ رہا ہے"۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ پانچ سو سال کے بعد میرا اس خطے سے دوبارہ گزر ہوا۔ اب وہاں لق ودق چٹیل میدان تھا۔ وہاں سے ایک چرواہا مویشیوں کا ریوڑ ہانکتے ہوئے گزرا تو میں نے اس سے پوچھا" بھائی یہاں ایک بہت بڑا دریا تھا وہ کب خشک ہوگیا"؟ اس نے میرے طرف ایسے دیکھا جیسے اسے میری عقل پر شبہ ہوا اور پھر بولا" دریا؟ یہاں تو کبھی کوئی دریا نہیں تھا میں نے تو کبھی اپنے داداؤں اور پرداداؤں سے بھی نہیں سنا کہ یہاں کوئی دریا تھا"۔ یہ بات سن کر میں آگے بڑھ گیا۔ قدرت کی شان دیکھئے کہ پانچ سو سال کے بعد میرا گزر پھر اسی خطے سے ہوا۔ میں نے جواب یہاں دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہاں تو ایک بہت ہی عظیم الشان شہر آباد تھا۔ یہ تو اس شہر سے بھی زیادہ وسیع اور عریض تھا جو میں نے دو ہزار سال پہلے دیکھا تھا۔ میں نے حسب عادت ایک شخص سے پوچھا" یہ شہر کب سے آباد ہے"؟ اس نے کہا بزرگوار یہ شہر، یہ شہر تو بہت قدیم ہے یہ کب آباد ہوا؟ اس کے بارے میں حتمی طور پر ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے بلکہ اس کے بارے میں تو ہماری پچھلی نسلیں بھی لاعلم تھیں"۔ یہ قصہ سنا کر حضرت خضرؑ بادشاہ کے محل سے تشریف لے گئے۔

تو یہ دنیا ایک طرف بقا ہے تو دوسری طرف فنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بقا اور فنا کا یہ کھیل ریت کے گھروندے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایک معین مدت کے بعد (یہ معین مدت ایک ہزار سال بھی ہوسکتی ہے) خشک زمین پر آباد دنیا تہہ آب آجاتی ہے۔ شعور زمین کے اندر غاروں سے شروع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ جوان ہوتا ہے اور جیسے جیسے شعور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے۔ انسان ترقی یافتہ کہلاتا ہے۔ غاروں کی زندگی کا دور ہو، دھات کی دریافت کا زمانہ ہو، آگ سے

واقفیت کا زمانہ ہو یا انسانی ذہن توانائی کے فارمولے سے واقف ہوجائے۔ بحر حال انسان گھٹتا بڑھتا، مٹتا اور فنا ہوتا رہتا ہے۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ جو لوگوں سے خراج لیا کرتے تھے جب زیر زمین دفن ہوجاتے ہیں تو خراج دینے والے انہیں جوتیوں اور پیروں سے روندتے پھرتے ہیں۔ یہی وہ سربستہ راز ہے جس کو بتانے ،جس کو سمجھانے اور جس کو عام کرنے کے لیے قدرت روشن اور منور لوگوں کو (انبیاءِ کرام) کو دنیا میں بھیجتی ہے اور زمین کے یہ روشن چراغ زمین پر بسنے والے لوگوں کو روشنی اور نور سے متعارف کرواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعوے کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے اور یہ دعویٰ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اسی وقت قابل قبول ہوتا ہے جب ہم اللہ کی طرف سے بھیجی گئی روشنی سے پورا فائدہ اٹھائیں۔

قرآن پاک کے علوم ان بندوں پر منکشف نہیں ہوتے جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے روشن چراغ کی اتباع سے محبت نہ ہو۔قرآن تو ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو متقی ہوں اور متقی اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پر یقین کامل نہیں ہوگا اس وقت تک علوم نہیں سیکھے جاسکتے۔ اس لیے کہ قرآن ہی علوم کا منبع ہے۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک صلاحیت دی ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے جس کے تحت وہ اچھائی اور برائی، خیر وشر میں تمیز کرتا ہے۔اس صلاحیت کو نور باطن کہتے ہیں۔اس کا ایک نام ضمیر بھی ہے۔ضمیر کی راہنمائی کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بااختیار بنا دیا ہے۔اس لیے انسان کو ضمیر کی تحریکات کو سمجھ کر راہنمائی قبول کرنی چاہیے۔

جو نور پوری کائنات میں پھیلتا ہے اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں جب انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ راست بازی اور حق وصداقت سے دور ہوجاتا ہے تو انسان کا شعور اس قدر حیران و پریشان ہوجاتا ہے کہ اس وقت اگر اس کو یقین وصداقت کی روشنی نہ دیکھائی جائے تو وہ اپنی راہ گم کردیتا ہے۔ **یاد رکھیں! یہ دنیا فریب ہے۔فریب خوردہ انسان کی ہر بات فریب ہے جو لوگ یہ بات جان لیتے ہیں ان کے لیے یہ دنیا سکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔** اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب طرح کے لوگ موجود ہیں۔ سیدھے سادے اور معصوم لوگ، پیار ومحبت کرنے والے لوگ، قوم کی فلاح و بہبود چاہنے والے لوگ، نظام کائنات پر غور وفکر کرنے والے لوگ اور اللہ تعالیٰ سے دوستی کرنے والے لوگ۔اس کے برعکس دوسرے گروہ میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی کا مقصد ذاتی منفعت، خود غرضی لوٹ مار، دوسروں کو اپنا غلام بنانا، فساد اور دہشت گردی کرنا، معاشرے میں ایسی قدریں نافذ کردینا جن سے ہر آدمی کا سکون غارت ہوجائے اور صنعت اور تجارت کے نام پر ایسا جال پھینک دینا جس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق روتی اور کراہتی رہے۔

معاشرے میں جب ایسی منفی قدریں زیادہ ہوجاتی ہیں تو قدرت اپنا فیصلہ جاری کردیتی ہے۔اس کا جاری اور نافذ قانون ہے کہ وہ معاشرے کی ان برائیوں کو دھونے کے لیے خود غرضی ختم کرنے کے لیے اور زمین پر فساد پھیلانے والوں کو سزا دینے کے لیے ایک تبدیلی لے آتی ہے۔ جہاں زمین ہے وہاں پانی آجاتا ہے اور جہاں پانی ہے وہاں خشک زمین ظاہر ہوجاتی ہے۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات انسان کے لیے بنائی ہے۔جب انسانی قدریں پامال ہوجاتی ہیں تو انسان اپنے شرف سے محروم ہوجاتا ہے اور اس کے اوپر طرح طرح کی بیماریاں طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں نازل ہوتی رہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق کم وبیش ایک ہزار سال کے بعد زمین تہہ آب آجاتی ہے۔ ایسے شواہد سامنے آتے رہتے ہیں جن سے طوفان آنے کی اطلاع ملتی ہے۔زمین پر وقفے وقفے سے جب مختلف مقامات پر زلزلے اور سیلاب آتے ہیں تو زمین پر موجود بڑے بڑے پہاڑ پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔ پھر ہر طرف پانی ہی پانی ہوجاتا ہے اور آبادیوں کو سمندر نگل جاتا ہے۔طوفان نوح سے پہلے جو حالات تھے وہ آج کے اس دور میں اپنے شباب پر ہیں۔ آج پھر زمین کراہ رہی ہے۔ وہ اب مزید فساد و بغض، لالچ، خود غرضی، قتل وغارت اور دولت پرستی کے عذاب کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے آج پھر زمین خود کو سڑے ہوئے اجسام سے پاک کرنا چاہتی ہے۔اب دنیا پھر طوفان کی زد میں ہے۔اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان خود غرضی کے خول سے باہر نکل آئے۔ دوسرے آدمیوں کو اپنی طرح کا آدمی خیال کرے۔ حرص وہوس اور لالچ سے خود کو آزاد کرے توبہ استغفار کرکے اللہ سے دوستی کی جائے ایثار وخلوص کی قدروں کو بحال کیا جائے۔ خوف خدا رکھا جائے۔ عریانی، فحاشی، جسم فروشی اور طاقت وروں کی جانب سے کمزور اور مجبور انسانوں کے ساتھ توہین آمیز رویے سے اجتناب کیا جائے۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ **دنیا کا مقام کتنا عارضی قیام ہے؟**

زندگی اس دنیا میں آنے کا نام اور موت اس دنیا سے واپسی کا نام ہے۔اس آنے اور جانے کے درمیان ایک مختصر سا وقت جو ہم سب کو ملا ہے ہر چیز سے قیمتی ہے اس وقت کا صحیح استعمال اور حقیقی فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جو اپنے آغاز اور انجام سے باخبر ہو اس چند روزہ زندگی میں کامیاب وہ نہیں جو ڈھیروں مال کمائے ، بڑے بڑے محلات تیار کروائے اصل کامیاب وہ ہے جو اپنے وقت کو مفید کاموں میں صرف کرے۔ قران پاک سورۃ شعریٰ آیت نمبر 89-88 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ’’جس روز مال اور بیٹے کام نہ آئیں گے۔ مگر جو اللہ تعالیٰ کے سامنے قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔‘‘ یہ زندگی ایک امتحان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی

نعمتوں کو کس کی مرضی کے مطابق گزارتے ہیں؟''رحمن کی یا شیطان کی''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے (سورۃ ملک، آیت نمبر 2) ترجمہ:''وہ جس نے موت اور زندگی کو اس لیے بنایا کہ دیکھ سکے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے''۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی لوگ قدر نہیں کرتے۔(1) تندرستی (2) فراغت

تندرستی اور فراغت میں نیکی و ثواب کے کام اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لی جائے تو آخرت کے لیے بہترین سامان ہو سکتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں''نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا دنیا میں اسی طرح رہو جس طرح کوئی مسافر یا راہ گزر رہتا ہے"۔(بخاری)

اور عبداللہ بن عمرؓ یہ فرمایا کرتے تھے''جب شام کا وقت ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کے اوقات میں اپنی بیماری کے لیے کچھ بنا لو اور اپنی زندگی میں موت کے لیے سامان پکڑ لو"۔(بخاری)

جسمانی زندگی کا انحصار روحانی زندگی پر ہے اور روحانی صحت کی کنجی اطمینان قلب ہے اور اطمینان اور سکون اسی دل میں ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی محبت ایک ساتھ جمع ہو۔ایسا انسان اول تو گناہ کی طرف مائل ہی نہیں ہوگا اور اگر وہ غلطی کر بیٹھے تو فوراً استغفار اور توبہ سے اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ذہنی الجھنیں اور اخلاقی برائیاں مثلاً غصہ، حسد، بغض، بدزبانی، تنگ نظری، تکبر وغیرہ روحانی صحت کے دشمن ہیں۔پانچ وقت کی نماز عبادت اور دوسرے فوائد کے ساتھ بہترین ورزش بھی ہے۔نماز کی اتنی عادت ہونی چاہیے کہ کبھی مجبوراً بھی قضا ہو جائے تو اذیت اور محرومی کا احساس ہو۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مومن کی معراج بتایا ہے سال میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ ہر ماہ چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کے روزے اور اگر ہو سکے تو ہر ماہ پیر اور جمعرات کا روزہ نفلی رکھا جائے۔نفلی عبادات کو روحانیت میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔فرض عبادت کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کی رضا میں چلا جاتا ہے یعنی اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔اور نوافل سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

نفل عبادت گناہوں اور زیادتیوں کا کفارہ بھی ہوتی ہے۔حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے یہ بات سنی کہ''آدمیوں کو اس کے بال بچوں اور مال اور پڑوسیوں کی وجہ سے فتنہ میں پڑنے کا امکان ہوتا ہے۔نماز، روزہ اور صدقہ اس کو دور کر دیتے ہیں"۔(بخاری)

روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ خیرات کرنے سے انسان کے اندر مال اور دنیا کی محبت کم ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا''(اے نبی خاتم النبیین ﷺ) تم ان کے اموال سے زکوٰۃ لو تاکہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو اور ان کے لیے دعائے رحمت کرو بے شک آپ خاتم النبیین ﷺ کی دعا سے ان کو سکون اور اطمینان حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے"۔

ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سوال کیا" کون سا صدقہ انسان کے لیے افضل ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''وہ صدقہ جو تندرستی کی حالت میں ہو، جبکہ تجھ پر مال کی حرص غالب ہو، اور ناداری کا اندیشہ بھی ہو اور تونگری کی خواہش بھی ہو۔لہٰذا اس وقت کا انتظار نہ کرنا جب دم حلق میں آجائے اور اس وقت تم کہو کہ فلاں کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا، حالانکہ اب تو وہ از خود فلاں اور فلاں کا ہو چکا"۔(بخاری)

صحت ہو یا بیماری، خوشی ہو یا غمی، نفع ہو یا نقصان غرض زندگی کے ہر اتار، چڑھاؤ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کی عادت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔اچھے حال میں الحمدللہ اور مشکل حالات میں اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہنا روحانی صحت کے لے بہترین نسخہ ہے۔انسان اگر مطمئن رہنا چاہے تو مٹی کی جھونپڑی میں رہ کر بھی زندگی گزار سکتا ہے لیکن اگر وہ حریص ہو جائے تو ساری دنیا سمٹ کر اس کی پلیٹ میں آجائے تب بھی اسے کم لگے گی۔

زندگی پلک جھپکنے میں گزر جاتی ہے کوئی سو سال بھی جیے تب بھی بالآخر اسے جانا ہی ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

1- ترجمہ:"اے انسان بے شک تو چلا آرہا ہے اپنے رب کی طرف کشاں کشاں بالآخر تجھے اُسی کے حضور پیش ہونا ہے''۔(سورہ انشقاق، آیت نمبر 6)

2- ترجمہ:''کہہ دیجئے جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں پہنچ کر رہے گی پھر تم چھپے کھلے کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے تمام کام بتلا دے گا''(سورہ جمعہ، آیت نمبر 8)

3- ترجمہ:''ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے''-(سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 57)

4- ترجمہ''آن پہنچی موت کی سختی حق کے ساتھ یہی ہے جس سے تو بھاگتا پھرتا تھا''-(سورہ ق، آیت نمبر 19)

5- ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر کسی ذی روح کو موت نہیں آ سکتی اس کا مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے۔'' (سورہ آل عمران، آیت نمبر 145)

6- ترجمہ: ''پھر جب اس کا وقت آ جائے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ہی آگے بڑھ سکتے ہیں"-(سورہ نحل، آیت نمبر 61)

موت کو یاد رکھنا انسان کو تقویٰ سے قریب کر دیتا ہے-

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: ''لذتوں کو مکدر کرنے والی چیز (مٹانے والی) یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو"۔ (مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 1607)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''موت کا فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا تو انہوں نے اس کی آنکھ پر ہاتھ مارا۔ فرشتہ واپس لوٹ گیا اور اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ''آپ جل جلالہ نے ایک ایسے بندے کے پاس مجھے بھیجا جو موت نہیں چاہتا'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ وہ کسی بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دیں۔ ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے میں ان کی عمر میں ایک سال کا اضافہ کر دیا جائے گا'' موسیٰؑ علیہ السلام نے یہ پیغام سن کر عرض کیا ''اے میرے رب اس کے بعد کیا ہوگا؟'' فرمایا ''پھر موت ہوگی'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ''اے رب جب موت نے آنا ہی ہے تو ابھی اسی وقت۔ اُس وقت حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی عمر 120 برس تھی پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ انہیں ارض مقدس (یروشلم) سے اتنا قریب کر دے کہ جتنی دور سے اُس تک ڈھیلا پھینکا جا سکتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اگر میں وہاں ہوتا تو کثیف احمر کے نیچے راستے کے کنارے ان کی قبر تمہیں دکھاتا"-(بخاری)

آزمائش خواہ کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو انسان کو موت کی آرزو کرنے سے روکا گیا ہے۔ سیدنا حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف یا مرض کی وجہ سے جو اسے پہنچے تنگ آ کر موت کی آرزو ہرگز نہ کرے اگر اس نے ضروری کرنی ہے تو یہ الفاظ کہے ''اے اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے اور مجھے موت اس وقت دینا جب موت میرے لیے بہتر ہو"۔(صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر 5671)

ترجمہ: ''کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی بے شک اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا باخبر ہے۔'' (سورہ لقمان آیت نمبر 34)

ترجمہ: تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ پکڑے گی اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہو"۔(سورہ النسا آیت نمبر 78)

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی خاص مقام پر فوت کرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اس کے لیے وہاں کوئی ضرورت پیدا کر دیتے ہیں۔'' ایسی آرزو رکھنا کہ کسی بابرکت زمین یا مقدس مقام پر مثلاً بیت المقدس، مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں موت آئے یا جنت البقیع یا جنت المعلیٰ میں سے کہیں دفن کیا جاؤں درست ہے"-(بحوالہ بخاری)

موت کے بارے میں لوگ 4 قسم کے ہیں۔

1- پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے موت کا ذکر کیا جائے تو انہیں ناگوار گزرتا ہے اور موت کا ذکر تک پسند نہیں کرتے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے جو اللہ سے ملنا پسند نہیں کرتا اللہ بھی ان سے ملنا پسند نہیں کرتا کیونکہ موت اللہ تعالیٰ سے ملنے کا دوسرا نام ہے۔

2- دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو موت کی تیاری تو کرتے ہیں لیکن دنیا میں زیادہ مشغول رہتے ہیں اس لیے موت سے ڈرتے ہیں کہ اگر موت جلدی آ گئی تو کیا بنے گا؟ اس قسم کے لوگ اگر مسلسل تیاری کرتے رہیں تو کام بن جائے گا اور اگر صرف ڈرتے ہی رہیں تو یہ بھی پہلی قسم کے لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

3- تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے موت کی تیاری کر رکھی ہے اور وہ آرزو کرتے ہیں کہ موت آئے اور اس گناہ کے گھر (دنیا) سے چھٹکارا ملے۔

4- چوتھی قسم کے لوگ عارفین ہیں جن کی تیاری اور توکل کا یہ عالم ہے کہ کہتے ہیں ''اے اللہ ہمیں تو نے زندگی اپنی مرضی سے عطا کی ہے اب موت بھی جب تو مناسب سمجھے عطا کرنا۔ یعنی اللہ کی رضا والی زندگی اور رضا والی موت چاہنا۔ بے شک موت برحق ہے لیکن خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں ایمان پر موت آئے اس لیے ایک مسلمان کی اہم ترین تمناؤں میں سے ایک تمنا یہی ہونی چاہیے کہ بالآخر اس کا خاتمہ کامل ایمان پر ہو اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو تو اس کا رب اس سے راضی ہو اور یہ صرف تمنا ہی نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کے لیے بہترین عمل اور دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کوئی تم میں سے موت کی آرزو نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو (زندہ رہنے میں فائدہ ہے) مزید نیکیاں کرے گا۔ اور اگر وہ بد ہے تو (بھی زندہ رہنے میں) یہ امید ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے"۔(بخاری)

ہم لوگوں کا مقدر نہیں بدل سکتے۔ بیماروں کو شفا نہیں دے سکتے۔ غریبوں کو امیر نہیں بنا سکتے، بھوکوں کو رزق نہیں دے سکتے۔ لیکن ہم ان غریبوں، بیماروں اور

زندگی کے ماروں کو تسلی تو دے سکتے ہیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ تو کر سکتے ہیں۔اُن کو بھلائی کی تلقین تو کر سکتے ہیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو آدمی یہ پسند کرتا ہو کہ اس کو آگ سے دور کر کے جنت میں داخل کیا جائے تو وہ موت کی ایسی حالت میں تیاری رکھے کہ وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو نیز وہ لوگوں کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرے جس برتاؤ کی خود اپنے لیے ان سے توقع رکھتا ہو"۔(مسلم)

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ترجمہ:''میں جنت کے اطراف میں گھر کا ضامن ہوں اس شخص کے لیے جو حق پر ہونے کے باوجود بحث و مباحثہ سے اجتناب کرے۔میں جنت کے اعلیٰ ترین درجہ میں گھر کا ضامن ہوں اس شخص کے لیے جو اچھے اخلاق کا مالک ہو جس کے اخلاق عمدہ ہوں''۔(ابوداؤد)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنت کے حقدار کون ہیں؟ وہ لوگ جو کمزور ہیں اور انہیں کمزور سمجھا جاتا ہے۔اگر وہ اللہ کی قسم اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرماتے ہیں۔پھر فرمایا کیا''میں تمہیں نہ بتاؤں کہ دوزخی کون ہیں؟ وہ سرکش، بخیل اور متکبر لوگ ہیں''۔ (متفق علیہ)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب پکڑتا ہے تو اسے چھوڑتا نہیں ہے''۔ (مسلم)

روزانہ ہر انسان کی قبر اسے پکارتی ہے اور کہتی ہے''اے انسان میں کیڑوں کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں میں وحشت کا گھر ہوں جب تو میرے پاس آئے گا تو میرا سلوک دیکھے گا۔تکلیفوں، مصیبتوں، بیماریوں اور ناکامیوں سے گھبرا کر زندگی ختم کر لینا۔دنیا کے ساتھ آخرت سے بھی محروم ہو جانا ہے۔ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''میرے بندے نے جان نکالنے میں مجھ پر جلدی کی اس کی سزا میں میں نے اس پر جنت حرام کر دی''۔ (بخاری)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"بسا اوقات آدمی لوگوں کے نزدیک (بظاہر) جنتیوں کے سے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور بعض اوقات کوئی ظاہر میں جہنمیوں کے سے کام کر رہا ہوتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے"۔ (مسلم)

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''گزشتہ لوگوں میں ایک شخص کے ایک زخم تھا اس سے بے قرار ہوا چاقو سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا، خون بند نہ ہوا حتیٰ کے مر گیا۔خدا تعالیٰ نے فرمایا''میرے بندے نے اپنی جان لینے میں مجھ سے جلدی کی پس میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا''۔(صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر 1364)

ایک حدیث میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے خود کشی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا''جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کیا وہ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ اپنے آپ کو اس طرح گراتا رہے گا جس نے زہر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کیا وہی زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس کو پیتا رہے گا۔جس نے اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے ہلاک کیا جہنم میں اس کے ہاتھ میں وہی ہتھیار ہوگا جسے وہ اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا جہنم میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے"۔ (بخاری)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اگر جانوروں کو موت کا اتنا علم ہوتا جتنا تمہیں ہے تو کبھی کوئی موٹا جانور تمہیں کھانے کو نہ ملتا۔اور اگر تمہیں موت کا اتنا علم ہوتا جتنا مجھے ہے تو کبھی رغبت سے کھانا نہ کھاتے، کبھی لذت سے پانی نہ پیتے، میٹھی نیند تمہیں آ ہی نہیں سکتی تھی"۔(کنز العمال)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے"۔(جامع ترمذی، حدیث نمبر 2460)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم ڈر کے مارے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر کی آوازیں سنوائے''۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر 7214)

اس لیے یہ جان لینا چاہیے کہ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے۔نیکی کمانے کا یا نیکی کرنے کا وقت الگ سے نہیں آئے گا۔اس دنیا میں اور دنیا کے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے عمل صالح بھی کرنے ہیں۔اس دنیا میں صرف دو چیزیں ہی دائمی ہیں:''اللہ اور اللہ کی راہ میں کی گئی نیکی''۔

عبادت کرنی ہے تو صرف اس کی اور خدمت کرنی ہے تو اس کی مخلوق کی۔ہمارے پاس وقت بہت ہی کم رہ گیا ہے۔آخر خشک پتوں پر جمی ہوئی ریت کتنی دیر قائم رہ سکتی ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ صحرا میں گرے ہوئے اُلوں کی زندگی کتنی ہو سکتی ہے؟ ہمیں ہر طرف نظر کرنی چاہئے۔لوگ کس تیزی سے اپنی زندگی کا ایک دن ختم کر کے دوسرے دن میں قدم رکھ دیتے ہیں اور ہر روز موت کی طرف اپنی قبر کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن ہماری یہ آنکھیں بھی بڑی ہی عجیب ہیں۔یہ جب تک بند نہیں ہوتیں کھلتی ہی نہیں۔بے وقت کھلیں تو سوائے حسرت کے ہمارے پاس کچھ نہ ہوگا یہ زندگی سفر ہے اصل چیز منزل ہے۔منزل سے نگاہ نہ ہٹے۔اب آنکھیں کھولنے اور کچھ کرنے کا وقت ہے آج بازار کھلے ہیں۔کل کے لیے کچھ خرید لیا جائے تو کام آئے گا۔آج عمل کا وقت ہے کل اجر کا۔آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان میں تازگی اور عمل میں تیزی پیدا کر دے تاکہ موت کے بعد کی حسرت سے بچ جائیں (آمین)

دنیا کی محبت اور اس کی حقیقت

دنیا اور متاع دنیا آج ہر انسان کی زندگی کا محور ہے۔اسی کے حصول میں وہ ہمہ وقت سرگرم عمل ہے اور یہی اسکی تمناؤں کا مرکز، اسکی تگ ودو کا حاصل اور اسکی جدوجہد کا محور ہے۔ بیشتر افراد کی قوت وصلاحیت اور اوقات کا استعمال صرف اور صرف دنیا بنانے کیلئے ہے اس لیے کہ یہ دنیا اپنے دامن میں بے پناہ عیش وعشرت اور لطف ولذت کا سامان سمیٹے ہوئے ہے اور اپنی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے انسان کو اسی طرف مائل کر رہی ہے۔اس کے مقابلے میں آخرت اور اسکی جزا وسزا پردے میں ہے۔جسکی حقیقت بعد موت ہی ظاہر ہونے والی ہے۔لہٰذا انسان کی نگاہِ کوتاہ صرف اپنے سامنے کی **متاع حقیر** پر نظر رکھ کر پردہ غیب کی **متاع کثیر** سے غافل ہو جاتی ہے۔مال ودولت اور جاہ ومنصب کے حصول کی تگ و دو اسے اسکے مقصد حیات اور زندگی بعد موت کے تعلق سے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ جبکہ اگر قرآن وحدیث کی روشنی میں دنیا کی حیثیت کا جائزہ لیا جائے تو یہ محض دھوکے کا سامان ہے۔(مَتَاعُ الْغُرُوْرِ)

دنیا کی محبت اور اس کی حقیقت قرآن کی روشنی میں:

قرآن پاک میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

1-وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔

ترجمہ:"یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوہ۔البتہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے کاش یہ جانتے ہوتے"۔(سورہ العنکبوت، آیت نمبر 64)

2-وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ ۖ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ۔إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ۔

ترجمہ:"اور ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے غایت کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور بلاشبہ قیامت آکر رہے گی۔تم ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کرو۔تمہارا رب بڑا ہی پیدا کرنے والا اور علیم ہے"۔(سورہ الحجر، آیت نمبر 86-85)

3-اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ۔

ترجمہ:"جان لو کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل اور دل لگی، ظاہری ٹپ ٹاپ (بناؤ سنگھار)، اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا، اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونیوالی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہوگئے۔پھر کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت وخوشنودی ہے۔دنیا کی زندگی ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں"۔(سورہ الحدید، آیت نمبر 20)

دنیا کی محبت اور اس کی حقیقت احادیث کی روشنی میں:

1-حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ"اے آدم کی اولاد تو میری عبادت کے لئے فارغ ہوجا میں تیرے سینے کو غناء (بے نیازی) سے پُر کردوں گا اور تیرے فقر کو زائل کردوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تجھے مشاغل میں پھانس دوں گا اور تیرا فقر زائل نہیں کروں گا"۔(سنن احمد، ج2ص358-ترمذی، حدیث نمبر2466-ابن ماجہ، حدیث نمبر4107)

2-حدیث: حضرت عمران بن حصینؓ حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ"جو شخص ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ ہوجائے اس کا بن جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت کو خود پورا فرما دیتے ہیں۔اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں جہاں اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔اور جو شخص دنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔اس کی فکر میں ہر وقت رہتا ہے حق تعالیٰ اس کو دنیا کے حوالے کر دیتے ہیں کہ لے تو دنیا سے نبٹ لے۔ پھر بھی دنیا اُس کو اتنی ہی ملتی ہے جتنی کہ اللہ تعالی نے اُس کے مقدر میں لکھ دی"۔(مسند احمد، حدیث نمبر279)

3-حدیث: حضرت انسؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں"جس شخص کا مقصد آخرت کی بہتری ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا رکھ دیتا ہے، اس کے بکھرے ہوئے کام سمیٹ دیتا ہے، اور دنیا ذلیل ہوکر اس کے پاس آتی ہے۔اور جس شخص کا مقصد صرف دنیا کمانا ہو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے درمیان محتاجی رکھ

دیتا ہے، اس کے کام بکھیر دیتا ہے، اور دنیا اسے اتنی ہی ملتی ہے جتنا اس کا مقدر ہے"۔(السلسلۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 1407)

4-حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "اگر دنیا کی اللہ کے یہاں مچھر کے ایک پر کے برابر بھی حیثیت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو اس دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہیں کرتا"۔(سنن الترمذي، أبواب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في وان الدنيا على الله (4/560)، برقم: (2320)، وصححه الالبانی فی السلسلۃ الصحیحۃ (2/299)، برقم: (686)

5-حدیث: حضرت انسؓ حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں:

1　آنکھوں کا خشک ہونا (کہ اللہ کے خوف سے کسی وقت بھی آنسو نہ ٹپکے)

2　دل کا سخت ہونا (کہ کسی دوسرے کے لئے یا آخرت کیلئے کبھی بھی نرم نہ ہو)

3　آرزوں کا لمبا ہونا (خواہشات کا زیادہ ہونا)

4　دنیا کی حرص ہونا (یعنی مال جمع کرنے کی فکر سوار رہنا)"۔　(ترغیب)

6-حدیث: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا، وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان اٹھائے گا، پس فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو"۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

7-حدیث: حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ صورت کے اعتبار سے تو دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے (لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے) چنانچہ جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے یعنی آخرت اس کو ترجیح دو اس چیز پر جو بحر حال فنا ہونے والی ہے"۔(زیادہ توجہ نہ دو۔ بقدر ضرورت ہاتھ میں تھامو دنیا کو)۔(السلسلۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 3673)

8-حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی گواہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ وہ سیدھا جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ جب تک اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو خلط نہ کر دیا جائے۔" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا۔ مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ خاتم النبیین ﷺ پر قربان دوسری چیز خلط کرنے کا مطلب کیا ہے"؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔ "دنیا کی محبت اور اس کی ترجیح اور اس کے لئے مال کا جمع کرنا اور دنیا کی چیزوں سے خوش ہونا۔ اور متکبر لوگوں کا سا عمل کرنا"۔(درمنثور)

9-حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے"۔(مسلم)

10-حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جس شخص کا مقصد دنیا ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ چار چیزوں میں مبتلا فرما دیتے ہیں:

1　ایک ایسا غم جو کبھی ختم نہ ہو کہ ہر وقت آمدنی کے بڑھانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔

2　ایک ایسا شغل جس سے کسی وقت بھی فراغت نہ ہو،

3　ایک ایسا فقر جو کبھی بھی مستغنی نہ بنائے (کہ آمدنی کم ہی معلوم ہوگی)

4　اور ایسی لمبی لمبی امیدیں جو کبھی بھی پوری نہ ہوں"۔　(فضائل صدقات-مولانا محمد زکریا)

11-حدیث: ایک اور حدیث میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مجھے تم لوگوں پر زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تم پر زمین کی برکات نکال دے"۔ کسی نے عرض کیا یا رسول خاتم النبیین ﷺ زمین کی برکات کی کیا چیزیں ہیں؟ "فرمایا کہ دنیا کی رونق بڑھا دے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 6427)

12-حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "مجھے دنیا سے کیا لینا ہے۔ میری مثال تو اس سوار کی سی ہے جو سخت گرمی میں سفر کر رہا ہو۔ گرمی کی شدت میں کسی سایہ دار درخت پر نظر پڑ جائے۔ اور اس کے سائے میں دوپہر میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے ٹھہر جائے۔ پھر اس درخت کو وہیں چھوڑ کر آگے چلا جائے"۔(سنن الترمذي، أبواب الزهد عن رسول الله ﷺ، (4/588)، برقم: (2377)، وصححه الالبانی فی صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ (2/989)، برقم: (5668)

13-حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "دنیا پیٹھ پھیر کر بھاگ رہی ہے اور آخرت سامنے آرہی ہے اور دنیا و آخرت ہر ایک کے الگ الگ بیٹے ہیں، تو تم آخرت کے بیٹے بنو، دنیا کے بیٹے نہ بنو، (اور فرمایا) آج عمل کا دن ہے کوئی حساب و کتاب نہیں، اور کل (قیامت) حساب کا دن ہوگا عمل کا نہیں"۔(صحیح بخاری کتاب الرِّقَاقِ بَابُ فِي الْأَمَلِ وَطُولِهِ)

14-حدیث: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا گزر بکری کے ایک چھوٹے کانوں والے مردہ بچہ کے پاس سے ہوا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کے کانوں کو پکڑ کر فرمایا "تم میں سے کون ہے جو بکری کے اس چھوٹے کانوں والے مردہ بچہ کو ایک درہم میں خریدنے کے لئے آمادہ و تیار ہے"؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "ہم بکری کے اس مردہ بچہ کو جس کے کان بھی چھوٹے ہیں ایک درہم میں تو کیا اس کو مفت لینے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں اور اس کو ہم لے کر کیا کریں گے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا "کیا تم اس کو لینا گوارہ کرو گے"؟ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ اللہ کی قسم اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی عیب دار تھا کیونکہ اس کے دونوں کان چھوٹے ہیں اب جب کہ وہ مر چکا ہے تو ہم اس کو کیسے خریدنا گوارہ کریں گے"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ کی قسم بکری کے چھوٹے کانوں والے اِس مردہ بچہ کی جو حیثیت تمہارے یہاں ہے اللہ کے یہاں دنیا کی حیثیت اس سے بھی کمتر ہے"۔(صحیح مسلم کتاب الزھد والرقائق)

15-حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میں تمہارے اُوپر فقر و فاقہ سے خائف نہیں۔ لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ تمہارے اوپر دنیا پھیل پڑے (مال اور دولت زیادہ ہو جائے) جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر یہ پھیل چکی ہے اور پھر تم اس میں دل لگا بیٹھو جس کی وجہ سے وہ تم کو بھی اس طرح ہلاک کر دے۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر چکی ہے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 4015)

دنیا کی محبت اور اس کی حقیقت انبیاء کرام علیہ السلام کی روشنی میں:

1- حضرت یحیٰؑ کا ارشاد ہے "دنیا کو اپنا سردار نہ بناؤ۔ ورنہ یہ تمہیں اپنا غلام بنالے گی۔ اپنا خزانہ ایسی پاک ذات کے پاس جمع کردو جہاں ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ دنیا کے خزانوں میں ہمیشہ آفت کا اندیشہ رہتا ہے لیکن آخرت کے خزانے میں کسی آفت کا اندیشہ نہیں"۔

2- حضرت یحیٰؑ کا ارشاد ہے "دنیا کی خباثت کے اعتبار سے ایک بات یہ ہے کہ اس میں اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ اور اس کی خباثت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آخرت اس کو چھوڑے بغیر نہیں ملتی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔ اور تھوڑی دیر کی خوشی بہت طویل زمانے کے رنج و عذاب کا ذریعہ بن جاتی ہے"۔

3- حضرت یحیٰؑ کا یہ بھی ارشاد ہے "دنیا بعضوں کی طالب ہوتی ہے۔ بعضوں کی مطلوب ہوتی ہے۔ جو آخرت کے طالب ہیں ان کو تو یہ خود طلب کرتی ہے اور اُن کی روزی اس تک پہنچاتی ہے۔ اور جو اس کی طلب میں لگ جاتے ہیں۔ آخرت ان کو خود طلب نہیں کرتی یہاں تک کہ موت آخر ان کی گردن دبا لیتی ہے"۔

4- حضرت سلیمانؑ ایک مرتبہ اپنے لشکر کے ساتھ گزر رہے تھے۔ پرندے ان پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ جن دائیں بائیں تھے۔ ایک عابد کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا "اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی سلطنت سے آپ کو نوازا ہے کہ جن اور انس، چرند اور پرند سب آپؑ کے مطیع ہیں"۔ حضرت سلیمانؑ نے جواب دیا "مسلمان کے نامہ اعمال میں ایک مرتبہ "سبحان اللہ" سلیمانؑ کے سارے ملک سے افضل ہے۔ اس لیے کہ یہ ساری سلطنت ایک دن ختم ہو جائے گی اور "سبحان اللہ" کہہ دینے کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ نامہ اعمال میں باقی رہے گا"۔

5- حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے میں تھا کہ "اے دنیا تو کس قدر ذلیل ہے، ان نیک بندوں کی نگاہ میں جن کے لئے تو نے اپنے آپ کو آراستہ کیا۔ میں نے ان کے دلوں میں تیری عداوت ڈال دی ہے۔ میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ ذلیل پیدا نہیں کی ہے۔ تیری ساری رفعت نہایت ناچیز ہے اور ختم ہو جانے والی ہے۔ میں نے تیرے متعلق تیری پیدائش کے دن یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تو تو ہمیشہ کسی کے پاس رہے گی اور نہ تیرے پاس کوئی ہمیشہ کوئی رہے گا"۔

6- حضرت عیسیٰؑ کا ارشاد ہے "کہ دنیا اور آخرت کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ آگ اور پانی ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے"۔

7- ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد حضرت موسیٰؑ سے ہے کہ "جب تم وسعت کو آتے دیکھو تو سمجھ لو کہ کسی گناہ کے سبب سے آرہی ہے۔ اور جب فقر و فاقہ کو آتا دیکھو تو جان لو کہ صالحین کا شعار ہے"۔ اور اگر حضرت عیسیٰؑ کا اتباع کرنا چاہتے ہیں تو ان کا ارشاد یہ ہے کہ "میرا سالن بھوک ہے (یعنی بھوک میں صرف روٹی بھی لذیذ معلوم

ہوتی ہے) میرا شعار اللہ کا خوف ہے۔ میرا لباس صوف ہے (بوری) اور میرا سردی میں سکنا دھوپ ہے۔ میرا چراغ چاند کی روشنی ہے، اور میری سواری میرے پاؤں ہیں۔ اور میرا کھانا پینا میوے، اور گھاس یعنی قدرتی غذائیں ہیں، میں صبح اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ شام اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور ساری دنیا میں مجھ سے زیادہ بے پرواہ جو کسی کا محتاج نہ ہو (غنی) کوئی بھی نہیں ہے''۔

8- حضرت لقمانؑ مشہور حکیم ہیں۔ قرآن پاک میں بھی ان کی نصائح کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ ایک سیاہ فام حبشی غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نوازا کہ حکیم لقمان بن گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ حکمت اور بادشاہت میں سے جس کو چاہیں پسند کرلیں تو انہوں نے حکمت کو پسند فرمایا تھا۔

ایک حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا تھا کہ کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم کو بادشاہ بنا دیا جائے اور تم حق کے موافق حکومت کرو"۔ انہوں نے عرض کیا "اگر میرے رب کی طرف سے حکم ہے تو مجھے عذر نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری مدد بھی ہوگی اور اگر مجھے اس کا اختیار ہے کہ میں قبول کروں یا نہ کروں تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ میں اپنے ذمہ مصیبت رکھنا نہیں چاہتا"۔ فرشتوں نے پوچھا کہ "لقمان یہ کیا بات ہے"؟ انہوں نے جواب دیا کہ "حاکم بڑی ہی سخت جگہ پر ہوتا ہے۔ ناگوار چیزیں اور ظلم ہر طرف سے اس کو گھیر کر رکھتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے موافق فیصلہ کرے تب تو نجات ہو سکتی ہے۔ ورنہ جنت کے راستے سے بھٹک جائے گا۔ اور کوئی شخص دنیا میں ذلیل بن کر دن گزارے یہ اس سے بہتر ہے کہ دنیا میں اچھی زندگی گزارے اور آخرت کو ضائع کر دے۔ اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔ دنیا تو اس سے چھوٹ جاتی ہے اور آخرت کے کام کا وہ رہتا نہیں"۔ فرشتوں کو ان کے جواب میں بڑی حیرت ہوئی اس کے بعد وہ سو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر حکمت کو ڈھانپ دیا۔ (درمنثور)

ان سے جو حکمتیں اپنے صاحبزادے کو نقل کی گئیں ہیں بڑی عجیب ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ "بیٹا علماء کی مجلس میں کثرت سے بیٹھا کرو اور حکما کی باتیں اہتمام سے سنا کرو۔ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے مردہ دل کو ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسا کہ مردہ زمین زوردار بارش سے زندہ ہوتی ہے"۔

ایک شخص ان کے پاس سے گزرا ان کے پاس اس وقت مجمع جمع تھا۔ اس نے آپ کو غور سے دیکھا اور کہا کہ "تو تو فلاں قوم کا غلام نہیں ہے"؟ انہوں نے فرمایا "ہاں میں ان کا غلام تھا"۔ اس نے کہا کہ "کیا تو وہ نہیں ہے جو فلاں پہاڑ کے قریب بکریاں چرایا کرتا تھا"؟ انہوں نے کہا کہ "ہاں میں وہی ہوں"۔ اس نے پوچھا کہ پھر تو اس مرتبہ تک کیسے پہنچ گیا؟۔ انہوں نے فرمایا" چند چیزوں کی پابندی اور اہتمام سے۔ وہ چیزیں یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کا خوف، بات میں سچائی، امانت کو پورا پورا ادا کرنا اور بیکار گفتگو سے احتراز کرنا''۔ ان کا ارشاد ہے "بیٹا اللہ تعالیٰ شانہ سے ایسی امید رکھو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ"۔ صاحبزادے نے عرض کیا "دل تو ایک ہے اس میں خوف اور امید دونوں کس طرح جمع ہوں"؟ انہوں نے فرمایا "مومن ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے گویا دو دل ہوتے ہیں ایک میں پوری امید اور ایک میں پورا خوف''۔

ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "رَبِّ اغْفِرْلِیْ بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے الطاف (اوقات) میں بعض لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ ان اوقات میں جو کچھ آدمی مانگتا ہے وہ اس کو مل جاتا ہے"۔ ان کا ارشاد ہے کہ "بیٹا نیک عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ یقین کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جس کا یقین کم زور ہوگا اس کا عمل بھی کم زور ہوگا۔ بیٹا جب شیطان تجھے کسی شک میں مبتلا کر دے تو تو اس کو یقین کے ساتھ مغلوب کر اور جب تجھے عمل میں سستی کی طرف لے جائے تو قبر اور قیامت کی یاد سے اس پر غلبہ حاصل کر اور جب دنیا میں رغبت یا یہاں کی تکلیف کے خوف کے راستے سے وہ تیرے پاس آئے تو اس سے کہہ دے کہ دنیا ہر حال میں چھوٹنے والی چیز ہے۔ نہ یہاں کی راحت ہمیشہ رہنے والی ہے نہ یہاں کی تکلیف ہمیشہ رہنے والی ہے"۔ ان کا ارشاد ہے کہ "بیٹا جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس کے منہ کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔ اور جس شخص کی عادتیں خراب ہو جائیں اس پر غم سوار ہو جاتا ہے اور پہاڑ کی چٹانوں کا ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل کرنا احمقوں کے سمجھانے سے زیادہ آسان ہے''۔

ان کا ارشاد ہے ''جھوٹ سے اپنے آپ کو بہت محفوظ رکھنا۔ جھوٹ بولنا چڑیا کے گوشت کی طرح لذیذ تو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بہت جلد جھوٹ بولنے والے شخص کے ساتھ دشمنی کا ذریعہ بن جاتا ہے''۔ "بیٹا جنازے میں کثرت سے شرکت کیا کرو اور تقریبات میں شرکت سے گریز کیا کرو۔ جنازہ آخرت کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور شادیاں اور تقریبات دنیا میں مشغول کر دیتی ہیں۔ بیٹا جب پیٹ بھرا ہوا ہو تو اس وقت نہ کھاؤ۔ پیٹ پھر سے بھر کر کھانے سے کتے کو ڈال دینا بہتر ہے۔ بیٹا نہ تو تم اتنا میٹھا بنو کہ لوگ تمہیں نگل جائیں اور نہ اتنا کڑوا بنو کہ لوگ تمہیں تھوک دیں۔ بیٹا تم مرغے سے زیادہ عاجز نہ بننا کہ وہ تو سحر کے وقت اٹھ کر چیخنا شروع کر دے اور تم اپنے بستر پر پڑے سوتے رہو۔ بیٹا توبہ میں دیر نہ کرو کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں کہ کب آجائے؟۔ بیٹا جاہل سے دوستی نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اس کی جہالت کی باتیں تمہیں اچھی معلوم ہونے لگیں اور حکیم (حکمت والے لوگ) سے دشمنی مول نہ لو ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے منہ موڑ لے (اور پھر تم اس کی حکمتوں سے محروم ہو جاؤ) بیٹا اپنا کھانا متقی لوگوں کے سوا کسی کو

نہ کھلانا اور اپنے کاموں میں علما سے مشورہ لیا کرو "۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ "بدترین لوگ کون ہیں "؟ انہوں نے فرمایا کہ "جو اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی شخص اس کو برائی کرتا ہوا دیکھ لے گا"۔

ان کا ارشاد ہے" کہ بیٹا نیک لوگوں کے پاس اپنی نشت کثرت سے رکھا کرو۔ کہ ان کے پاس بیٹھنے سے نیکی حاصل کرسکو گے اور اگر ان پر اس وقت اللہ کی خاص رحمت نازل ہوئی تو تمہیں بھی کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ (کہ جب بارش اترتی ہے تو مکان کے سب حصوں میں پھیلتی ہے) اور اپنے آپ کو برے لوگوں کی صحبت سے دور رکھا کرو کہ ان کے پاس بیٹھنے سے کسی خیر کی تو امید نہیں۔ اور اگر ان پر کسی وقت عذاب ہوا تو اس کا اثر تم تک ضرور پہنچ جائے گا"۔ ان کا ارشاد ہے "باپ کی مار اولاد کے لئے ایسی مفید ہے جیسا کہ پانی کھیتی کے لئے "۔ ان کا ارشاد ہے "بیٹا تم جس دن سے دنیا میں آئے ہو ہر دن آخرت کے قریب ہوتے جا رہے ہو اور دنیا میں سے ہر دن پشت پھیرتے جا رہے ہو۔ پس وہ گھر جس کی طرف تم روزانہ چل رہے ہو وہ بہت قریب ہے۔ اس گھر سے جس سے ہر دن دور ہوتے جا رہے ہو۔ بیٹا قرض سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا۔ یہ دن کی ذلت اور رات کا غم ہے۔ بیٹا اللہ کی رحمت کی ایسی امید رکھو جس سے گناہوں پر جرات نہ ہونے پائے۔ اور اس کے خوف سے ایسا ڈرو کہ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ بیٹا اگر تم سے کوئی شخص آ کر کسی کی شکایت کرے کہ فلاں نے میری آنکھ نکال دی اور واقعتاً تم اس کی نکلی ہوئی آنکھ دیکھ رہے ہو تب بھی اس وقت تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔ کیا خبر ہے کہ اس نے پہل کی ہو اور اس کی دونوں آنکھیں نکال دی ہوں "۔ (درمنثور)

فقیہہ ابواللیثؒ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت لقمانؑ کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا" بیٹا میں نے تم کو اس زندگی میں بہت سی نصیحتیں کی ہیں۔ اب اس آخری وقت میں 6 نصیحتیں تم کو کرتا ہوں۔

1 دنیا میں اپنے آپ کو صرف اتنا مشغول رکھنا جتنی زندگی باقی ہے۔

2 اللہ تعالیٰ کی عبادت اتنی کرنا جتنی تمہیں اس کی ضرورت ہے۔

3 آخرت کی تیاری آخرت کی زندگی کی مقدار کے مطابق کرنا۔

4 جب تک تمہیں جہنم سے خلاصی کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے خلاصی کی کوشش کرتے رہنا۔

5 گناہوں پر اتنی ہی جرات کرنا جتنا جہنم کی آگ میں جلنے کا حوصلہ ہو۔

6 جب کوئی گناہ کرنا چاہو تو ایسی جگہ تلاش کر لینا جہاں حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے تمہیں نہ دیکھ رہے ہوں "۔ (تنبیہ الغافلین)

یہ چند نصیحتیں حضرت لقمانؑ کی ذکر کی گئی۔ ان نصیحتوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہی مضمون ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے۔

دنیا کی محبت اور اس کی حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی روشنی میں:

1- حضرت ابوذرؓ نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی۔ "لوگو تمہیں کیا ہو رہا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے علماء دن بدن (موت کی وجہ سے) کم ہوتے جا رہے ہیں اور تمہارے جاہل لوگ علم سیکھتے نہیں ہیں۔ اس سے پہلے پہلے علم سیکھ لو کہ تمام علماء انتقال کر جائیں۔ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ اس چیز کے جمع کرنے پر تو بڑا لالچ کرتے ہو جس کو اللہ نے اپنے ذمہ رکھا ہے (یعنی روزی) اور اس چیز کی فکر نہیں کرتے جس کے تم خود ذمہ دار ہو (یعنی علم اور عمل) میں تمہارے بدترین آدمیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کو تاوان سمجھتے ہیں اور نماز کو ٹال کر پڑھتے ہیں اور قرآن پاک کے پڑھنے کی فکر ہی نہیں کرتے "(تنبیہ غافلین)۔

2- حضرت ابودرداؓ نے فرمایا" کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم جنگلوں کو روتے اور چلاتے ہوئے نکل جاؤ۔ اپنے مالوں کو بغیر محافظ کے چھوڑ جاؤ۔ لیکن تمہارے دلوں سے آخرت کا ذکر غائب ہے اور دنیا کی امیدیں تمہارے سامنے ہیں۔ اس لیے دنیا تمہارے اعمال کی مالک بن رہی ہے اور تم ایسے بن گئے ہو گویا کہ کچھ جانتے ہی نہیں۔ اس لئے تم میں سے بعض تو ان جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے ہیں جو انجام کے خوف سے اپنی شہوتوں کو نہیں چھوڑتے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم آپس میں محبتیں نہیں رکھتے ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے؟۔ حالانکہ تم آپس میں دینی بھائی ہو۔ اگر تم صرف دین اور دین کے کاموں میں اکھٹے ہو جاؤ تو تمہارے آپس کے تعلقات بھی زیادہ ہو جائیں گے۔ آخر تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کے کاموں میں تو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہو لیکن آخرت کے کاموں میں ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے ؟۔ تم جس سے محبت کرتے ہو اس کو آخرت کے کاموں میں نصیحت کی قدرت تم میں نہیں ہے۔ یہ صرف اس لیے کہ تمہارے دلوں میں ایمان کی کمی ہے۔ اگر تم آخرت کی برائی اور بھلائی پر ایسا یقین رکھتے جیسا کہ دنیا کی برائی اور بھلائی پر یقین رکھتے ہو تو ضرور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے۔ اس لیے کہ آخرت تمہارے کاموں کی دنیا سے زیادہ مالک ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ

دنیا کی ضرورت فوری ہے اسی وقت درپیش ہے اور آخرت کی ضرورت بعد میں ہوگی تو تم خود سوچو کہ دنیا میں بعد میں آنے والے اور حاصل ہونے والے کاموں کے لئے تم کتنی مشقت اٹھاتے ہو؟۔کھیتی کی مشقت برداشت کرتے ہو حالانکہ پیداوار بعد میں ہوگی۔باغ لگانے میں کتنی جانفشانی کرتے ہو کہ کئی سال کے بعد پھل آئے گا۔وغیرہ وغیرہ تم کس قدر بری قوم ہو کہ اپنے ایمان کی جانچ ان چیزوں کے ساتھ نہیں کرتے ہو جس سے تمہارے ایمان کی مقدار تمہیں معلوم ہو جائے کہ ایمان کس درجے تک تم میں موجود ہے؟۔اگر تم لوگوں کو اس چیز میں شک ہے جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ لے کر آئے تو آؤ ہمارے پاس آؤ۔ہم تمہیں واضح طریقے سے بتائیں اور وہ خود دیکھو جس سے تمہیں اطمینان ہو جائے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے جو فرمایا وہ حق ہے۔تم کم عقل اور بیوقوف نہیں ہو۔جس کی وجہ سے تم کو معذور سمجھ لیا جائے گا۔دنیا کے کاموں میں تو تم بڑی اچھے رائے رکھتے ہو اور اس میں بڑی احتیاط سے عمل کرتے ہو۔پھر کیا بات ہے کہ آخرت کے کاموں میں نہ تم سمجھ سے کام لیتے ہو نہ احتیاط سے عمل کرتے ہو؟۔تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کے ذرا سے فائدے سے بڑے خوش ہو جاتے ہو۔ذرا سے نقصان سے رنجیدہ ہو جاتے ہو۔مصیبتیں زبان پر آنے لگتی ہیں۔ذرا سی بات کو مصائب کہنے لگتے ہو۔ماتم کی مجلس قائم کرتے ہو۔لیکن دین کی بڑی سے بڑی بات بھی چھوٹ جائے تو نہ اس کا رنج ہوتا ہے نہ غم۔نہ ہی چہرے پر کوئی تغیر آتا ہے۔میں تمہاری بددینی کی یہ حالت دیکھ کر خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہی تم سے بیزار ہو گئے ہیں۔تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے خوشی خوشی ملتے ہو اور ہر ایک چاہتا ہے کہ ایک دوسرے کے سامنے کوئی ایسی بات (حق بات) نہ کہے جو اسکو ناگوار ہو۔تاکہ وہ بھی اس کے متعلق کوئی ناپسندیدہ بات نہ کہہ دے۔پس دلوں کے اندر ہی اندر ایسی باتیں رکھتے ہو کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہو۔باطن کی گندگیوں پر تمہارے ظاہر کے چمن کھل رہے ہیں اور موت کی بات کے کرنے اور موت کی یاد کو چھوڑ دینے پر سب جمع ہو گئے ہو۔کاش اللہ تعالیٰ مجھے موت دے کر تم لوگوں سے راحت عطا کرتا اور مجھے ان حضرات (نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ) کے ساتھ ملا دیتا جن کے دیکھنے کا میں مشتاق ہوں۔اگر یہ حضرات زندہ ہوتے تو تمہارے ساتھ رہنا ذرا بھی پسند نہ کرتے۔پس اگر تم میں کوئی شمہ خیر کا باقی ہے تو میں تمہیں صاف صاف کہہ چکا ہوں (اور حق کی بات سنا چکا ہوں) اگر تم اس چیز کو یعنی آخرت کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے طلب کرنا چاہتے ہو تو وہ بہت ہی آسان ہے اور میں صرف اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔تمہارے حق میں بھی اور اپنے حق میں بھی‘‘۔فقط وسلام (حضرت ابودرداؓ کا خطاب ختم ہوا۔)

حضرت ابودرداؓ کی یہ ڈانٹ بڑے ہی غور سے سمجھنے کی چیز ہے۔یہ ان حضرات پر خفا ہو رہے ہیں جن کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان جیسے دین دار بن بھی نہیں سکتے۔ان کے احوال ان کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ اگر یہ حضرت ابودرداؓ ہم لوگوں کو دیکھتے تو یقیناً رنج سے ہلاک ہو جاتے اِس کا کسی طرح تحمل نہ کر سکتے۔

3- حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے ’’حق تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے جن کے پاس دنیا امانت تھی۔وہ اس امانت کو دوسروں کے حوالے کر گئے اور خود بے فکر ہو کر چل دیئے‘‘۔

4- حضرت ابوحازمؒ کا ارشاد ہے کہ ’’دنیا سے بچتے رہو۔قیامت کے دن دنیا کے طالب کو میدان حشر میں کھڑا کر کے کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کو بڑا سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حقیر بتایا‘‘۔

5- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ ’’ہر شخص اپنے گھر میں چند روزہ مہمان ہے۔اس کا مال ومتاع مانگی ہوئی چیز ہے۔مہمان کو ہر حال میں چند دن میں اپنے گھر یعنی آخرت کو جلد جانا ہے اور مانگی ہوئی چیز بحر حال واپس ہونے والی ہے‘‘۔

6- حضرت علیؓ کا ارشاد ہے "دنیا کے حلال کا حساب ہے اور اس کے حرام کا عذاب ہے"۔

7- حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں "تین آدمی ایسے ہیں کہ جب مجھے ان کا خیال آتا ہے تو اس قدر تعجب ہوتا ہے کہ مجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔

1　ایک وہ شخص جو دنیا میں امیدیں لگائے بیٹھا ہے اور موت اس کی فکر میں ہے۔

2　دوسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اور اللہ اس سے غافل نہیں۔

3　تیسرا وہ شخص جو منہ بھر کر ہنستا ہے اور اس کو اس کی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے یا ناراض"؟۔

8- حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ’’بنی اسرائیل کو حق تعالیٰ شانہ کی بندگی کرنے کے باوجود دنیا کی محبت نے بت پرستی تک پہنچا دیا تھا۔ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے مال کو کم سمجھتا ہے۔لیکن اپنے عمل کو کبھی کم نہیں سمجھتا‘‘۔

9- مالک بن دینارؒ کہتے ہیں "ہم سب نے دنیا کے ساتھ محبت کر لینے پر صلح کر لی ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی کو نہ اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے نہ بری باتوں سے روکتا ہے۔حق تعالیٰ اس حال پر ہمیشہ چھوڑے رکھے یہ ہرگز نہ ہوگا۔نہ معلوم کس وقت اللہ کا عذاب نازل ہو جائے‘‘۔

10- حضرت حسنؒ ارشاد فرماتے ہیں ''کہ حق تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو تھوڑی سی دنیا دے کر روک لیتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے اس پر دنیا کو پھیلا دیتے ہیں''۔

11- عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں ''دنیا کی محبت اور گناہوں نے دلوں کو وحشی بنا رکھا ہے۔ اس لیے خیر کی بات دلوں تک نہیں پہنچتی۔ یعنی اثر نہیں کرتی''۔

12- حضرت حسن بصریؒ نے امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک خط لکھا جس میں حمد اور صلوٰۃ کے بعد تحریر فرمایا کہ ''دنیا کوچ کا گھر ہے۔ یہ رہنے کا گھر نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ کو اس میں سزا کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ کہ جنت میں ان سے ایک لغزش ہو گئی تھی۔ اس لئے اس سے ڈرتے رہیں۔ اس کا توشہ اس کو چھوڑ دینا ہے۔ اس میں غنی وہی شخص ہے جو ظاہر میں فقیر ہے۔ یہ ہر وقت کسی نہ کسی کو ہلاک کرتی رہتی ہے۔ جو اس کو عزیز سمجھے۔ یہ اس کو ذلیل کر دے گی اور جو اس کو جمع کرنے کا ارادہ کرے اس کو یہ محتاج بنا دے گی۔ یہ ایک زہر ہے جس کو انجان لوگ کھاتے ہیں''۔ پھر وہ فرماتے ہیں ''اس میں اس طرح زندگی گزار دیں جیسا کہ زخمی بیمار ہر چیز سے احتیاط کرتا ہے۔ تاکہ صحت نصیب ہو جائے اور کڑوی دوا اس لیے استعمال کرتا ہے کہ مرض طول نہ پکڑ لے۔ آپ اس مکار دغا باز، فریبی سے احتیاط اختیار کریں۔ جو محض دھوکا دینے کی وجہ سے بنتی سنورتی ہے اور دھوکے سے لوگوں کو مصیبت میں پھنسا دیتی ہے۔ اور اپنی امیدوں کے ساتھ لوگوں کے ہاں آتی ہے۔ پس یہ ایسی بنی ٹھنی نئی نویلی دلہن بن جاتی ہے کہ آنکھیں اس پر ٹکٹکی لگا لیتی ہیں اور آدمی اس کے جانثار بن جاتے ہیں۔ لیکن یہ کمبخت سب کے ساتھ دشمنی ہی کرتی ہے۔ حیرت ہے کہ نہ تو رہنے والے جانے والوں سے عبرت پکڑتے ہیں نہ بعد کے آنے والے پہلوں کا حال سن کر اس سے احتراز کرتے ہیں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو جاننے والے اس کے ارشادات سے نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور دھوکے میں پڑ کر آخرت کو بھول جاتے ہیں۔ دل دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور قدم آخرت کے راستے سے پھسل جاتے ہیں۔ پھر ندامت اور حسرت کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ آخر میں موت اور نزع کے کرب کی بے چینی ان کو گھیر لیتی ہے اور ان تمام چیزوں کے چھوڑ کر جانے کی حسرتیں اس پر مسلط ہو جاتی ہیں۔ اس میں رغبت کرنے والا اپنے مقصد کو کبھی پورا نہیں کر سکتا۔ اور مشقت سے کبھی بھی راحت نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ بغیر توشہ لیے اس عالم سے چلا جاتا ہے۔ امیر المومنین اس سے بچتے رہیے گا۔ اور اس کے نہایت خوشی کے ایام میں بھی بہت زیادہ ڈرتے رہیں۔ اس پر اعتماد کرنے والا جب بھی خوش ہوتا ہے یہ کسی نہ کسی مصیبت میں اس کو مبتلا کر دیتی ہے۔ اس میں خوش رہنے والا دھوکے میں پڑا ہے اور اس میں ضرورت سے زیادہ نفع اٹھانے والا نقصان میں پڑا ہوا ہے۔ اس کی راحت تکلیفوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس میں رہنے کا مطلب فنا ہے۔ اس کی خوشی رنج میں بدل جاتی ہے۔ جو کچھ گزر گیا وہ واپس آنے والا نہیں اور جو آنے والا ہے اس کا حال معلوم نہیں کہ کیا ہو؟ اس کی آرزوئیں جھوٹی ہیں۔ اس کی امیدیں سب باطل۔ اس کی صفائی میں گدلا پن ہے، اس کے عیش میں مشقت اور وقت ضائع کرنا ہے۔ اور آدمی اس میں ہر وقت خطرے کی حالت میں ہے۔ اس کی نعمتیں خطرناک (جواب دہی کرتی ہیں) اور ان بلاؤں کا ہر وقت خوف رہتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ شانہ جو اس کے خالق ہیں وہ اس کی برائیوں کی اطلاع نہ فرماتے تھے تب بھی اس مکار کی اپنی حالت ہی سوتوں کو جگانے کے واسطے اور غافلوں کو ہوشیار کرنے کے واسطے کافی تھی۔ حق تعالیٰ نے خود اس پر تنبیہیں فرمائی ہیں اور اس کے بارے میں نصیحتیں فرمائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قدر نہیں۔ اس نے اس کو پیدا فرما کر کہیں بھی اس کی طرف نظر نہیں فرمائی۔ یہ اپنے سارے خزانوں کے ساتھ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس کو قبول نہ فرمایا، اس لیے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اللہ کی منشا کے خلاف کو پسند نہ فرمایا۔ اور جس چیز سے اس کے خالق نے بغض رکھا۔ اس سے آپ خاتم النبیین ﷺ نے محبت نہیں کی۔ اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے قیمت گرا دی، آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کو پسند کر کے اس کا درجہ بلند نہیں کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے اس کو قصداً ہٹا دیا ہے۔ اور اپنے دشمنوں پر اس کی وسعت کر دی ہے۔ بعض دھوکے میں پڑے ہوئے لوگ اس کی وسعت کو جو حسرت سے دیکھتے ہیں۔ وہ اس کی وسعت کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت کرم کیا ہے۔ اور وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ رکھا کہ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے۔ یہ کرم اللہ نے ان کے ساتھ کیوں نہیں کیا''۔

دنیا کی محبت اور اس کی حقیقت آئمہ کرام رحمۃ اللہ کی روشنی میں:

1- امام غزالیؒ اپنی کتاب ''مذمت دنیا'' میں تحریر کرتے ہیں کہ: ''تمام تعریفیں اسی پاک ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے دوستوں کو دنیا کے مہلکات اور اس کی آفات سے واقف کر دیا۔ اور دنیا کے عیوب اور اس کے رازوں کو اپنے دوستوں پر واضح کر دیا۔ یہاں تک کہ ان حضرات نے دنیا کے احوال کو پہچان لیا اور اس کی بھلائی اور برائیوں کا موازنہ کر کے یہ جان لیا کہ اس کی برائیاں اس کی بھلائیوں پر غالب ہیں۔ اور یہ بھی کہ دنیا اللہ کی دشمن ہے۔ اس کے دوستوں کی دشمن ہے۔ اس کے دشمنوں

کی دشمن ہے۔اس کے دوستوں کے ساتھ دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ ان کے دل لبھانے کے لئے طرح طرح کی زینتیں اپنے اوپر لادیتی ہے،جس سے وہ اس سے قطع تعلق پر صبر کا کڑوا گھونٹ پیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ اپنے مکروفریب سے ان کو شکار کرتی ہے اور جب وہ اس کی دوستی پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں تو یہ ایسے وقت میں ان کو ایک دم ادھورا چھوڑ دیتی ہے۔جس سے وہ دائمی حسرت اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔قرآن پاک کی تعلیمات،تمام احادیث مبارکہ کی تعلیمات اور تمام انبیاء کی بعثت اس پر تنبیہ کے لئے ہوئی ہے۔کہ دنیا میں دل نہ لگایا جائے یہ صرف آزمائش کے لئے بنائی گئی ہے۔

2-وہب بن منبہؒ کہتے ہیں "جو شخص دنیا کی کسی چیز سے خوش ہوتا ہے وہ حکمت کے خلاف کرتا ہے اور جو شخص خواہشات کو اپنے قدم کے نیچے دبا لیتا ہے شیطان ایسے شخص کے سایہ سے بھی ڈرتا ہے"۔

3-حضرت امام شافعیؒ نے اپنے ایک دینی بھائی کو وصیت کی کہ " دنیا ایک ایسا کیچڑ ہے جس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں (لہٰذا بچ بچ کر قدم رکھنا اور خطاؤں کی لغزش سے ہمیشہ ڈرتے رہنا)۔دنیا ذلت کا گھر ہے اس کی آبادی کا مقصد بربادی ہے۔اس میں رہنے والوں کو تنہا قبروں تک جانا ہے۔اس کی وسعت فقر کی طرف لوٹا دیتی ہے‘‘(حرص بڑھ جاتی ہے اور ہر چیز ہی کم نظر آتی ہے)پس ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے جتنا رزق عطا فرمادیا ہے اس پر راضی ہوجاؤ۔اپنی آخرت سے دنیا کے لئے قرض نہ لو(یعنی ایسی چیزیں اختیار نہ کرو جن کا بدلہ آخرت میں ادا کرنا پڑے اور وہاں کمی آجائے)اس لئے کہ دنیا کی زندگی ایک سایہ کی طرح ہے۔جو عنقریب ختم ہونے والا ہے اور ایک ایسی دیوار کی طرح ہے جو جھک گئی ہے۔بس گرنے ہی والی ہے۔نیک عمل کثرت سے کرتے رہو اور امیدیں بہت کم باندھو‘۔

4-حضرت مالک بن دینارؒ کا ارشاد ہے "اس جادوگر سے بچتے رہو یہ علما کے دلوں پر بھی جادو کردیتی ہے(دنیا سے)"-

ایک بزرگ کی دعا ہے۔’’اے وہ پاک ذات جو اس پر قادر ہے کہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روک لے دنیا کو میرے پاس آنے سے روک دینا‘‘۔

فرصت کے ان ایام میں نیک عمل کرو۔اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنی لمبی لمبی امیدوں سے موت کو بھول جانے سے دھوکہ میں نہ پڑو اور دنیا کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہو۔یہ بڑی دھوکہ باز اور بے وفا ہے۔ہم لوگ اس کے عاشق بن جاتے ہیں۔اس نے کتنے ہی آدمیوں کو جو اس میں دل لگائے بیٹھے تھے بے یارومددگار چھوڑ دیا۔اس کو حقیقت کی نگاہ سے غور سے دیکھو۔یہ ایسا گھر ہے جس میں مہلکات بہت زیادہ ہیں اور خود اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی برائیاں بتادی ہیں۔

ایک حکیم کوئی دوائی تیار کرے اور وہ خود بتادے کہ اس میں زہر ہے صرف ایک رتی کی ضرورت ہے جو ضرورت کے وقت استعمال کی جاسکتی ہے۔پھر اگر کوئی بیوقوف ایک تولہ یا دو تولہ اس میں سے کھالے گا تو یہ مرجائے گا اور بتانے والے حکیم کے خبر دینے کے بعد ایسا کرنا حماقت کی انتہا ہے۔اس کی ہر چیز پرانی ہوجائے گی اس کا مالک خود ہی فنا ہوجائے گا۔اس کا عزیز آخر کار ذلیل ہوگا۔اس کی کثرت بالآخر قلت کی طرف پہنچتی ہے۔اس کی دوستی فنا ہونے والی ہے۔اس کی بھلائی ختم ہوجانے والی ہے۔

ہم لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔اپنی غفلت پر ہوشیار ہوجاؤ،اپنی نیند سے جاگ جاؤ۔اس سے پہلے پہلے یہ شور ہوجائے کہ فلاں شخص بیمار ہوگیا۔مایوسی کی حالت ہے،اچھے اچھے ڈاکٹر آئیں اور پھر بھی زندگی کی امید نہ رہے۔پھر یہ آواز آنے لگے کہ اس نے وصیتیں شروع کردی ہیں۔یہ لو یہ زیادہ بیمار ہے۔اب تو اس کی زبان بھاری ہوگئی ہے۔اب آواز نہیں نکل رہی۔اب کسی کو پہچان بھی نہیں رہا۔لمبے لمبے سانس آنے لگیں۔کراہ بڑھ گئیں۔پلکیں جھک گئیں۔زبان تتلاگئی۔اب کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔بھائی بہن رشتہ دار کھڑے رو رہے ہیں۔کہیں بیٹا سامنے آتا ہے کہیں بیوی سامنے آتی ہے۔مگر زبان کچھ نہیں بولتی۔اتنے میں بدن کے اجزاء سے روح نکلنا شروع ہوجاتی ہے۔اور آخر روح نکل کر آسمان پر چلی جاتی ہے۔

عزیز واقارب جلدی جلدی دفنانے کی کوشش کرتے ہیں۔عیادت کرنے والے رودھو کر چپ ہوجاتے ہیں۔عزیز واقارب اور رشتہ دار مال بانٹنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔اور مرنے والا اپنے اعمال میں پھنس جاتا ہے۔یہ ہے حقیقت اس دنیا اور اس زندگی کی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دنیا سے محفوظ رکھے اور آخرت کے بہترین توشہ کے ساتھ اس دنیا سے لے کر جائے۔(آمین)

****

علم اور طالب علم

علم کیا ہے؟ العلم نور ترجمہ: ”علم ایک روشنی ہے“۔

جب سینہ اس نور سے روشن ہوجاتا ہے تو انسان کو فضل وکمال کی زندگی نصیب ہوجاتی ہے علم نہ ہو تو انسان اور حیوان میں فرق ختم ہوجاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ علم افضل ہے یا مال فرمایا العلم میراث الانبیاء علیہ السلام ترجمہ: ”علم انبیاء علیہ السلام کی میراث ہے“

1۔ علم سے دوست بنتے ہیں جبکہ مال سے حاسد بنتے ہیں۔

2۔ علم کے چوری ہونے کا خدشہ نہیں جبکہ مال کو امن نہیں۔

3۔ علم پرانا ہو تو راسخ ہوجاتا ہے جبکہ مال پرانا ہو تو کم قیمت ہوجاتا ہے۔

4۔ صاحب علم کی کرامت بڑھتی ہے جبکہ صاحب مال کی خجالت بڑھتی ہے۔

5۔ علم کو خرچ کیا جائے تو بڑھتا ہے جبکہ مال خرچ کیا جائے تو گھٹتا ہے۔

6۔ علم محشر کے دن حساب سے خالی ہوگا بلکہ اس کا اجر ہوگا اور مال کا روز محشر حساب ہوگا۔

7۔ علم سے دل روشن اور مال سے دل سیاہ ہوتا ہے۔

8۔ علم انسان کی حفاظت کرتا ہے جبکہ انسان مال کی حفاظت کرتا ہے۔

9۔ کثرت علم سے نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا ” **سبحانک ماعبدنک حق عبادیک** “ یعنی ”میں تیرا حقِ بندگی ادا نہیں کرسکتا“۔[صحیح، السلسلۃ الصحیحۃ للبانی: حدیث رقم:941] اور مال سے فرعون نے کہا:

انا ربکم الاعلی۔ میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں۔(سورۃ النازعات، آیت 24)

یہ بات بھی ہم سب کو معلوم ہے کہ مال سے دنیا کے چند فوائد تو حاصل ہوسکتے ہیں لیکن ہر مشکل میں مال کام نہیں آتا مثلاً

1۔ مال سے عینک تو خرید سکتے ہیں بینائی نہیں خرید سکتے۔

2۔ مال سے ہم نرم بستر تو خرید سکتے ہیں لیکن نیند نہیں خرید سکتے۔

3۔ مال سے ہم کتابیں تو خرید سکتے ہیں لیکن علم نہیں خرید سکتے۔

4۔ مال سے ہم خوشامد تو خرید سکتے ہیں لیکن کسی کی محبت نہیں خرید سکتے۔

5۔ مال سے ہم زیورات تو خرید سکتے ہیں لیکن حُسن نہیں خرید سکتے۔

6۔ مال سے ہم نوکر تو لا سکتے ہیں بیٹا یا بیٹی نہیں لا سکتے۔

7۔ مال سے ہم خضاب تو خرید سکتے ہیں لیکن شباب نہیں خرید سکتے۔

پس انسان کو چاہیے کہ طالب مال بننے کے بجائے طالب علم بن کر دنیا اور آخرت میں سرخروی حاصل کرے۔

حصول علم کے چند آداب درج ذیل ہیں

1۔ اخلاص نیت:۔ طالب علم کو چاہیے کہ علم کے حاصل کرنے میں کوئی فاسد نیت اور دنیوی غرض نہ ہو۔ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا:

”ہر عمل کا بدلہ نیت پر موقوف ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہوتی ہے“۔(صحیح بخاری)

بہت سے اعمال بظاہر شکل وصورت میں دنیاوی امور کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن حسن نیت کی وجہ سے وہ اعمال آخرت کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ جبکہ بہت سے اعمال اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے اعمال آخرت کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے دنیاوی اعمال میں شمار ہوتے ہیں۔

جمع الفوائد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ”جس نے علم اللہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے“

ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا ''علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ علماء پر فخر کرو۔ جہلا سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ پر بیٹھو جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لیے دوزخ ہے''۔(سنن ابوداؤد)

حضرت ابوداؤدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو وحی نازل فرمائی کہ ان لوگوں کو کہہ دو جو علم دین کو عمل کے لیے حاصل نہیں کرتے بلکہ عمل آخرت کے ذریعے دنیا کماتے ہیں کہ تم وہ ہو جو آدمیوں کے سامنے بھیڑ کی کھال اوڑھ کر جاتے ہو حالانکہ تمہارے سینوں میں بھیڑیوں کے دل چھپے ہوئے ہیں۔ تمہاری زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں مگر دل زہر کی طرح کڑوے ہیں تم مجھ کو دھوکہ دیتے اور مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ اچھا میں تم میں ایسے فتنے ڈالوں گا جس سے بڑے بڑے دانا اور سمجھدار ہکا بکا رہ جائیں گے''(سنن ابوداؤد)

یزید بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) سے عرض کیا گیا کہ ''یارسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) مخفی ہوس کیا ہے؟'' فرمایا ''آدمی علم حاصل کرے اور خواہش یہ کرے کہ لوگ اس کی درباری کریں''۔(تعظیم کریں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ''اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے تو اللہ اور اس کے فرشتے اور صالحین ان سے محبت کرتے۔ تمام مخلوق پر ان کا رُعب ہوتا لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہو گیا اور وہ مخلوق میں بھی بے وقعت ہو گئے''

ایک وقت تھا جب لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرتے تھے۔ آج مال حاصل کرنے کے لیے علم خرچ کرتے ہیں۔

دمشق کا سچا واقعہ :-

دمشق کے ایک عالم دین نے ایک سچا واقعہ بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ " ہمارے ہاں دمشق میں وحدان کا قبرستان ہے جو سب کو معلوم ہے- اس میں اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ، علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ، مجاہدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں- اس میں شہداء کرام ہیں- یہ دمشق کا ایک مشہور قبرستان ہے- دمشق میں رہنے والا ہر شخص اس قبرستان کو جانتا ہے- ایک گورکن اس قبرستان میں مردے دفن کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس کے پاس ایک عورت آئی اور ایک قبر کھدوانے کو کہا اور جب قبر تیار ہوگئی تو وہ چلی گئی۔

گورکن نے قبر کھود کر تیار کر دی تھی- گورکن کا کہنا ہے" کچھ دیر کے بعد جنازہ آ گیا لیکن اس کے جنازے میں زیادہ آدمی نہ تھے صرف چند آدمی تھے"-

جنازے کے صندوق کو زمین پر رکھا گیا- نماز جنازہ پڑھانے کے بعد گورکن خود ہی قبر میں اترا اور میت کو لوگوں نے اسے پکڑایا۔ گورکن نے میت کو قبر میں رکھا ہی تھا کہ قبر کھل گئی- وہ جنت کا باغ بن گئی- گورکن قبر میں تھا- یہ صرف گورکن ہی کو نظر آیا-

گورکن نے پھر دیکھا کہ دو آدمی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، میت کو اٹھایا اور چلے گئے- قبر کے گرد لوگوں کو کچھ بھی نظر نہ آیا- بس گورکن نے یہ سب کچھ دیکھا اور دیکھتے ہی بے ہوش ہو گیا- لوگوں نے گورکن کو باہر نکالا، اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے، اور گورکن کو ہوش میں لے کر آئے- اس کے بعد ارد گرد کے لوگوں نے پوچھا" کیا ہوا"؟ تو گورکن نے کہا" میں نے ایک بہت ہی عجیب وغریب بات دیکھی ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ قبر کھلی اور جنت کا باغ بن گئی- پھر دو آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور میت کو لے گئے"۔ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے- بہر حال اس کے بعد وہ لوگ اور وہ عورت اس بات کو وہم قرار دے کر چلے گئے-

گورکن نے بتایا کہ " کچھ مہینوں کے بعد وہ عورت پھر آئی اور مجھے ایک قبر کھودنے کو کہا- میں نے قبر کھودی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک جنازہ آیا- اس جنازے کے ساتھ بھی بہت تھوڑے سے لوگ تھے"- گورکن نے کہا کہ " میں قبر میں اترا اور میں نے جنازہ کو جونہی قبر میں رکھا۔ قبر پہلے کی طرح کھل گئی اور جنت کا باغ بن گئی۔ اور پھر ایک بہت تندرست اور خوبصورت گھوڑے پر دو آدمی آئے اور اس میت کو اٹھا کر لے گئے"۔ اس مرتبہ گورکن بے ہوش نہیں ہوا۔ اس نے پورے ہوش وحواس سے سب کچھ دیکھا۔ قبر بند کی گئی-

دعا کے بعد جب لوگ رخصت ہوئے تو گورکن چپکے چپکے اس عورت کے پیچھے جانے لگا۔ ایک مقام پر پہنچ کر اس نے عورت کو مخاطب کر کے کہا" آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے آئیں ہیں"؟ اس نے جواب دیا" میں جو بھی ہوں مجھے اسی تکلیف میں رہنے دو"- گورکن نے اصرار کیا کہ " اپنے بارے میں کچھ تو بتائیں؟ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ اور آپ کہاں سے آئیں ہیں"؟ اس نے کہا" میرے دو بیٹے تھے اور وہ فوت ہو گئے"- میں نے کہا کہ "پہلی میت بھی آپ ہی کی تھی"؟ اس عورت نے کہا" ہاں! لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں"؟ اس نے کہا" میں نے دونوں میتوں کو قبر میں رکھا اور میں نے دیکھا کہ ان کو قبر میں رکھتے ہی قبر کھل گئی، جنت کا باغ بن گئی، پھر دو فرشتے آئے اور میت کو لے گئے- دونوں کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوا- یہ دونوں کیا کرتے تھے"؟ عورت نے کہا" پہلا طالب علم تھا- علم حاصل کر رہا تھا اور دوسرا تر کھان تھا جو اس کا

بھائی تھا وہ طالب علم کی تعلیم کا خرچہ اٹھا رہا تھا- یہ دونوں میرے بیٹے تھے"- یہ کہا اور وہ عورت واپسی کے لئے مڑ گئی-

اس گورکن نے یہ حالات دیکھے اور عورت سے یہ جواب سنا تو قبرستان چھوڑ کر مسجد میں آ گیا-

اس عالم کا کہنا تھا" میرے دادا، پردادا، میرے والد غرض ہمارے بزرگوار سب اسی مسجد میں کام کرتے تھے-(خدمت کرتے تھے-) اس گورکن کی حاضری کے وقت ہمارے دادا وہاں موجود تھے- گورکن ان کے پاس آیا اور کہنے لگا" میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں"- انہوں نے کہا کہ" آپ کی عمر 45 یا پچاس سال ہوگئی ہے اب آپ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں- پہلے کہاں رہے؟ ساری عمر کن کاموں میں گزار دی؟ پہلے یہ خیال کیوں نہ آیا؟ ساری عمر بھولے رہے اب علم حاصل کرنا چاہتے ہو"؟ اس پر گورکن نے تمام واقعہ کہہ سنایا کہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے میں بھی علم حاصل کرنا چاہتا ہوں- یہ سن کر میرے دادا نے کہا" اللہ پر توکل کرو اور شروع کرو- اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا"- انہوں نے پڑھنا شروع کیا- وہ جو کتابیں پڑھتے انہیں فوراً یاد کر لیتے اور آخر کار وہ ایک عالم بن گئے- ان کا شمار بڑے علماء میں ہوتا ہے- ان کا نام شیخ عبدالرحمن حفار ہے- پھر ان کا نام دمشق کے بڑے بڑے علماء میں شمار ہونے لگا-

ان کے بعد ان کے تمام خاندان والوں نے علم حاصل کیا اور حاصل کرتے رہے- ان میں سب سے آخیری عالم دین شیخ عبدالرزاق حفار تھے- یہ بھی دمشق کے بڑے عالموں میں سے تھے-

یہ واقعہ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ طالب علم کے ساتھ ان کا رب یہ سلوک کرتا ہے- اللہ تعالیٰ نے طالب علم اور طالب علم کا خرچہ برداشت کرنے والے دونوں کے ساتھ ایک ہی سلوک کیا-

طالب علم:-

علم کا طالب وہ ہوتا ہے جس کو خود علم حاصل کرنے کا شوق و رغبت ہو۔

1 **طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو بری صفات اور ناپسندیدہ عادات سے پاک کرے۔** سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص زمانہ طالب علمی میں گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز میں ضرور مبتلا کر دیتے ہیں۔ یا تو وہ عین جوانی میں مر جاتا ہے، یا پھر وہ باوجود فضل و کمال کے ایسی جگہ مارا مارا پھرتا ہے جہاں اس کا علم ضائع ہو جاتا ہے اور اپنے علم کی اشاعت نہیں کر پاتا یا پھر کسی بادشاہ یا رئیس کی خدمت کی ذلتیں برداشت کرتا ہے۔

حضرت شقیق بلخیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''طالب علم کو تین باتوں پر عمل کئے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہوتا چاہے 80 صندوق کتابوں کے پڑھ لے۔

1۔ دنیا سے محبت نہ رکھے کیونکہ یہ مسلمانوں کا گھر نہیں ہے۔

2۔ شیطان سے دوستی نہ کرے کیونکہ وہ مسلمانوں کا رفیق نہیں ہے۔

3۔ کسی کو تکلیف نہ دے کیونکہ یہ مسلمانوں کا پیشہ نہیں ہے۔

میمون بن مہرانؒ کا قول ہے کہ ''علم کا پڑھنا اور اس کا بڑھنا بے فائدہ ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کا خوف بھی ساتھ ساتھ نہ بڑھے''۔

عبدالرحمن بن قاسمؒ کہتے ہیں ''میں امام مالکؒ کی خدمت میں بیس سال رہا۔ ان میں اٹھارہ سال ادب و اخلاق کی تعلیم میں خرچ ہوئے اور دو سال علم کی تحصیل میں۔''

4۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ''علم حاصل کرتے ہوئے روتے رہا کرو کیونکہ تم صرف علم حاصل نہیں کر رہے ہو بلکہ اپنے اوپر حجتِ الٰہی کو بھی قائم کر رہے ہو''۔

2۔ طالب علم کو چاہیے کہ اساتذہ کا ادب و احترام اپنے اوپر لازم کرے

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ ''بوڑھے مسلمان، عالم دین، حافظ قرآن، عادل بادشاہ اور استاد کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے''۔ (ابوداؤد)

ابن وہبؒ کہا کرتے تھے ''مجھے جو کچھ بھی ملا ہے۔ امام مالکؒ کے ادب کی وجہ سے ملا ہے''۔ استاد کے سامنے زیادہ بولنا بے ادبی ہے۔

امام بخاریؒ سے کسی نے پوچھا'' آپؒ کے دل میں کوئی خواہش ہے؟ فرمایا ''میرا دل چاہتا ہے کہ میرے استاد علی بن مدنیؒ حیات ہوتے اور میں جا کر ان کی صحبت اختیار کرتا''۔

طالب علم کو چاہیے کہ اگر استاد اُسے کوئی نکتہ بتائے اور وہ اسے پہلے سے معلوم تھا تب بھی یہ ظاہر نہ کرے کہ یہ اسے پہلے سے معلوم تھا۔ استاد کا یہ حق ہے کہ طالب علم اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد بھی اپنے استاد سے ملاقات کرتا رہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ استاد کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرے۔ اگر ہو جائے تو انتہائی عاجزی

سے فوراً معافی مانگ لے۔

شیخ امام سعدالدین شیرازیؒ فرماتے ہیں ''جو شخص چاہے کہ اس کا بیٹا عالم ہو جائے اسے چاہیے کہ مسکین علماء کی نگہبانی کرے۔ان کی تعظیم کرے اور انہیں کھلائے پلائے۔اگر اس کا بیٹا عالم نہ ہوا تو پوتا ضرور عالم ہو جائے گا''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ استاد کی تعظیم کے متعلق فرماتے ہیں۔

ترجمہ:''میں اس شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا۔اگر وہ چاہے تو مجھے بیچ دے اور چاہے تو آزاد کردے اور اگر چاہے تو غلام بنالے''

کسی شاعر نے استاد کے ادب کے بارے میں فرمایا ہے۔

ترجمہ:''میں نے تمام حقوق سے زیادہ استاد کا حق دیکھا ہے۔میں استاد کے حق کی حفاظت کرنا تمام مسلمانوں پر زیادہ ضروری سمجھتا ہوں۔بے شک حق یہ ہے کہ استاد کے ایک حرف کی تعلیم کے بدلے میں ادب کی بنا پر ہزار درہم ہدیہ پیش کیا جائے تب بھی کم ہے''

3۔طالب علم کو چاہیے کہ اپنے استاد کی خدمت کو اپنے لیے فلاح دارین کا ذریعہ سمجھے

حضرت حماد بن سلمہؒ کی ہمشیرہ عاتکہؒ فرماتی ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہمارے گھر کی روئی دھنتے تھے اور ہمارا دودھ دھوتے تھے۔ترکاری خرید کر لاتے تھے اور اس طرح کے بہت سے کام کیا کرتے تھے۔حضرت حمادؒ امام ابوحنیفہؒ کے استاد تھے۔اس وقت کیا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ حماد بن سلمہؒ کے گھر کا یہ خدمت گار شاگرد تمام عالم کا مخدوم بنے گا۔حضرت مدنیؒ اپنے شیخ محمد الحسنؒ کے ساتھ مالٹا کی جیل میں تھے کہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا۔حضرت شیخ الہندؒ جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہوتا۔حضرت مدنیؒ نے یہ طریقہ سوچا کہ وہ رات کو سوتے وقت برتن میں پانی بھر لیتے اور پھر سجدے کی حالت میں برتن کو اپنے پیٹ اور بازوؤں کے درمیان رکھ لیتے۔اس طرح پانی چونکہ ہر طرف سے ڈھانپ لیتے لہٰذا جب تہجد کا وقت ہوتا تو وہ پانی نیم گرم حالت میں ہوتا۔یہ پانی وضو کے لیے وہ اپنے استاد کو پیش کرتے۔کافی عرصہ تک یہی معمول رہا۔ایک دن تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کروانا پڑا۔حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا ''کیا پانی وہیں سے نہیں لائے جہاں سے روز لاتے ہو''۔حضرت مدنیؒ نے فرمایا ''حضرت رات غفلت ہوگئی'' تب حضرت شیخ الہندؒ کو یہ راز معلوم ہوا کہ شاگرد اپنے استاد کو گرم پانی مہیا کرنے کی خاطر ساری رات سجدے کی حالت میں پانی کو رکھ کر گزار دیا کرتا تھا۔

4۔طالب علم کے لیئے ضروری ہے کہ دینی کتابوں کا ادب واحترام کرے

کسی کتاب کی طرف پیر نہ پھیلائے۔سب سے اوپر قرآن پاک اس کے نیچے تفسیر کی کتاب،تفسیر قرآن پاک کے نیچے حدیث کی کتاب،حدیث کے نیچے فقہ کی کتاب اور اس کے نیچے دوسرے علوم وفنون کی کتابیں رکھیں جائیں۔کبھی بھی کسی کتاب کے اوپر کوئی دوسری چیز نہ رکھیں۔شیخ اسلام برہان الدینؒ فرماتے ہیں ایک صاحب کتاب کے اوپر دوات رکھا کرتے تھے۔ہمارے شیخ نے فرمایا تم اپنے علم سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔کتاب کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اس پر کسی قسم کی فضول بات نہ لکھی جائے۔ایک طالب علم نے سفر کے دوران اپنے سامان کو رکھا پھر اوپر اپنے کپڑوں کو رکھا پھر گھٹڑی باندھی،حضرت مولانا ادریسؒ نے دیکھا تو تنبیہ فرمائی کہ ''یہ ادب کے خلاف ہے''۔ایک عالم نے دو طالب علموں کو دو حال میں دیکھا۔ایک تکیے کا سہارا لیے مطالعہ کر رہا تھا اور دوسرا دوزانو مستعد بیٹھا کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور کچھ کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا۔استاد نے یہ ماجرا دیکھ کر پہلے کے لیے فرمایا ''یہ فضیلت کے درجے کو نہیں پہنچے گا'' اور دوسرے کے لیے فرمایا ''یہ عنقریب فضل حاصل کرلے گا اور اس کے علم میں بڑی شان ہوگی'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

5۔طالب علم کو چاہیے کہ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حقوق کا خیال رکھے

یاد رکھیں کہ تکبر کے ساتھ علم کا حاصل کرنا بالکل بیکار ہے جس طرح ایک بلند مکان کو سیلاب پاش پاش کر دیتا ہے اسی طرح تکبر عالم کے علم کو ختم کر دیتا ہے۔
نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے ایک مرتبہ سفر کے دوران دو مسواکیں بنائیں،ٹیڑھی مسواک اپنے پاس رکھ لی اور سیدھی اور خوبصورت مسواک اپنے رفیق سفر کو عطا کی ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) یہ اچھی اور خوبصورت مسواک ہے آپ (خاتم النبیین ﷺ) اسے اپنے پاس رکھ لیں۔فرمایا ''میرا بھی یہی دل چاہتا ہے کہ اچھی مسواک میرے ساتھی کے پاس ہو''۔

6۔طالب علم کو چاہیے کہ حصول علم کے لیے خوب محنت کرے۔وقت کو ضائع نہ کرے سستی اور کاہلی کو قریب نہ آنے دے

عربی کا معقولہ ہے ''جس نے کسی چیز کو طلب کیا اور محنت کی تو اسے پالیا''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''علم تمہیں کچھ حصہ نہ دے گا جب تک تم پورے طور پر اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کر دو گے'' تحصیل علم کے لئے

چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔۔

1۔مطالعہ :-

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگرد امام یوسفؒ سے فرمایا کہ "تم اتنے ذہین تو نہ تھے مگر تمہاری کوشش اور مطالعہ نے تمہیں آگے بڑھا دیا"۔

2۔سبق کی پابندی :-

طالب علم کو چاہیے کہ سبق کا ناغہ کبھی نہ کرے اس سے بے برکتی ہوتی ہے۔

3۔تکرار اور مذاکرہ :-

سلف صالحین کا قول ہے کہ:

ترجمہ: "ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور علم کا دروازہ تکرار ہے"۔

ایک اور قول ہے "علم تکرار کرنے سے زیادہ ہوتا ہے"۔

عون بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ "ایک دن ہم ام درداؓ کی خدمت میں پہنچے اور دیر تک علمی باتیں دریافت کرتے رہے۔ پھر عرض کیا کہ شاید آپؓ اُکتا گئی ہوں گی۔ فرمانے لگیں کیا کہتے ہو؟ ہر کام میں میری نیت عبادت کی ہوتی ہے۔ علمی مذاکرہ سے زیادہ مجھے کسی کام میں لذت نہیں ملتی"۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "علم میں گفتگو کرتے رہا کرو تا کہ تمہارے رتبے ظاہر ہوں"۔

مولانا عبدالحیؒ اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

"میں جس کتاب کے پڑھنے سے فارغ ہوجاتا کوئی نئی کتاب نہ ملتی تو اُسی کتاب کو پھر سے پڑھنا شروع کردیتا"۔

7۔طالب علم کو علم کا حریص ہونا چاہیے اگر وطن میں مواقع میسر نہ ہوں تو سفر کرنے سے گھبرانا نہیں چاہیے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا "مومن کو علم سے سیری نہیں ہوتی یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جائے"۔

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ "جو کوئی طالب علم کے سفر کو جہاد نہیں سمجھتا اس کی عقل میں نقص ہے"۔

8۔طالب علم کو علم حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں انہیں بخوشی برداشت کرے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ "طالب علم اگر تحصیل علم کی حالت میں مرتا ہے تو شہید مرتا ہے"۔(البزاز)

اصحابہ صفہؓ کا حال اس راستے کی تکالیف برداشت کرنے کی عمدہ مثال ہے۔ جن بندگان خدا نے اپنے طالب علمی کے زمانے کی مشقتیں اور تکالیف برداشت کیں انہی سے اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لیا۔

9۔طالب علم کو چاہیے کہ زمانہ طالب علمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا تعلق قائم رکھے

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (سورہ الشرح 8-7)

ترجمہ: "پس جب آپ (اپنے منصب سے) فارغ ہوں تو محنت کریں اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں"۔

علماء چونکہ ورثۃ الانبیاء ہیں۔ لہٰذا انہیں بھی ذکر، فکر، مراقبہ اور محاسبہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ امام غزالیؒ نے اپنے حالات زندگی میں لکھا ہے "مجھے سب سے افضل مشغلہ تعلیم و تدریس کا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم پر ہے جو دنیا میں فائدہ پہنچانے والے ہیں۔ میں نے اپنی نیت کو ٹٹولا تو اس میں غلبہ جاہ اور حصول شہرت کو پایا۔ پس مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا میں نے یوں محسوس کیا کہ غار کے کنارے پر کھڑا ہوں۔ اگر اصلاح احوال کی کوشش نہ کی تو بڑا خطرہ ہے"

پس یہ خیال آنے کے بعد آپ گیارہ سال تک تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی محنت میں مشغول رہے حتیٰ کہ باطن تمام آلائشوں سے پاک ہوگیا۔

****

عمل صالحہ

انسان کی حقیقت اس کی زبان میں چھپادی گئی ہے-انسان کی زبان،زبان کے موضوعات،زبان کا لہجہ،زبان کا انداز گفتگو---انسان کی شخصیت اوراس کی سوچ کی عکاسی کرتے ہیں-اس لئے سب سے زیادہ ضروری چیز زبان کی حفاظت ہے-مشکلات میں ڈالنے والوں سے بہت بڑا مشکلات سے نکالنے والا ہے- یہ نقطہ سمجھ میں آجائے تو کوئی مشکل،مشکل نہیں رہتی-ہوائیں موسم اوردعائیں مصیبتوں کا رخ بدل دیتی ہیں-پریشان ہونے والے رب کے فضل وکرم سے جلد ہی سکون میں آجاتے ہیں لیکن پریشان کرنے والے ہمیشہ سکون کے متلاشی رہتے ہیں-سخی اور نیک دل انسان کبھی اکیلا نہیں رہتا-جو اللہ کے بندوں سے محبت سے پیش آتا ہے اوران کی مشکلات کا خیال کرتا ہے،رب اس کی جھولی کبھی خالی نہیں رہنے دیتا-

اللہ تعالی سے ہمیشہ اچھا گمان رکھیں-اس لیے کہ فقط وہی تو ہے جو اندھیروں میں دیا جلائے رکھنے پر قادر ہے---وہی تو ہے جو مضطرب دلوں کو سکون بخشتا ہے-زندگی کا ایک سادہ سا اصول بنالیں کسی کی مدد کرسکتے ہیں تو کریں اور کسی سے توقع نہ رکھیں-اپنی کی گئی نیکی کا بدلہ اللہ تعالی پر چھوڑ دیں-اللہ تعالی سے زیادہ نفع پہنچانے والی ہستی کوئی اور نہیں-ہماری زندگی کا وہ حصہ سب سے زیادہ افضل ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے،اللہ کی عبادت کرتے ہوئے،اس کے بندوں کی خدمت میں گزری-کامیابی کی پہلی سیڑھی کوشش ہے-کوشش کرنے سے انسان غلطی بھی کرسکتا ہے-اگر غلطی ہوگئی ہے تو اس غلطی سے ہمیں کوئی نہ کوئی سبق ضرور ملے گا-سبق ہمیں تجربہ دے گا اور پھر تجربے سے ہمیں کامیابی حاصل ہوجائے گی-

انسان ایک بند کتاب کی طرح ہے۔ٹائیٹل کی خوبصورتی سے اندرونی مواد کا اندازہ لگانا حماقت ہے۔اکثر اوقات اندرونی صفحات کا مواد بالکل قابل توجہ نہیں ہوتا۔ظاہر پر کبھی نہیں جانا چاہیے-قدرت نے ہمیں معصوم پیدا کیا تھا لیکن بددیانتی،مکاری،معصیت کاری،منافقت اور ریاکاری نے ہمارے چہروں کو بگاڑ دیا ہے-اب ہم نے اللہ تعالی کو بڑا دھوکا دے رکھا ہے-اگر انسان اپنے ظاہر اور باطن کو ایک جیسا رکھے تو---یہ دنیا سب سے زیادہ خوبصورت چیز بن سکتی ہے۔اگر انسان دوسرے کو زندگی گزارنے کا وہی حق دے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے تو زندگی کتنی آسان ہوجائے۔

انسان اختلافات کا حل جانتا ہے اور اگر نہ جانے تو ڈھونڈ سکتا ہے۔اللہ تعالی نے اسے بے پناہ صلاحیت عطا فرمائی ہے۔لیکن حسد اور بغض راہ کی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔من کی کالک آڑے آجاتی ہے۔وسوسے(شیطان)انسان کو گھیر لیتے ہے حالانکہ دوسروں کا احساس کرنے سے انسان کا اپنا ہی وقار بڑھتا ہے۔نفس کو قابو میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔

زندگی بہت ہی مختصر ہے۔سمجھ آتے آتے گزر جاتی ہے۔پرسکون زندگی کے لیے نہ دل میں کوئی بات رکھیں نہ جھگڑے طویل ہونے دیں۔معاف کرنے کی عادت بہت اچھی ہے۔معاف کرنا اللہ تعالی کو بے حد پسند ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم لوگوں سے توقع نہ رکھیں۔جب کسی چیز کی خواہش ہو تو اللہ تعالی ہی کی طرف نظر رکھیں۔اسی کی طرف دیکھیں کیونکہ ہم تو جان ہی نہیں سکتے کہ ہمارے لیے اچھا کیا ہے برا کیا ہے؟

اللہ کے ساتھ سب محبتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔کچھ بہت خاموش رہنے والے لوگ اللہ سے محبت بھی خاموشی سے کرتے ہیں۔اتنی خاموشی کہ ان کی آواز صرف اللہ کو سنائی دیتی ہے۔یہ من کے اُجلے ہوتے ہیں۔۔یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو صبر اور تحمل سے اللہ کی راہ کی تمام مشکلات کا سامنا کرتے ہیں اور کسی پر بھی اپنے باطن کو ظاہر نہیں کرتے۔یہ لوگ تکلیف میں بھی مسکراتے ہیں۔بے حد مسکراتے ہیں۔یہ بظاہر رونقوں اور زندگی سے بھرپور نظر آتے ہیں لیکن یہی وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔جو ذرا ذرا سی بات پر ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں۔اور خاموش رہتے ہیں لیکن ان کا رب سب جانتا ہے۔وہی ایسے لوگوں کی تنہائی کا رازدار ہوتا ہے۔اس کی نگاہ میں اپنے لئے خلوص نیت رکھنے والا ہر شخص ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ظاہر اور باطن سے بخوبی آگاہ ہے۔

عمل صالحہ کی بنیاد لقمے کی اصلاح ہے اور پھر ہر وقت ذکرالہی------نجات کا آسان راستہ اور آسان طریقہ اہل اللہ کی صحبت اوران سے محبت ہے-یہ میسر نہ ہو تو قرآن پڑھیں،یہ نہ ہوسکے تو انبیاء کرام علیہ السلام کے اقوال واحادیث پڑھیں،یہ نہ ہو تو اولیاء کرام کا کلام پڑھیں،اور اگر یہ بھی نہ ہو تو نفس کو کمزور اور ضعیف بنانے کی کوشش میں لگے رہیں-مُردوں(غافلوں)کی صحبت سے اپنے آپ کو مردہ نہ بنائیں-بزرگوں اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں-

قیمت کے بازار میں کوئی عبادت--صحبت اور خدمت کے برابر نہیں ہوسکتی-اگر ہم تاریخ طریقت وتصوف کا مطالعہ کریں اور ٹھنڈے دل ودماغ سے جائزہ لیں تو یہ امر

محتاج ثبوت نہیں رہتا کہ **حاضری، خدمت** اور **ادب** ہی اہل اللہ کی نظر کی اساس بنتے ہیں- ہر دم کسی کے حضور حاضر رہنا معمولی بات نہیں ہوتی- خدمت کا نعم البدل تو در کنار، بدل ہی نہیں ہے- **طالب کو ایک بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ ادب کی کڑی ٹوٹنے سے پہلے---فیض کی کڑی ٹوٹا کرتی ہے-**

تقدیر کے الٹ پلٹ اللہ کے اختیار میں ہوتے ہیں- اللہ تعالی ہر روز لوح محفوظ پر توجہ فرماتا ہے- جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے- اگر اپنا لکھا ہو بدل نہ سکتا تو "قادر المقتدر" اور "قوی العزیز" کیوں کہلاتا- ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اے باری تعالی! ہم رذیل و ذلیل و کمین بندے ہیں- تو نے جو لکھنا تھا وہ لکھ چکا- لیکن تو ہی وہ ذات ہے جو اپنے لکھے ہوئے کو مٹانے پر قادر ہے- اپنے فضل و کرم اور رحمت سے میری تقدیر بدل دے- بے شک تو ایسا کرنے پر "قادر المقتدر" ہے-

ہمیں آج یہ سوچنا ہے کہ:

1- اللہ کا پسندیدہ دین اسلام کن راہوں سے آگے بڑھا؟

2- ہمارے اسلاف نے کن قوتوں سے کام لے کر شہنشاہوں کے تحت الٹے؟

3- محبوب خدا حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی دعوت حق کن خطوط پر چل کر کامیاب رہی؟

4- یاران حق نے کون سا طرز فکر اور راستہ اختیار کیا تھا کہ چشم زدن میں سابقہ ادیان پر غالب آ گئے؟

5- وہ کون سی قوت تھی جس نے مخالفت کے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا؟

6- فلاح اور کامیابی کا وہ کون سا سرچشمہ تھا جس سے سارا عالم سیراب ہوا؟

7- عزت اور عظمت کے مقام کس طرح ظہور پذیر ہوئے؟

ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ:

1- جتنا ہم اللہ سے ڈریں گے اتنا ہی یہ دنیا ہم سے ڈرے گی-

2- جتنا خلوص سے ہم اسوہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر کاربند ہوں گے اتنا ہی اقتدار کے ساتھ اللہ ہمیں عزت دے گا-

3- جتنا ہم عاجزی اور انکساری سے اللہ کے حضور جھکیں گے اتنا ہی یہ دنیا ہمارے قدموں میں جھکے گی-

4- جس قدر مال و زر ہم دین حق پر نچھاور کریں گے اسی قدر کائنات کے رموز و اسرار ہمارے لئے کھلتے جائیں گے-

اگر ہم کسی کی زیادتی کے باوجود خاموش رہتے ہیں تو قدرت خود ہی جواب دے دیتی ہے- ہم اگر معاف کر دیں تو قدرت ہمیں عزت دیتی ہے- ہم جھک جائیں تو قدرت ہمیں بلند کر دیتی ہے- ہماری وقعت اور عزت لوگوں کی نگاہ میں بنا دیتی ہے- اور اگر ہم اپنی تشہیر سے چھپتے پھریں قدرت پھر بھی لوگوں کے دلوں میں ہماری عزت اور قدر ڈال کر ہمیں ابھار دیتی ہے- یہ تمام قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں جو ہمارے عمل صالح کی وجہ سے ہوتے ہیں (جو ہمارے اعمال صالحہ کا نتیجہ ہوتے ہیں)- جنہیں انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہیں-

زندگی میں خوبصورتی صرف اللہ تعالی کے بتائے ہوئے طریقے یعنی اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ سے ہی پیدا ہو سکتی ہے- ہم جتنی اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ پر عمل کریں گے زندگی اتنی ہی حسین ہوتی چلی جائے گی- حسین سے مراد اچھی زندگی ہی نہیں--- بلکہ دل کا اطمینان ہوتا ہے-

ہمیں چاہئے کہ ہم اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ کے پابند رہیں اور ہر چیز اللہ تعالی پر چھوڑ دیں- جو شخص یہ یقین رکھے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے، وہ کامل ایمان رکھتا ہے- ڈرو تو صرف گناہوں سے اور امید رکھو تو صرف اپنے رب سے- اچھا وقت اور اچھے لوگ ہر کسی کے مقدر میں نہیں ہوتے- جب بھی ان میں سے کوئی مل جائے تو اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے-

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انسانی فضیلت کا راز

مقصود تخلیق کائنات:- کائنات ایک عظیم ترین بلڈنگ اور ایک رفیع الشان قصر کی حیثیت سے تیار فرمائی گئی ہے، جس میں کھانے پینے، چلنے پھرنے، رہنے سہنے، سونے جاگنے، اور کام کاج کرنے کے لئے سارے سامان فراہم کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر-32) میں فرماتا ہے، ترجمہ: ''اور ہم نے آسمان کو مضبوط چھت بنایا''۔

سورۃ الفرقان-25 آیت نمبر-61 میں فرمایا: ترجمہ: ''برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج اور ان میں روشن چراغ اور روشنی دینے والا چاند رکھا''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: (سورۃ الملک، آیت نمبر-5) ترجمہ: ''ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی'' -اور

پھر سورہ النباء، آیت نمبر 6 میں فرمایا: ترجمہ: "کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا"-

پھر فرمایا: (سورۃ النباء، آیت نمبر 15-14) ترجمہ: '' ہم نے بلندیوں سے پانی برسایا تا کہ اِس سے ہر قسم کے غلے، ترکاریاں، پھل، غذائیں اور دالیں اُگائیں''۔

اس کائنات کی ساخت بناوٹ کا یہ خاص انداز پُکار پُکار کر زبان حال سے بتا رہا ہے کہ ضروریات زندگی سے لبریز مکان کو ضرورت مند مسکین کے لئے بنایا گیا ہے یعنی اس میں کسی کو بسانا مقصود ہے اور بلاشبہ کسی ایسے مسکین کو بسانا مقصود ہے جو ان سامانوں کا حاجت مند بھی ہو اور اس میں ان سامانوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت بھی ہو، اس بلڈنگ کائنات میں بسنے والے ذی شعور اور حساس مخلوق جو اس کائنات کو استعمال کر سکتی ہے چار قسم کی ہے، حیوانات، جنات، ملائکہ اور انسان۔ شریعت اسلام نے جس طرح انسانوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے اسی طرح حیوانوں کے حقوق کی بھی پوری پوری حفاظت کی گئی ہے۔

1) حیوانات:- حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک اونٹ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اُس نے اپنے مالک کی شکایت کی "اسکا مالک اس کی طاقت سے زیادہ اُس سے کام لیتا ہے اور بہت بوجھ اُس پر لاد دیتا ہے" - آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کے مالک کو بلایا تو اس نے اقرار کیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ (سنن ابی داؤد) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی جانور کا دل دکھانا، اُسے ستانا ہرگز جائز نہیں-

حیوانات اور پرندوں کو کھلانے پلانے میں اللہ کے ہاں اجر و ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا، اس نے کنوئیں سے پانی نکالا اور اسے پلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس عمل کی وجہ سے معاف کر دیا۔ (صحیح بخاری، الوضوء:173)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے بلی کو باندھ دیا اور اس کی خوراک کا بندوبست نہ کیا حتیٰ کہ وہ مر گئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس جرم کی پاداش میں جہنم میں داخل کر دیا۔ (صحیح بخاری، المساقاۃ:2365) شریعت اسلام نے جانوروں کو ذبح کرنے میں بھی یہ حکم دیا ہے کہ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرو کیونکہ اس کا دل وحشت سے خشک ہونے لگے گا۔ ہاں موذی اور شریر جانور کو بند کرنے اور مارنے کی اجازت ہے لیکن ان کو بھی تکلیف دے کر نہیں مارنا-

2) جنات کے حقوق:- جنات بھی اس جہاں کے باشندے ہیں انہیں بھی مکان، غذا اور رہنے کا حق ہے جسے پامال کرنے کا کسی کو حق نہیں جس طرح وہ ویرانوں میں رہتے ہیں اسی طرح انہیں حق دیا گیا ہے کہ وہ ہمارے گھروں میں بھی بود و باش اختیار کر سکتے ہیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ہر گھر میں جنات بسے ہوئے ہوتے ہیں چونکہ وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور ہم اپنے کام سے کام''۔

اس لئے ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے گھر میں کوئی اور مخلوق بھی آباد ہے۔ اگر کسی گھر میں کوئی بے دین، شریر اور فسادی جن ہوتا ہے اور تنگ کرنے لگتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ فلاں گھر میں آسیب ہے اور عاملوں کی طرف رجوع کرتے ہیں عامل حضرات عمل کر کے جنات کو بند کر دیتے ہیں یا جلا ڈالتے ہیں بہر حال جب جنات بدی پر آ جائیں تو ان کا مقابلہ بلکہ مقاتلے کی بھی اجازت ہے بعض اوقات گھر میں کچھ نیک جنات رہتے ہیں اور گھر والے پاکی پلیدی کا خیال نہیں رکھتے اس صورت میں بھی جنات گھر میں پاکی رکھنے کی وارننگ دیتے ہیں اکثر لوگ سنبھل جاتے ہیں اور جو نہیں سنبھلتے تو جنات ایسے لوگوں کو وہاں سے نکال کر چھوڑتے ہیں اور پھر جب دوبارہ اِسی گھر میں ایسے لوگ آتے ہیں جو پاکی پلیدی کا خیال رکھنے والے ہوتے ہیں تو وہ آرام سے رہتے سہتے ہیں۔

اس لئے نہ تو جنات خواہ مخواہ ہمیں تنگ کرتے ہیں اور نہ ہمیں یہ حق دیا گیا ہے کہ ہم خواہ مخواہ انہیں تکلیف دیں۔ جنات میں بھی ہر قسم کے افراد ہیں نیک بھی، بد بھی، مسلم بھی، غیر مسلم بھی، مشرک بھی، یہودی بھی، نصرانی بھی، چنانچہ قرآن کریم نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ''نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے قبل جنات

آسمان کے دروازوں سے آیا جایا کرتے تھے اور ملائکہ کی گفتگو سے وحی خداوندی کے کچھ الفاظ اُچک لیا کرتے تھے پھر اِن میں اپنے اندر سے جھوٹ ملا کر وحی خداوندی کے دعوے کیا کرتے تھے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد ان کا آسمان پر چڑھنا بند کر دیا گیا تو انہیں یہ پریشانی ہوئی کہ یہ کیا ہوا؟ یہ کیا نیا حادثہ پیش آیا؟ کچھ جنات مشرق میں، کچھ مغرب میں، کچھ شمال میں اور کچھ جنوب میں اس کی وجہ تلاش کرنے نکلے، اِن میں سے ایک جماعت کا گزر مکہ میں ہوا، دیکھا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ قرآن پڑھ رہے ہیں وہ سمجھ گئے کہ اس وجہ سے ہمارے شریر افعال پر پابندی لگائی گئی ہے۔ انہوں نے کچھ دیر قرآن پاک سنا اور پھر اپنے بھائیوں کے پاس گئے اور انہیں اطلاع دی کہ: (سورۃ جن، آیت نمبر-2-1) فَقَالُوٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا - یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ

ترجمہ: "ہم نے عجیب قسم کا کلام سنا ہے جو نیکی کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں"۔

پھر آگے فرمایا: (سورۃ جن، آیت نمبر-2) وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ترجمہ: "اور ہم ہرگز شرک نہ کریں گے اور نہ آئندہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں گے"۔

اس سے معلوم ہوا کے ان میں مشرک اور موحد کی تقسیم بھی تھی یعنی ان میں کچھ مشرک تھے اور کچھ موحد، پھر آگے فرمایا: (سورۃ جن، آیت نمبر-3)

ترجمہ: ''اور یقیناً ہمارے پروردگار کی شان اس سے بہت بلند ہے نہ اس نے کوئی بیوی بنائی نہ بیٹا، معلوم ہوا کہ بعض ان میں عیسائی بھی تھے''۔

(سورۃ جن، آیت نمبر-4) ترجمہ: ''اور ہم میں سے بیوقوف اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا باندھتے ہیں''۔ معلوم ہوا کہ ان میں ملحد بھی تھے جو اپنی بے وقوفی سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کر غیر دین کو دین باور کرواتے تھے اور وحی الٰہی کے نام سے اپنے تخیلات فاسدہ پھیلانے کے عادی تھے۔ تاہم ان تمام باتوں کے علاوہ ان کے قدرتی حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حتیٰ کے ان سے زوجیت کا رشتہ بھی قائم کیا جاسکتا ہے لیکن بعض علمائے فقہا نے ان سے نکاح کو جائز اور بعض نے ناجائز کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ کچھ جن آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ فلاں جگہ ہم لوگ جمع ہیں آپ وعظ فرمائیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ وہاں گئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ساتھ گئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک دائرہ کھینچ کر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو اس سے باہر نہ نکلنے کو کہا وہ فرماتے ہیں کہ ہزاروں کی تعداد میں عجیب وغریب قماش کے لوگ اس دائرے کے باہر سے گزر رہے تھے بحر حال آپ خاتم النبیین ﷺ اس مجمع میں پہنچے اور وعظ فرمایا اور مسائل بتائے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''کوئی انسان ہڈی سے استنجا نہ کرے اور وجہ یہ بتائی کہ یہ تمہارے جنات بھائیوں کی خوراک ہے''۔ (صحیح مسلم)

حدیث میں ہے کہ جب آپ ہڈی سے گوشت کو کھا لیتے ہیں تو یہ ہڈیاں جنات کو پُر گوشت ہو کر ملتی ہیں اس لئے نہ تو ہمیں ان کی خوراک کو ضائع کرنے کا حق ہے اور نہ ہی خواہ مخواہ ان کو تکلیف دے کر اپنی رہائشوں سے نکالنے کا ہمیں حق دیا گیا ہے۔

<u>3) حقوق ملائکہ:-</u> یہی صورت ملائکہ کی بھی ہے کہ وہ بھی اس کائنات کے باشندے ہیں کچھ آسمانوں میں رہتے ہیں اور کچھ زمین پر، عالم بالا کے ملائکہ الگ ہیں اور عالم سفلی کے ملائکہ الگ ہیں ملائکہ کو بدبو سے نفرت ہے اور خوشبو سے رغبت ہے اس لئے ایسی جگہیں جہاں ملائکہ کے اجتماعات ہوتے ہیں انہیں بدبو سے آلودہ کرنا جائز نہیں۔ مسجد میں بیٹھنے والوں کے لئے ملائکہ استغفار کرتے ہیں جب تک ان کی ریاح خارج نہ ہو اور وضو نہ ٹوٹے، ایسا ہوتے ہی ملائکہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ گویا ہم بدبو پھیلا کر انہیں ان کے مکان سے نکال دیتے ہیں جس کا ہمیں حق نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے ایک خاص قسم کی بدبو آتی ہے جس کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے، (جامع ترمذی) گویا جھوٹ کی گندگی پھیلا کر ہم ان سے ان کا مکان چھین لیتے ہیں۔

ملائکہ کی غذا ذکر اللہ ہے جہاں ذکر اللہ ہوگا وہاں ملائکہ کا قیام ہوگا اور وہاں زیادہ سے زیادہ مقدار میں فرشتے حاضر رہیں گے۔

<u>4) انسان کے حقوق:-</u> چوتھی باشعور مخلوق انسان ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بھی زمین وآسمان میں حقوق دیئے ہیں کھانے پینے کا حق، رہنے کا حق، غذا کا حق، مکان کا حق، آزادی کا حق۔ زمین ان چاروں مخلوقات یعنی حیوان، جنات، ملائکہ۔ اور انسان کا مکان ہے۔ ان چاروں مخلوقات سے حق تعالیٰ کا معاملہ الگ الگ ہے حیوان سے جو معاملہ ہے وہ جنات سے نہیں۔ ملائکہ سے جو معاملہ ہے وہ انسان سے نہیں۔

<u>5) حیوان کی پیدائش سے متعلقہ مقاصد:-</u> اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسانوں کے منافع اٹھانے کے لئے پیدا فرمایا، جانوروں سے گوشت، اُون، سواری، ہل، دودھ اور بوجھ اٹھانے کا کام انسان لیتا ہے۔ حیوان کو اللہ تعالیٰ نے کم عقل پیدا فرمایا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بھی علم حاصل کرنے کے لئے جمع ہوجاتے۔ پس انسان حیوان کی بے عقلی سے فائدہ اٹھاتا ہے ملائکہ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا کلام بھی فرمایا لیکن ان پر کوئی شریعت نہیں اتاری جنات سے خطاب مستقل نہیں کیا گیا اور نہ ہی کوئی پیغمبر اور شریعت ان

پر نازل کی گئی۔ چنانچہ ان میں جو یہودی ہیں وہ حضرت موسیٰ کے تابع ہیں جو عیسائی ہیں وہ حضرت عیسیٰ کے تابع ہیں اور جو مسلمان ہیں وہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے تابع ہیں باالفاظ دیگر ان میں نبوت نہیں رکھی گئی اور نہ ہی ان میں سے واعظ اور عالم ہونگے۔ وجہ یہ ہے کہ جیسے ملائکہ میں خیر کا جذبہ ہے شر کا لعدم ہے ایسے ہی جنات میں شر کا غلبہ ہے خیر کا کم ہے اس لئے انہیں انسان کا تابع بنایا گیا تا کہ ان کی شریعت سے یہ علم و عمل کی خطاؤں سے بچ سکیں۔ اس لئے جو انبیاء بھی انسانوں میں مبعوث کئے گئے اُن کی اطاعت اِن پر لازم کی گئی۔ انسانوں سے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے خطاب بھی کیا اور شریعت بھی اُتاری۔ اس لئے انسان کو اگر علم وحی حاصل نہ ہو تو وہ انسان انسان نہ رہے گا انسان کی خصوصیات اس میں نہ ہوں گی۔ اس لئے کہ انسان نام انسانی صورت کا نہیں ہے بلکہ انسانی جوہر کا ہے اور انسانیت کا جوہر علم وحی ہے۔

یہاں ایک اہم بات نوٹ کر لی جائے گی کہ انسان کی خصوصیت مطلق علم نہیں۔ ہر قسم کے علم کو انسانی خصوصیت نہیں کہا جائے گا، کیونکہ مطلق علم یعنی علم کی کوئی نہ کوئی قسم تو قریب قریب ہر مسلمان کو حاصل ہے جانور بھی علم سے خالی نہیں ہیں۔ اس لئے مطلق علم انسان کی خصوصیت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی مطلق علم سے انسان کی فضیلت ،شرافت اور مخلوقات میں افضلیت نمایاں ہو سکتی ہے جب تک اسے کوئی ایسا علم نہ آتا ہو جو اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں---آج اگر انسان دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس لئے اشرف المخلوقات ہوں کہ میں غیبی علم جانتا ہوں تو یہ علم بیاّ اور تمام پرندے بھی جانتے ہیں انسان اگر طب جانتا ہے تو جانور بھی علم طب سے واقف ہیں۔

واقعہ مشہور ہے کہ کسی جنگل میں بندر بہت زیادہ تھے ان میں سے بندروں کے ایک گروہ نے کسی بستی کا رخ کیا اور باہر سے اندر صحن میں بھی کود جاتے اور جو کچھ انہیں کھانے پینے کی چیز ملتی کھا لیتے۔ جس شخص کا گھر جنگل کے قریب تھا وہ بہت پریشان تھا اس نے ایک دن روٹیوں میں زہر ملایا اور روٹیوں کو باہر پھیلا دیا بندروں نے دیکھا کہ اتنی ساری روٹیاں بکھری پڑی ہیں انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر جنگل میں واپس چلے گئے تھوڑی ہی دیر بعد تمام بندر واپس آ گئے اب ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں سبز پتوں کی ٹہنی تھی بندروں نے تمام روٹیاں جمع کی اور دیوار پر بیٹھ گئے مزے سے ایک دو نوالے روٹی کھاتے اور چند پتے کھا لیتے۔ معلوم ہے وہ کیا تھا وہ زہر کا توڑ یا تریاق تھا اب دیکھیے بندر بھی علم طب سے واقف ہیں اگر انسان فن سیاحت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ علم تو شہد کی مکھی بھی جانتی ہے مکڑی کی صفت کو دیکھیں تو انسان کی صفت اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضروریات زندگی کا ہر فن انسان میں موجود ہے حتیٰ کہ اگر ہم سائنس کی مدد سے سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر سکتے ہیں تو کرگس اور کوّا بھی اپنی اندرونی سانس کی قوت سے اپنے پروں سے اتنی ہی بلندی پر پرواز کر سکتے ہیں۔

انسانیت کا مدار علوم الٰہیہ ہے:- اللہ تعالیٰ نے علوم الٰہیہ ،علوم رسالت و نبوت مندرجہ بالا تمام ذی شعور مخلوق ،ملائکہ ،جنات ،حیوانات ،انسان میں سے صرف انسان کو بخشا ،باقی تین اقسام ،ملائکہ ،جنات ،حیوانات کو یہ علم نصیب نہیں ہوا۔ یا ہوا تو کسی قدر ان کے طفیل یا اس کے واسطے سے ہوا سو اس میں اصل انسان ہی رہا۔

اس سے یہ بھی نمایاں ہو گیا کہ **انسانوں کی خصوصیات علوم الٰہیہ ہے ،علوم نبوت اور علم رسالت ہی وہ علم ہے جو انسان کے سوا کسی ذی شعور کو حاصل نہیں** اس لئے اگر انسان ساری مخلوقات پر برتری اور فضیلت کا دعویٰ کر سکتا ہے تو وہ صرف علوم شرعیہ کے ذریعے کر سکتا ہے اور علم نبوی محنت اور مجاہدات سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ علم علوم طبعیہ اور عقلیہ کی طرح طبعی نہیں ہے اس لئے یہ سب علوم سے افضل ہے کیونکہ علوم طبعیہ کا انسان سے سرزد ہونا عجیب نہیں ،عجیب یہ ہے کہ اس میں ایک چیز نہ ہو اور وہ آ جائے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ اکرامؓ سے سوال فرمایا بتاؤ" ایمان عجیب کن لوگوں کا ہے"؟ صحابہ اکرامؓ نے جواب دیا" ملائکہ کا ایمان"، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ملائکہ کو کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں ہر وقت تجلیات ربّانی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جنت دوزخ ان کے سامنے ہے وہ بھی ایمان نہ لائیں گے تو اور کون لائے گا"؟۔ پھر صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا" انبیاء کا ایمان زیادہ عجیب ہے"؟ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" انبیاء اکرام کو کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ رات دن تو ان پر ملائکہ اترتے ہیں اللہ کی وحی ان پر نازل ہوتی ہے جلال و جمال خداوندی ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے معجزات ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ بھی ایمان نہ لائیں گے تو کیا کریں گے"؟ پھر صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پھر سب سے زیادہ عجیب ایمان ہمارا ہے"-آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تمہیں کیا ہوا ہے جو تم ایمان نہ لاؤ گے پیغمبر تمہارے سامنے ہے معجزات تم بچشم خود دیکھتے ہو وحی تمہاری آنکھوں کے سامنے اترتی ہے تم بھی ایمان نہ لاؤ گے تو اور کون لائے گا"؟ صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ تو اللہ اور اللہ کا رسول جانتا ہے کہ عجیب ایمان کن لوگوں کا ہے"؟ ارشاد فرمایا" عجیب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے نہ پیغمبر ان کے سامنے ہوں گے نہ مشاہدات معجزوں کے کریں گے اور پھر شکوک و شبہات ڈالنے والے ہزاروں ہوں گے مگر پھر بھی وہ ایمان لائیں گے اور ایمان پر جمے رہیں گے بس عجیب ایمان ان لوگوں کا ہوگا"۔ (مشکوٰۃ)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو چیز موانع کی کثرت اور رکاوٹوں کے ہجوم میں حاصل کی جاتی ہے وہی زیادہ عجیب ہوتی ہے ورنہ اگر کسی چیز کی طرف جھکانے والے اسباب بہت ہوں، رکاوٹ بالکل نہ ہو تو اس کا حاصل کر لینا زیادہ عجیب نہیں ہوتا۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ ملائکہ اگر عبادت میں مصروف ہیں تو یہ عجیب بات نہیں کیونکہ تجلیات الٰہی تو ہمہ وقت سامنے ہیں اور رکاوٹیں بالکل نہیں ہیں، نہ ان کا کوئی کھانے پینے کا جھگڑا، نہ بیوی بچوں کا دھندا، نہ شہوت وغضب کا قصہ، گویا عبادت کرنا فرشتوں کے حق میں ایسی بات ہے جس کو بجالانا عجیب نہیں۔ عبادت اگر عجیب ہے تو انسان کے حق میں کیونکہ وہ اپنی ساری نفسانی خواہشات اور طبعی تقاضوں کو پامال کر کے اور بالفاظ دیگر اپنے نفس کا قتل کر کے رکوع اور سجود میں جاتا ہے۔

''اس لئے انسان کا ایک سجدہ فرشتوں کے ہزاروں سجدوں سے بہتر ہے''

کیونکہ فرشتے نفس کے تقاضے پر عبادت کرتے ہیں اور انسان نفس کشی سے عبادت کرتا ہے وہ صبح کے وقت گرم لحاف میں سے اٹھ کر سردی کے موسم میں وضو کر کے سجدے میں جاتا ہے، نفس اسے نیند کے لئے آمادہ کرتا ہے شیطان ورغلاتا ہے کہ سوتا رہ ابھی بہت وقت ہے اور یہ کہ نرم بستر سے نہ اُٹھ، سردی بہت ہے ہاتھ پیر کو ٹھنڈا نہ کر اپنے آپ کو کیوں بیمار کرتا ہے؟ لیکن آدمی وضو سے فارغ ہو کر سردی میں سکڑتا ہوا مسجد کی طرف دوڑتا ہے، وہ تمام طبعی خواہشات پر لات مار کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل دل وجان سے کرتا ہے تو یہ مخالف نفس ملائکہ میں کہاں؟ یہ نفس کشی اور جہاد بالنفسی ملائکہ کو کہاں میسر؟ کہ وہاں نہ نفس امارہ ہے اور نہ ہوائے نفس کہ جس کا مقابلہ کیا جائے اور جہاد کر کے نفس کو پچھاڑا جائے یہ بیان کرنے میں ہم ملائکہ کی توہین نہیں کرتے ملائکہ تو اللہ تعالیٰ کے مقدس بندے ہیں

جن کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر-26)

ترجمہ: ''(بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں)'' جن سے کبھی بھی گناہ یا معصیت کا صدور نہیں ہوتا ان کی توہین کفر ہے اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔

پھر دیکھئے جب قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی برتری ثابت کی تو فرشتوں نے بے ساختہ سورۃ البقرۃ، آیت نمبر-32 فرمایا:

سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا ۝　　ترجمہ: ''تو پاک ہے ہمارے پاس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا''۔

انسان کے استنباط اور اجتہاد کو اللہ تعالیٰ نے سراہا ہے۔ پس علمی لائن میں انسان کی برتری ملائکہ پر ایک تو ''**حکمیت علم**'' کے لحاظ سے ہے کہ اسے تمام اسماء کی تعلیم ملی جو ملائکہ کو نہیں ملی--- دوسرے ''**کیفیت علم**'' کے لحاظ سے ملائکہ اپنی معلومات میں فقہ واجتہاد سے کوئی اضافہ نہیں کر سکتے اور انسان کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے زیادہ علم بھی دیا اور انسان میں زیادہ علم حاصل کرنے کی صلاحیتیں بھی رکھ دیں۔ یہاں تک کہ جب انسان کی استعداد جامع علم کی متحمل ہوگی اور قرن ہا قرن گزرنے اور مشق کرنے کے بعد وہ ہمہ گیر علم کے لئے مستعد ہوگئیں تو آخری معلم حضرت محمد خاتم الانبیاء خاتم النبیین ﷺ کو بھیجا جنھوں نے حقائق الٰہیہ کی تعلیم دی اور علم کو مکمل کرتے ہوئے اس کے ہر ہر حکم کی علت پر مطلع فرمایا۔ جس سے انسان نے حقیقت علم کا سراغ پایا اور پھر قرآن کریم کے جامع علم سے روشن ضمیر بنا۔

پس جو خلافت حضرت آدمؑ کے دور میں ابتدائی منزل میں تھی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے دور میں وہ اپنے انتہائی مقام پر پہنچ گئی کیونکہ اس کا منبع علم تھا۔ علم کی ابتداء علم اسماء کے ابتدائی دور میں تھا تو اس پر مبنی شدہ خلافت بھی ابتدائی ادوار میں رہی اور وہی علم جب ترقی کر کے حد کمال پر پہنچ گیا کہ اس کے بعد کسی نبی کے آنے کی ہی گنجائش نہ رہی تو نیا علم اور نئی شریعت آئے تو خلافت بھی حد کمال کو پہنچ گئی۔ چنانچہ خلافت ظاہری تو حقائق کائنات کی تسخیر ہے چاند، سورج، ستارے، سائنس، ٹیکنالوجی۔ خلافت باطنی حقائق الٰہی کی تعمیل کے لئے ہے جس کے ذریعے روحانیت کے عجائبات نمایاں ہوں تو ظاہر ہے دور محمدی خاتم النبیین ﷺ میں یہ دونوں خلافتیں حد کمال کو پہنچ گئیں۔

ایک سے ایک محیر العقول مادی ایجادات انتہا کو پہنچ رہی ہیں جو عقل ونفس کے کمال کی دلیل ہے، اور ایک سے ایک حیرت ناک علمی وروحانی اجتہادات انتہا کو پہنچے جو تفقہ نفس کے کمال کی دلیل ہے۔ **غرض تعقل اور تفقہ یا عقل نفسانی اور فقہ روحانی دونوں کمال کو پہنچ گئے**۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ساری قوتیں دے دی ہیں اس میں ملکیت بھی ہے بھیمیت بھی ہے اور شیطانیت بھی ہے تو لازمی تھا کہ یہ متضاد قوتیں آپس میں ٹکرائیں اور اس ٹکرانے سے نئے نئے افعال کا ظہور ہو جو انفرادی قوتوں سے نہیں ہو سکتا، مثلاً بھیمیت کا کام کھانا پینا اور نسل بڑھانا (حیوانیت) لیکن جب اس کے ساتھ ملکیت ٹکرا جاتی ہے تو تیسری قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کو عفت کہا جاتا ہے اور اس سے جائز و ناجائز کی سینکڑوں صورتیں پیدا ہوتی ہیں کہ فلاں کھانا ناجائز ہے فلاں حرام ہے فلاں نسل کشی حلال فلاں حرام، فلاں چیز پینی جائز اور فلاں ناجائز غرض دین کے ہزاروں گوشے عفت و پاک دامنی کی بدولت کھلتے ہیں جس سے دین و دنیا ترقی کرتے ہیں تو عفت درحقیقت بھیمیت اور ملکیت کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہے جیسے آگ اور

پانی کے ٹکراؤ کا نتیجہ بھاپ ہوتا تھا۔جس سے تمدن ترقی کرتا تھا۔اس طرح شیطانیت کا کام دھوکا،فریب،دغابازی اور مکاری ہے اس کے ساتھ ملکیت کی عقل لڑا دو تو تدبیراور تدبر پیدا ہوگا۔جس سے مکروفریب کے بجائے عقل خیز تدابیر کا ظہور ہوگا اور مخفی تدابیر کا حسن نمایاں ہوگا اور حملہ آور سے بچاؤ کے نئے نظریات سامنے آئیں گے۔

''درندوں میں قوت غضبیہ ہے جس کا کام چیر پھاڑ ہے''۔

اس لئے ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اسی علم سے ہدایت حاصل کریں یعنی خلوت اور جلوت،انفراد اور اجتماع،دوستی اور دشمنی،حکومت اور غلامی،خوشی اور غمی ،راحت اور مصیبت،موت وحیات ہر لحجہ پر اسی علم سے جس کا دوسرا نام شریعت ہے،رہنمائی حاصل کریں اور اپنی عقل کو اس کے خادم کی حیثیت سے ساتھ رکھیں۔یہی قوتیں جو جہالت میں کام کرتی ہیں اب علم میں کام کریں گی۔وہ بہیمیت جو جہالت کے ساتھ،عیاشی،بدکاری اور بے ایمانی کرواتی ہے اب شریعت کے تابع ہو کر عفت و عصمت،پاکی،پاک دامنی اور نیک وکاری پر لے آئے گی۔وہی قوت شیطانیت بحالت جہل،ڈپلومیسی،عیاری اور شرارتوں کی طرف لاتی تھی اب تابع فرمان الٰہی ہو کر تدبیر ودانائی،دانشمندی اور عاقبت شناسی کی طرف لے آئے گی اور بالفاظ دیگر جبلت نفسانی سے نکال کر فطرت روحانی کی طرف نکال لائے گی۔

اس لئے خلاصہ یہ ہوا کہ اگر طبیعت پر عقل کی حکومت قائم کردی جائے اور عقل پر حکمرانی شریعت اور علم الٰہی کی کردی جائے تو انسان مزّکی،مجلّی،اور مقفّی ہو جائے گا۔ورنہ ایک شیطان یا ایک درندہ کے سوا کچھ نہ ہوگا اور اس کا حاصل یہ نکلا کہ شریعت انسان کے کسی خلقی مادہ کو ضائع یا پامال کرنے نہیں آئی بلکہ ٹھکانے لگانے کے لئے آئی ہے تاکہ ہر قوت کو اس کا صحیح مصرف بتلا کر اس میں استعمال کروائے۔یہی معنی ہے اسلام کے دین فطرت ہونے کا جس نے ہر قوت کو ٹھکانے لگا دیا۔شہوت ہو یا غضب۔بہیمیت ہو یا شیطانیت کسی کو بھی بے کار نہیں ہونے دیا بلکہ ایک خاص پروگرام پر چلا دیا۔نیکی تو نیکی ہے شریعت نے تو کسی بدی کو بھی علی الاطلاق نہیں مٹایا بلکہ اپنے اشاروں پر چلایا ہے۔مثلاً جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انسان کی جبلت میں جوش کے وقت مبالغہ آمیزی اور خلاف واقعہ کلام کر جانا داخل ہے۔شریعت نے اسے کلیۃً نہیں مٹایا بلکہ فرمایا کہ اگر دولڑتے ہوئے بھائیوں میں جھوٹ بول کر بھی صلح کروادو تو نہ صرف یہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر بھی ملے گا اور ایسا اجر جو نماز روزہ پر ملتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا علم بھی فرشتوں کی نسبت کامل اور جامع ہے اور اس کی عبادت بھی ان کی نسبت کامل اور جامع ہے اور بوجہ مدافعت جتنی عبادت انسان کی مضبوط ہے فرشتہ کی نہیں ہوسکتی،اب ظاہر ہے جب کامل علم انسان کا ہے تو ساری کائنات میں سے صرف انسان ہی اس بات کا مستحق تھا کہ نائب خداوندی بنے۔اس لئے اصل بنیاد خلافت علم ہی ہے جس میں انسان حد کمال تک پہنچا ہوا ہے اس لئے اسی کو خلیفہ الٰہی بنایا گیا اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسا علم ہے جو اسے خلیفہ الٰہی کے مرتبے پر لے گیا۔علم دوطرح کا ہے''علم ظاہر اور علم باطن''،علم ظاہر یا مادی تعلیم سائنس وغیرہ عمدہ عمدہ سامان تو پیدا کرسکتی ہے مگر عمدہ انسان پیدا نہیں کرسکتی۔سائنس سے باہر تو اجالا ہوتا ہے مگر اندر اندھیرا ہی رہتا ہے باطن کا اجالا تو روحانی علوم سے ہوتا ہے جس کا منبع قرآن اور جس کے مبلغ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں۔**عمدہ انسان صرف انبیاء کی لائی ہوئی تعلیم سے ہی پیدا ہوسکتے ہیں**۔فی زمانہ سائنس اور ظاہری تعلیم بھی حاصل کرنا بہت ضروری ہے لیکن آج کل صرف اسی تعلیم یا صرف اسی علم کی طرف ساری توجہ مرکوز کردی گئی ہے۔سائنس سے بظاہر مادیت کی ترقی ہورہی ہے مگر اندر کے جوہر تباہ ہورہے ہیں انسان نے نئی نئی ایجادات میں اپنی طاقتوں کو گم کردیا ہے اور اس کی سائنس کی محتاجی بڑھ گئی ہے۔اگر وہ لڑنا چاہتا ہے تو لوہے،لکڑی اور پیتل کا محتاج ہے اگر دور مسافت پر پیغام یا خبر دینا چاہتا ہے تو ٹیلیفون،لاسلکی اور وائرلیس کا محتاج ہے۔اگر کسی دور دراز مقام پر پہنچنا چاہتا ہے تو ریل موٹر کا محتاج ہے یعنی خود اپنے نفس کی اندرونی طاقتوں سے کام نہیں لے سکتا بلکہ مادی آلات و وسائل کا دست نگر ہے۔''مرد'' تو وہ ہیں،جنہوں نے اپنے اندر وہ قوت پیدا کی کہ ہزارہا میل کی مسافت پر بلا لاسلکی(بغیر تار کے آلات)آوازیں پہنچائیں۔جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بیت اللہ کے بن جانے کے بعد حج کرنے کے لئے آواز لگائی تو وہ سارے عالم بلکہ عالم بالا میں گونجی۔اور عالم ارواح تک پہنچ گئی۔

فاروق اعظمؓ نے مسجد نبوی سے ساریہؓ کو آواز دی تو وہ ڈھائی سو میل کے فاصلے پر بلا کسی تار کے پہنچی۔مگر محض اپنی روحانی قوتوں سے نہ کہ مادی وسائل سے۔

اپنے اندر جوہر پیدا کیے جائیں،لوہے اور پیتل کے محتاج بن کے نہ رہ جائیں اسباب کے بندے نہ بنیں بلکہ مسبب الاسباب کے بندے بنیں۔آج کا انسان صرف اس جگہ باکمال ہے جہاں مشینیں ہوں،بجلی ہو،پاور ہاؤس ہو،پٹرول ہو،جہاں یہ چیزیں نہ ہوں وہ عاجز،بےبس،اور بے کس ہے۔

انسان کامل تو وہ ہے کہ اگر''زمین پر ہو تو تب بھی باکمال اور اگر زمین کے اندر ہو تب بھی باکمال''

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اَب بھی

بیدار دِل

انسان تخلیق کائنات کا شاہکار ہے۔دیکھنا یہ کہ ہم اللہ کی اس عطا کی ہوئی مشین (دل) سے کس طرح کام لیتے ہیں؟ ہمارا دماغ صرف حواس خمسہ (دیکھنے، سننے، چھکنے، چھونے اور سونگھنے کی حس) پر انحصار کرتا ہے۔دل و دماغ کا زیادہ حصہ آنکھ سے متاثر ہوتا ہے۔آنکھ جھوٹ نہیں بولتی۔انکھ کی حفاظت صرف "حیا" سے ممکن ہے اور انسان کے اندر ایک بے پناہ قوت پنہاں ہے۔لیکن انسان اس کا استعمال نہیں جانتا۔دین و دنیا کی کامیابیاں پہلے دل ہی میں پیدا ہوتی ہیں۔ہمارے دل کے نمونے پر ہی ہماری زندگی کی تعمیر موقوف ہے۔

سب سے پہلی چیز الہام ہے۔الہام تزکیہ نفس سے پیدا ہوتا ہے۔جوں جوں نفس کا تزکیہ ہوتا ہے قلب سے کثافت ڈھلتی جاتی ہے۔ایسی حالت میں زبان کو حرکت دیے بغیر دل سے اللہ نکلتا ہے۔اس کے بعد روح، قلب و نفس متحد ہو جاتے ہیں۔پھر مکاشفاتِ روح بڑھتے چلے جاتے ہیں۔اس حالت میں روح کی پرواز ملاء اعلیٰ تک جا پہنچتی ہے۔ایسا انسان حجاب سے پرے دیکھ سکتا ہے۔اس مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قلب کو ہر قسم کی کثافتوں سے پاک رکھا جائے۔حسد کے سانپ، بغض کے بچھو اور کینہ کے ہاتھیوں کو نکال باہر کریں۔خیالات فاسدہ کو فنا کر دیا جائے۔غیبت کے گولے برسانا اور چغلی کے چوکے لگانا بند کر دیے جائیں، فخر و تکبر اور شہوت کے گھوڑے پر شہ سواری چھوڑ دی جائے اور پھر اپنے جسم کے تمام اعضاء کو رب العالمین کی مرضی و ہدایت کے مطابق استعمال کیا جائے۔اس کے ساتھ ساتھ جب یہ حالت ہو جائے تو روحانی اور غیبی قوتوں سے مستفیض ہونے کے لیے اپنے دل کو کسی بیدار دل کے سپرد کر دیا جائے۔راہبر (یا ہادی) کے دامن کو کسی حال میں نہ چھوڑیں۔اکلِ حلال سے نظافت، ذکر و دوام سے حلاوت اور پاکیزہ خیالات سے لطافت پا کر اپنی منزل کو پہنچ جائیں۔

انسان دو حالتوں سے کبھی خالی نہیں رہتا یا تو ملائکہ اس کے دل میں نیکیوں کے الہام ڈالتے رہتے ہیں یا پھر شیاطین اس کے دل میں وسوسوں کے طوفان ڈالتے رہتے ہیں اور بدیوں کی رغبت پر اُکساتے رہتے ہیں۔اگر الہام نیکی کا ہو تو شکر کرو---اگر بدی کی طرف رغبت ہو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔

دل کے دروازے ہر کسی کے لیے ہر وقت کھلے نہیں رہتے۔کبھی کبھی اور کسی کسی کے لیے کُھلتے ہیں۔دل اپنے دلبر کے سوا کسی دوسرے کو اپنے اندر رہنے نہیں دیتا۔دل جب دلبر کو پا لیتا ہے تو دروازے بند کر لیتا ہے۔پھر کبھی نہیں کھولتا۔دل کو دنیا سے موڑ کر دین کی طرف لانا۔۔۔عابد کو معبود سے اور طالب کو مطلوب سے ملانا۔۔۔کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔اس سے افضل اور کوئی فلاح نہیں۔قرآن پاک کے مطابق اللہ رب العزت اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے۔ماں سے سو گنا زیادہ مہربان۔۔۔وہ تو نافرمان، مشرک، کافر، بدکار کو بھی روزی دیتا ہے اور اس کی رحمت کو یہ گوارا نہیں کہ کوئی گمراہ ہو جائے۔آسمان سے بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے تو مختلف قطعاتِ زمین اس سے اپنی صلاحیت کے مطابق پیداوار دیتے ہیں۔زرخیز، بنجر اور ریتلی زمین پر اس کا الگ الگ اثر ہوتا ہے۔پتھریلی زمین پر اس کا کوئی اثر ہوتا ہی نہیں ہے۔

جو شخص اپنے آئینہ دل کو بغض، حسد، کینہ، تکبر، عُجب اور خود بینی سے پاک نہیں کرتا اور پھر یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا تابعدار ہے وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ جب آئینہ دل صاف ہو جاتا ہے تو نورِ الٰہی کا عکس اس پر پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔اصل میں دل ہی اللہ کا گھر ہے- یہ ہمارا دل--ہمارے بدن میں عرش عظیم کا مقام رکھتا ہے۔دنیا کے خیالات، دنیا کی مصروفیات اور خواہشات نے اس دل کو مشغول کر رکھا ہے۔جب ہر خیال دل سے نکل جاتا ہے تو پھر اللہ ہی رہتا ہے۔اور جس تن و من میں ہمارے رب کا ڈیرہ اور ہمارے اللہ کے حبیب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا بسیرا ہو وہ عرش عظیم کا مکین ہو جاتا ہے۔بے شک نہ کسی نے عرش کو دیکھا اور نہ حقیقت فرش کو۔۔۔بس دل کو دیکھا ہے۔دلوں کے علم دلوں ہی سے سیکھے جاتے ہیں۔یہ علم عطائی ہوتے ہیں کسبی نہیں ہوتے۔دلوں کے استاد بھی دل ہی ہوتے ہیں۔دل ہی دلوں کو پڑھایا کرتے ہیں۔سب سے پہلے تو نگاہ کو پاک کر لو کیونکہ انسانی خرد (عقل) قلب کے اور قلب نگاہ کے تابع ہے۔مشائخ کرامؒ دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔

صرف بیدار دل ہی۔۔۔غفلت کی نیند میں سوئے ہوئے دلوں کو بیدار کر سکتا ہے۔کوئی دوسرا نہیں، ہمارے نفس نے دلوں کو ایسے مناظر میں الجھایا ہوا ہے، اس پر ایسا جادو کیا ہوا ہے کہ کوئی تدبیر بھی ہمارے دلوں پر کارگر ہوتی نظر نہیں آتی۔یہ بیدار ہونے میں نہیں آتے۔ہمیں اپنے دلوں کی طرف توجہ دینی چاہیے۔یہ صرف اور صرف دل ہی تو ہے جو "کُن" کا رازدان اور ازل و ابد کی قدیم اور جدید داستان ہے۔یہ کبھی نہیں سوتا۔شب و روز اپنا کام جاری رکھتا ہے۔اگر یہ مٹی کا ہوتا، تو ایسی استقامت سے کیسے چلتا- ہمارا یہ دل گناہوں سے دھندلا اور پراگندا ہو جاتا ہے جبکہ اطاعت اور ذکرِ الٰہی سے منور ہو جاتا ہے۔

قیمت کے بازار میں سب سے زیادہ قیمتی مال دل کو آرام پہنچانا ہے۔اور دل کو ذکرِ الٰہی سے آرام ملتا ہے پھر یہ دل منور ہو جاتا ہے- دل بیماریوں کی وجہ سے پلید

ہوجاتا ہے۔ دل کی بیماریاں جلن، حسد، کینہ، بغض، ریا، تکبر، عجب، خود بینی اور منافقت وغیرہ ہیں۔ ذکر الہی سے یہ بیماریاں جلنا شروع ہوتیں ہیں اور مسلسل ذکر دوام سے یہ بیماریاں آہستہ آہستہ کر کے ختم ہو جاتیں ہیں۔ پھر دل میں جگہ پیدا ہوتی ہے اور جب دل ہر طرح کی بیماریوں اور پلیدگیوں سے پاک ہو جاتا ہے تو اس میں عاجزی، انکساری، تواضع، خوش خلقی، حلیمی، توکل، قناعت اور صبر وشکر کے پھول پھوٹنا شروع ہوجاتے ہیں۔ پھر یہ دل زندہ ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ جس تن اور من میں اللہ تعالی کی ذات کا ڈیرہ اور اللہ تعالی کے حبیب خاتم النبیین ﷺ کا بسیرا نہ ہو وہ ڈنگروں (جانوروں) کا باڑا ہوتا ہے۔

دل سے ایک بار اللہ کو پکارنا۔۔۔زبان کے سو بار پکارنے سے بہتر ہے۔　　دل کا اپنے جسے پتا نہ ملا
اس کو کعبہ میں بھی خدا نہ ملا

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارے دلوں پر اللہ تعالی اور اس کے حبیب خاتم النبیین ﷺ کا ڈیرا ہے؟ اگر ہے۔۔۔تو پھر ہمیں ہر وقت دنیا کا غم کیوں کھائے جاتا ہے؟

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے شروع ہی سے مقصدِ حیات کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ہم نے ایک سچے مومن ہونے کے لیے جن صفات کا ذکر ہماری کتاب قرآن پاک میں درج ہے اس کو ایک مرتبہ بھی پڑھنے کی تکلیف ہی نہیں کی۔ ہم نے قرآن پاک کا صرف ناظرہ پڑھنا کافی جانا اور اپنی پوری توجہ اور توانائی انگریزی پڑھنے، انگریزی سیکھنے اور انگریزی کو سمجھنے میں صرف کر دی۔ ہم شروع ہی سے انگریزوں کی تقلید اور اندھی تقلید میں انگریزی کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ ہمارے اندر اللہ تعالی نے ہر طرح کی صلاحیت رکھی ہے۔

اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اگر آج ہم اپنے بچوں کو دیکھتے ہیں تو چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی اپنے اپنے بڑوں کے ہاتھ میں لیے ہوئے موبائل فون اور اس کی کارکردگی کو غور سے دیکھتا رہتا ہے۔ پھر وہ ماں یا باپ کے ہاتھ سے موبائل لے کر کوشش کرتا ہے، انگلیاں پھیرتا ہے اور اسی کوشش میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے تمام چیزیں نکال کر دیکھنے لگتا ہے۔ یہ وہ صلاحیت ہے جو باری تعالی نے ہمارے اندر رکھی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے اپنے ہاتھوں میں موبائل بچوں نے دیکھے، غور سے دیکھے۔ پھر ہمیں اس پر کام کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر ہمیں اس سے بات کرتے اور enjoy کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ صرف اور صرف اس بچے نے مشاہدہ کیا۔۔۔اور دوسرے ہی لمحے اس نے ہمارے ہاتھ سے موبائل کو لے کر فوراً کوشش شروع کر دی اور اپنی اس کوشش میں وہ 100 فیصد کامیاب بھی ہوگیا۔
اگر یہی بچہ ہمارے ہاتھوں میں قرآن پاک کو دیکھتا۔ اس کی آیات خوشی پر ہمیں وہ خوش ہوتے اور آیات عذاب پر ہمیں روتا دیکھتا تو اس سے بھی متاثر ہوتا اور اس کے بارے میں ہم سے سوال کرتا۔ یہ ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں؟؟ اور ضرور پھر کچھ عرصے کے بعد وہ پھر قرآن کا وہی مطالعہ اسی انداز میں کرتا اور قرآن اس کے ہاتھوں میں آجاتا۔ ایسا ہی ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا لیکن رفتہ رفتہ شیطان، نفس اور اس دنیا نے ہمیں روزی کے چکر میں پھنسا دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ روزی انسانیت کی عمارت کی بنیاد ہے اور ہر عمارت بنیاد ہی پر کھڑی ہوتی ہے۔ لیکن آج کل ہماری روزی، ہمارا کھانا پینا مشکوک ہے۔ اس روزی کو کھا کر ہم کیوں کر کسی مقام پر پہنچ سکتے ہیں؟

انسان رزق اور عزت کے لیے مارا مارا پھرتا ہے نہ دن کا خیال، نہ رات کا دھیان۔۔۔روزی تو ہمارے رب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ تو رب تعالی کے پاس ہے۔ وہ رب جس کی رحمت ہماری عقل اور ہمت سے بالاتر ہے۔ روزی سے مراد صرف روٹی ہی نہیں ہے بلکہ ہر طرح کی خیر اس میں شامل ہے اور یہ روزی صرف اور صرف۔۔۔اکرم الاکرمین کے کرم پر موقوف ہے۔ دل حرام روزی سے ناپاک ہوجاتا ہے اور یہ ناپاکی اور پلیدی پانی سے صاف نہیں ہوتی۔ دل کی ناپاکی سوائے توبہ اور ندامت کے آنسوؤں کے علاوہ کسی چیز سے نہیں دُھل سکتی۔۔۔ہاں! دل جب پاک ہوجاتا ہے تو خیالات بھی پاک ہوجاتے ہیں۔۔۔خیالات جب پاک ہوجاتے ہیں تو متحد ہوجاتے ہیں۔۔۔جب متحد ہوجاتے ہیں تو مربوط ہوجاتے ہیں۔۔۔جب مربوط ہوجاتے ہیں تو بلند ہوجاتے ہیں اور خیالات کی بلندی انسانی معراج کا ابتدائی مقام ہے۔ یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خیالات کی بلندی انسانی معراج کا ابتدائی زینہ ہے۔ دل زندہ ہوتا ہے ذکر سے۔۔۔پھر ذکر کے بھی درجے ہیں:

1- زبان سے ذکر مگر دل غیر حاضر۔۔۔۔۔غافل

2- زبان سے بھی اور دل سے بھی ذکر۔۔۔۔۔طلب ثواب کا ذکر

3- دل سے مگر زبان خاموش۔۔۔۔۔اس کی قدر سوائے اللہ تعالی کے کوئی نہیں جانتا۔

دل کی آنکھ، وجدان کی آنکھ بلند سے بلند مقام کو اپنے مشاہدے میں لانے کے متحمل ہوتی ہے۔ تحت الثریٰ سے عرشِ اعظم تک۔۔۔۔

جس دل کی کھیتی تکبر کے کھولتے ہوئے پانی سے سینچی گئی ہو، اللہ کی نافرمانی اور اس کے حبیب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی بغاوت سے بنجر بنا دی گئی ہو

اس میں ہمیشہ گناہ اور بدکاری کے کانٹے اُگتے ہیں۔ویران اور شیطانی دل۔۔۔۔

انوارِ الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے مگر اس بارش سے ہر دل اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے۔قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ بعض دل پتھروں کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔۔۔بعض قلوب پر قفل چڑھے ہوتے ہیں۔۔۔بعض میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے۔۔۔بعض مردہ دل ہوتے ہیں۔۔۔بعض دل حیوانات سے بھی گئی گزرے ہوتے ہیں۔۔۔بعض ہر بات کا غلط مطلب لیتے ہیں،سیدھی بات سے الٹے معنی نکالتے ہیں۔۔۔بعض دلوں پر مہر لگی ہوئی ہوتی ہے اور ایسے دل اچھی بات قبول کرنے سے محروم ہوتے ہیں یعنی وہ اچھائی اور برائی میں تمیز ہی نہیں کر سکتے۔

قرآن پاک میں باوجود حیات طبعی رکھنے کے کفار کو مردہ کہا ہے۔اس لئے کہ حیات حقیقی کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے۔اگر دل زندہ ہے تو انسان زندہ ہے۔۔۔اگر دل مردہ تو انسان مردہ ہے۔اس بات کو اس طرح سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی کی ذات اس کائنات سے بھی بڑا پاور ہاؤس ہے۔ہر انسان کے قلب میں ایک بلب فِٹ ہے۔جس کا تعلق غیر محسوس اور ایک نامعلوم واسطہ سے اس کائنات کے پاور ہاؤس کے ساتھ ہے۔اس روشنی سے راہ راست دیکھتا اور پہچانتا ہے۔اب اگر کوئی اس پاور ہاؤس سے تعلق ہی نہ جوڑے تو روشنی اور توانائی کیوں کر حاصل کر سکتا ہے۔روشنی اور توانائی کے حصول کے لیے توجہ الی اللہ ضروری ہے۔اگر انوار الٰہی نہیں پہنچ رہے تو کہنا پڑے گا کہ کنیکشن درست نہیں ہے ممکن ہے کہ بلب ہی فیوز ہوگیا ہو۔قلب کی مثال ریڈیو یا ٹی وی سیٹ کی سی ہے بلکہ اس سے بھی حساس تر۔۔۔کائناتی پاور ہاؤس سے انوار کی لہریں ہر وقت براڈ کاسٹ ہوتی رہتی ہیں مگر مستفید صرف اور صرف وہی ہو سکتا ہے جو قلب سلیم رکھتا ہے۔قلب سلیم بیدار دل ہوتا ہے جس کی توجہ ہر وقت انوارِ الٰہی کی براڈ کاسٹ لہروں کی طرف متوجہ رہتی ہے۔

عشق کا مقام دل ہے۔اس کی تاثیر بڑی حیرت انگیز ہے۔عشق صدیقوں کا امام ہے۔اس عشق نے بڑی بڑی مشکلات میں عقل انسانی کی رہنمائی کی ہے۔لاعلاج بیماریوں کا کامیاب علاج کیا ہے۔اس کے کارنامے آب ذر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

اگرچہ عشق کا فیصلہ اکثر عقل سے متصادم ہوتا ہے مگر جب اس کا فیصلہ ایک بار نافذ ہو جائے تو ساری سازشیں خودبخود دم توڑ دیتی ہیں۔دشمنوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں،خاکی جسم باسبب عشق سدرۃ المنتہی سے بھی آگے نکل جاتا ہے،جہاں جبرائیل علیہ السلام بھی نہیں جاسکتے۔کعبہ دل جب ہر بت سے خالی ہو جاتا ہے۔۔۔تو اس کعبہ دل کا مقیم "یا حیی یا قیوم" ہوتا ہے۔

نشاط روح بن کر عشق کا پیغام آتا ہے
مگر دل جن کے زندہ ہیں،اُنہی کے نام آتا ہے

****

وہ اعمال جن سے رحمت خداوندی حاصل ہوتی ہے

1۔ کتاب اللہ کی پیروی اور تقوٰی رحمت خداوندی کا ذریعہ ہیں:۔ قرآن پاک سورہ انعام آیت نمبر 155 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:"اور یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم ہو"۔(یعنی رحمت خداوندی ہو)

2۔ سماعت قرآن پاک حصول رحمت کا ذریعہ ہے:۔ قرآن پاک سورہ الاعراف آیت نمبر 204 میں ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ:"اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو تاکہ تم پر رحم ہو "۔(تاکہ رحمت نازل کی جائے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک کی تلاوت کے وقت اس پر توجہ دینا واجب ہے۔قرآن کا سننا فرض ہے۔

3 قیام نماز، ادائیگی زکوٰۃ اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت رحمت کا وسیلہ ہے:۔ سورہ نور آیت نمبر 56 ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ:"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی پیروی کرو اس امید پر کہ تم پر رحمت نازل ہو"۔

یعنی نماز پڑھنے سے، زکوٰۃ ادا کرنے سے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے سے رحمت خداوندی حاصل ہوتی ہے۔

4۔ استغفار رحمت کا وسیلہ ہے:۔ سورۃ ھود آیت نمبر 61 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا:"اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اسی نے تمہیں زمین سے بنایا اور تمہیں اس میں آباد کیا پس اس سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو، بے شک میرا رب نزدیک اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے"۔ یہاں توبہ کرنے پر بخشش کی امید کرنے کی تلقین کی جاری ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگو اور بخشش کی امید رکھو۔اللہ تعالیٰ کرم فرمانے والا ہے۔یعنی خود کیوں عذاب مانگتے ہو توبہ سے پہلے۔وہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم پر عذاب آئے گا تو توبہ کرلیں گے۔

5۔ دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرنا رحمت کا وسیلہ ہے:۔ قرآن پاک سورہ یٰسین آیت نمبر 45 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ:"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس پر جو تمہارے سامنے ہے اور تمہارے پیچھے آنے والا ہے۔اس امید پر کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (رحمت نازل ہو)" یہاں پہلے عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہے اور پچھلے عذاب سے مراد آخرت یا آنے والے عذاب ہے۔یا پچھلی امتوں پر آنے والے عذاب مراد ہیں اور خود اُن پر آنے والے عذاب ہیں۔

6۔ دو بھائیوں میں صلح کروانا رحمت کا وسیلہ ہے:۔ قرآن پاک سورہ الحجرات آیت نمبر 10 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:"یہ کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کراؤ۔اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔تاکہ تم پر رحمت ہو"۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور پرہیزگاری اختیار کرنا مومنین کی باہمی محبت و مدد کا ذریعہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔

7۔ دعوت و تبلیغ رحمت کا وسیلہ ہے:۔ قرآن پاک سورہ توبہ آیت نمبر 71 میں ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ:"اور مومن مرد (آپس میں) اور مومن عورتیں (آپس میں) ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانیں یہ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے"۔

مومن مرد اور مومن عورتیں باہمی دینی محبت اور مواخات رکھتے ہیں۔اور دین و دنیا کے کاموں میں ایک دوسرے کے معین اور مددگار ہیں۔نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا حکم مانتے ہیں۔وہ اللہ جو غالب اور رحمت والا ہے ایسے ہی لوگوں پر رحمت نازل فرمائے گا۔

دعوت وتبلیغ رحمت کا بہت بڑا وسیلہ ہے:-

تبلیغ کیا ہے؟ تبلیغ کے لغوی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھیں اُس کی اچھائی اور خوبی کو، دوسرے لوگوں، دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔

تبلیغ کی اہمیت:- رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے دنیا کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا ہے۔ اِس لیئے اپنی تبلیغ کے لیئے حجاز و یمن، عرب وعجم، ہند و روم کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان اور ہر گوشہ میں صدائے الٰہی کا پہنچانا فرض قرار دیا۔ اسلام نے ہر ماننے والے پر خیر کی دعوت امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی باہم ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا ضروری قرار دیا اور مسلمانوں کے لیئے یہ لازم قرار دیا کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تاریکی سے نکالنے کی جدوجہد کریں۔

تالیف قلب:- دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں اسلام نے ایک اور طریقہ بھی پیش کیا ہے جس کو تالیف قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک سورہ توبہ آیت نمبر 60 میں ایک لفظ ہے۔ وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ اس کے لفظی معنی ہیں "دِلوں کو ملانا"۔ اور اس سے مقصود اس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف ومحبت، امداد و اعانت، غم خواری اور ہمدردی کرنا ہے۔ کیونکہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے اور ممنونیت ضد اور عناد کے خیالات کو دور کر کے قبول حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے بہت سے لوگوں کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیا تھا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے بعض رئیس اس جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے۔ اس دنیا میں ہر شخص مسافر ہے مگر بہترین مسافر ہونے کا شرف اسی انسان کو حاصل ہے جس کا سفر اللہ کی راہ کی طرف نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ دین کا درد اللہ والوں کے دل میں ہوتا ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ "ہر وہ کوشش جو کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیئے کی جائے جہاد ہے"۔ پھر اللہ والے یہ درد آگے منتقل کرتے ہیں ان کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اتباع کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ ہر وہ کام کرتے ہیں جن سے اسلام اور انسانیت دونوں کو فائدہ حاصل ہو۔

8- راضی بارضا:- شادی شدہ طلاق کے چکر میں اور غیر شادی شدہ شادی کی حسرت میں ہیں --- بچوں کو بڑا ہونے کی جلدی، بڑوں کو بچپن لوٹ آنے کی آرزو ہے --- ملازم نوکری کی سختیوں سے نالاں ہے اور بے روزگار نوکری کے لئے پریشان --- غریب چاہتا ہے امیر ہو جائے جبکہ امیر سکون کا طلب گار ہے --- عام آدمی شہرت کے لئے مرا جا رہا ہے اور مشہور آدمی لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے --- ہم سب ناخوش ہیں، جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ ہم اللہ کی رضا میں راضی نہیں ہیں- اللہ نے جس حالت میں ہمیں رکھا ہے اس سے مطمئن رہنا اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا جو اس نے ہمیں دے رکھی ہیں راضی بارضا رہنا ہے- راضی بارضا رہنے والے لوگوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے-

حضرت عمرو بن میمون اودیؒ سے روایت ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو:

1۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو　2۔ بیماری سے پہلے تندرستی کو　3۔ فقیری سے پہلے امیری کو

4۔ مشغولیت سے پہلے فرصت کو　5۔ موت سے پہلے زندگی کو"۔　(مشکوٰۃ صفحہ 441 حدیث نمبر 5174۔ حاکم جلد 4 صفحہ 302)

یعنی صحت، جوانی، مالداری، فراغت اور زندگی کو رائیگاں نہیں جانے دینا چاہیے۔ اس میں نیک اعمال کر لینے چاہیں یہ نعمتیں بار بار نہیں ملتیں۔ ایک مسلمان صحت اور تندرستی میں نماز تہجد ادا کرتا ہے۔ نوافل پڑھتا ہے۔ نماز باجماعت ادا کرتا ہے مگر بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ نماز تہجد یا نوافل ادا نہیں کر سکتا۔ تو اسے ان اعمال کا ثواب ملے گا بشرطیکہ تندرستی اور صحت میں وہ ان چیزوں کا پابند تھا۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جب بندہ عبادت کے اچھے راستے پر ہوتا ہے پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اس پر مقرر شدہ فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ اس کی تندرستی کے زمانے کے برابر اعمال لکھ یہاں تک کہ میں اسے شفا دے دوں یا اپنے پاس بلا لوں"۔ (مسند احمد جلد 2 صفحہ 203، بیہقی جلد 3 صفحہ 374، مشکوٰۃ ص 136 حدیث نمبر 1559)

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سوال کیا" یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا صدقہ کون سا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" یہ کہ تم اپنی تندرستی اور بخل کی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہیں فقیری کا ڈر اور امیری کی امید ہو۔ اس لیئے اتنی دیر نہ لگاؤ کہ جب جان گلے پر پہنچے تو کہو کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا حالانکہ اَب تو وہ فلاں اور فلاں کا ہو ہی چکا ہے"۔ (مشکوٰۃ صفحہ 164، مسند احمد جلد دوئم صفحہ 331۔ ابن ماجہ حدیث نمبر 2706)

حدیث: اس حوالے سے حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی حدیث شریف قابل توجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" کہ انسان کا اپنی زندگی میں ایک درہم خیرات کرنا مرتے وقت سو درہم خیرات کرنے سے بہتر ہے"۔ (مشکوٰۃ صفحہ 165، قرطبی جلد اجزا 2 ص 271)

یہاں زندگی سے مراد تندرستی کی زندگی اور موت کے وقت سے مراد مرض الموت ہے۔ یعنی تندرستی میں تھوڑا مال خیرات کرنا مرتے وقت بہت سا مال خیرات کرنے سے بہتر ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایک شخص کسی جنگل میں تھا اُس نے بادل میں سے آواز سنی (شاید یہ شخص اس زمانے کا ولی ہوگا جس نے فرشتے کی آواز سنی اور اسے سمجھ بھی لیا)" فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو" یہ بادل ایک طرف گیا اور پتھریلی زمین پر پانی برسایا۔ تو نالیوں میں سے ایک نالی میں یہ سارا پانی جمع ہو گیا اور بہنے لگا۔ تب یہ شخص اس پانی کے پیچھے چل دیا۔ دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہوا۔ بیلچے سے باغ میں پانی پھیر رہا ہے۔ اس شخص نے پوچھا" اے اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے"؟ بولا" فلاں یعنی وہی نام جو اس نے بادل میں سنا تھا"۔ اس شخص نے کہا" تو میرا نام کیوں پوچھ رہا ہے"؟ اس نے جواب دیا کہ" میں نے اس بادل میں سے جس کا یہ پانی ہے ایک آواز سنی تھی کہ تیرا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ" فلاں کے باغ کو سیراب کردو" اب تو بتا کہ تو یہاں پر کیا نیکی کرتا ہے"؟ اس نے کہا" جب تو پوچھتا ہے تو بتاتا ہوں کہ" میں اس باغ کی پیداوار سے ایک حصّہ خیرات کردیتا ہوں۔ ایک حصّہ میں سے میں اور میرے بچے کھاتے ہیں اور ایک حصّہ اس باغ میں دوبارہ خرچ کردیتا ہوں۔ میرے پاس تو کوئی نیکی اس کے علاوہ نہیں ہے۔ ہاں اس باغ کی پیداوار کو گناہ میں خرچ نہیں کرتا۔ اپنے بچوں سے روکتا نہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ کا حق کبھی بھولتا نہیں "۔ (مشکوٰۃ صفحہ 165 حدیث 1877، مرقاۃ جلد 4 صفحہ 329، مسند احمد جلد 2 صفحہ 296)

اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنا ہی سب سے بڑی نیکی ہے۔ دنیا کو دل میں نہ بساؤ۔ دل تو رحمٰن کی آماجگاہ ہے۔ دنیا کو بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھو۔ جسم کی آنکھ سے دنیا کو دیکھتے رہو اور دل کی آنکھ اللہ تعالیٰ پر لگی رہے بس یہی سب سے بڑا عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون۔ آیت نمبر 11-1 میں فرمایا:-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ ’’بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکتے ہیں اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو ان پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور وہ جو اپنی امانتوں سے اور اپنے عہد کی حفاظت کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائیں گے۔ باغ ٹھنڈی چھاؤں کے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے‘‘۔

من کی آلودگی

راہب: راہب وہ ہوتے ہیں جو دنیا سے قطع تعلق کر کے پہاڑوں کے غاروں میں، ریت کے ٹیلوں پر یا پھر جنگلوں میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔کسی سے میل جول نہیں رکھتے بس اللہ ہی سے لو لگائے رکھتے ہیں۔رہبانیت عیسائیوں نے اختیار کی، یہ لوگ کہتے ہیں پادری بنو۔دنیا سے ناطہ توڑو۔عورتوں سے کہتے ہیں نن بن جاؤ، شادی نہ کرو بس اچھے اچھے کام کرو اور اللہ کو راضی کرو۔ہندو بدھ مت اور چینی مذہب میں بھی آخیری عمر میں کسی نہ کسی طریقے سے رہبانیت اختیار کی جاتی ہے۔ان میں گو عملی طور پر انسان لوگوں سے قطع تعلق نہیں کرتے لیکن دلی طور پر تارک الدنیا ہو جاتے ہیں اور اس دنیا میں کسی قسم کا دخل نہیں دیتے ان مذاہب میں ترک دنیا کر کے زندگی بسر کرنے کو پسند کیا گیا اور اختیار کیا گیا----اسلام ان سے مختلف ہے ہمیں دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے دنیا کو دل میں نہیں بسانا بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھنا ہے۔دل میں بسانے کے لئے اللہ اور دنیا میں عمل کرنے کے لئے نبی خاتم النبیین ﷺ کی ذات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔خاصا مشکل کام ہے کہ دین کو پورا پورا سنبھالنا اور دنیا کو بھی سہارا دے کر ساتھ رکھنا۔اس صورت حال سے بھاگ کر گوشہ نشینی اختیار نہیں کرنی۔تارک الدنیا نہیں ہونا بس "دنیا میں رہ اور دنیا میں نہ رہ" والی بات رکھنی ہے۔یعنی من اپنے رب کی طرف اور تن دنیا کی طرف۔

ہمیں یہ حکم ہے کہ دنیا میں رہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ بھی مضبوط رکھیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے رشتہ کو مضبوط رکھنے کے لئے ہمیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔بس اپنی شاہ رگ تک پہنچنا ہے اللہ تو ہماری شاہ رگ سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے بلکہ وہ تو اقرب ہے اب دیکھئے ایک ہوتا ہے ''قرب'' اور ایک ہے ''اقرب''۔قرب کا مطلب قریب اور اقرب کا مطلب بہت قریب۔قرب اور اقرب کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔فرض کیجئے کہ ایک لفافہ ہے اس پر ہم نے ایک ٹکٹ لگائی تو ٹکٹ کو لفافے کا قرب حاصل ہو گیا لیکن اقرب کیا ہے؟ ٹکٹ اور لفافے کے درمیان ایک اور چیز ہے جس نے ٹکٹ کو لفافے پر جما دیا اور وہ ہے گوند تو گوند لفافے سے "اقرب" ہے۔تو اللہ تعالیٰ ہمارے قریب نہیں بلکہ "اقرب" ہے وہ ہماری شاہ رگ کے قریب نہیں بلکہ شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔تو ہمیں اس کو راضی کرنے کے لئے ادھر ادھر نہیں جانا بلکہ اس کو اپنے اندر ہی تلاش کرنا ہے اور دنیا کو بھی ساتھ رکھنا ہے۔دنیا کے تمام رشتوں کو پورا پورا نبھانا ہے۔گویا رہبانیت اسلام میں جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ہمارے سامنے، ہمارے آس پاس، ہماری زندگی میں تقریباً 50 فیصد لوگ تارک الدنیا ہو کر راہب بن گئے ہیں۔یہ بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں۔بڑے بڑے کاروبار کرتے ہیں، سیانے ہیں سمجھدار ہیں جبھی تو انہوں نے رہبانیت اختیار کی ہے۔زندگی ایسے گزار رہے ہیں کہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ لوگ راہب ہیں۔ہر محلے میں ہر بستی میں راہب موجود ہیں۔

باہر کے ملکوں کے جو لوگ ہمارے ملک میں تجارت یا کوئی کاروبار کرنا چاہتے ہیں انہیں ''ون ونڈو سسٹم'' کا یقین ہوتا ہے ''ون ونڈو سسٹم'' کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ایک ہی کھڑکی پر آئیں اپنا مقصد بیان کریں اپنی فزیبیلٹی رپورٹ (کہ آپ کیا چاہتے ہیں) وہاں پیش کریں تو ایک ہی ون ونڈو (کھڑکی) والا آدمی یا ڈپٹی سیکرٹری پوچھے گا کہ جی آپ بتائیں کہ آپ کس چیز کی فیکٹری لگانا چاہتے ہیں پھر یا تو اجازت مل جائے گی یا منع کر دیا جائے گا---لیکن ہمارے ہاں تو ون ونڈو کیا؟ سرے سے ونڈو (کھڑکی) ہی نہیں ہے۔لوگ تلاش کرتے ہیں کہ کس سے بات کریں؟ لیکن یہاں تو بات کرنے کے لئے بھی کوئی آدمی ہی نہیں ملتا۔یہاں تو رہبانیت ہے سارے راہب حضرات ہیں راہب تو کسی سے نہیں ملتے۔ان لوگوں سے ملنا بھی بہت مشکل ہے لیکن راہب اور ان لوگوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ راہب دنیا سے قطع تعلق مگر اللہ میں مگن ہوتا ہے اور یہ دنیاوی راہب اپنے آپ میں مگن ہوتے ہیں۔یہ لوگ بس اپنے ہی کاموں میں مگن رہتے ہیں کسی کے کام میں دخل نہیں دیتے۔کسی کے کاموں سے انہیں کوئی سروکار ہی نہیں۔

ہمارے ملک میں جتنے بھی بڑے لوگ ہیں۔چاہے وہ حکومتی اداروں سے وابستہ ہوں، تاجر ہوں یا کاروباری حضرات ہوں ان سب کو سوائے اپنی ذات اور اپنی زندگی کے اور کسی چیز سے کوئی تعلق کوئی سروکار نہیں ہوتا۔بس مزے سے اپنی چھوٹی سی زندگی میں گم۔باہر لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ان کو کیسے کتنی مشکلات ہیں۔اس بارے میں کچھ نہیں جانتے اور جاننا پسند بھی نہیں کرتے۔یہ سارے کے سارے اپنی اپنی غاروں میں اپنے من کے اندر ہی کھوئے ہوئے ہیں یہ اپنے اندر ہی مگن رہتے ہیں ان کا اپنی ہی ذات سے تعلق ہوتا ہے۔یہ امیر ترین لوگ ہمارے درمیان رہتے ہیں، گفتگو ہماری طرح کرتے ہیں، کھاتے پیتے بھی ہماری طرح ہیں۔شاید ہم بھی راہب

ہیں کس کو ہماری ضرورت ہے؟ ہم کسی کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں؟ ہمارے پڑوسی میں کس پڑوسی کو کیا تکلیف ہے؟ کون بیمار ہے؟ کس کے پاس دوائی کے پیسے نہیں ہیں؟ کون تنہائی کا مارااور لاچار ڈاکٹر کے پاس خود نہیں جاسکتا، کس کے پاس سردی میں کپڑے نہیں ہیں؟ کون گرمی میں تڑپ رہا ہے۔ یہ تمام باتیں شاید ہمارے سوچنے کی نہیں ہیں کیونکہ ہم تو راہب لوگ ہیں ہمیں اس دنیا سے کیا سروکار؟ غرض مندی اورصرف اپنی ذات اوراپنے خاندان کے بارے میں سوچنا ہماراوطیرہ ہوگیا ہے۔ہم مسلمان ہیں ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم اس ذاتی غرض مندی سے کیسے نکل سکتے ہیں؟ یادرکھیں علم جب تک عمل کی صورت اختیار نہ کرے بے کار ہے۔ہم کسی طرح ایسے ہوجائیں کہ ہمارا علم عمل کی صورت اختیار کرے اور ہم اس رہبانیت سے نکل آئیں؟ جس کی اسلام میں ممانعت ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ روحانی ادویات اس وقت بننا شروع ہوتی ہیں جب ہمارے اندر درد دل کا ایک ذرہ یا کوئی نکتہ موجود ہوتا ہے۔ہمیں سوچنا یہ ہے کہ ایک بھلا چنگا مسلمان جسے رب نے فطرت الٰہی پر معصوم پیدا کیا، رہبانیت میں کیسے چلا گیا(موجودہ رہبانیت میں)۔اگر ہم غور کریں باریک بینی سے غور تو اس کی وجوہات کے مجموعے کا نام ہے ''من کی آلودگی'' انسانی زندگی میں عجیب عجیب طرح کی کمزوریاں آتی ہیں۔اور انسان ان میں پھنستا چلا جاتا ہے اور جب کبھی وہ اپنی اندرونی طہارت چاہتا بھی ہے اور پاکیزگی کا آرزومند ہوتا بھی ہے تو اس سے کوئی نہ کوئی ایسی کوتاہی ضرور ہوجاتی ہے کہ وہ بجائے صفائی کے مزید زنگ آلود ہوجاتا ہے۔اس لئے جب تک انسان کے اندر کی آلودگی دور نہ ہوگی۔ باہر کی آلودگی سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے۔اس لئے اندر کی طرف من کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہماری بے شمار بیماریاں ہماری اندرونی آلودگی سے پیدا ہوتی ہیں۔جن میں تکبر، حسد اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی حرص سرفہرست ہے۔

دل کے اندر ایک بہت بڑا طاق ہے اس طاق کے اندر چراغ ہوتا ہے۔ چراغ کو روشن کرنے کے لئے نور کی ضرورت ہوتی ہے اور نور ذکر اللہ سے بنتا ہے۔ذکر کا مطلب یاد ہے(مالک کی یاد) اور یہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ یہ کیا ہے؟ یہ مالک کی یاد ہی تو ہے تو یہ نور ان چیزوں سے خود بخود بنتا رہتا ہے اور یہ چراغ جلتا رہتا ہے اور ایک مسلمان رب چاہی زندگی گزارتا رہتا ہے لیکن یہ تو کل کا مسلمان تھا۔آج کے مسلمان نے تو دل کے اس چراغ کو بجھا ہی دیا ہے۔ چراغ اس وجہ سے بجھ گیا ہے کہ ہم نے چراغ کو صاف ہی نہ کیا۔ ذکر ہی نہ کیا، اللہ کو یاد ہی نہ کیا۔تو دل کی تمام نالیاں بند ہوگئیں ان میں جالے لگ گئے۔ دل کی نالیاں بند ہوجانے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے اردگرد آلودگی جمع ہوچکی ہوتی ہے بعض اوقات یہ آلودگی خطرناک حد تک بڑھ جاتی ہے اور انسان کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔انسان خود کو بھلا چنگا اور ٹھیک ٹھاک خیال کرتا ہے لیکن وہ ٹھیک ٹھاک نہیں ہوتا۔ دل کی آلودگی کو دیکھنے کے لئے دل پر نگاہ ڈالنے کے لئے ایک خاص زاویے سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کو اپنے آپ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ نیک ہے یا بد۔ وہ چاہے جتنی بھی کوشش کرے اس پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں ہوتی۔اس لئے اپنے آپ کا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یا کوئی اچھا ساتھی جو غلطیاں بتائے لیکن آج کل تو سب دوست ہیں۔ برائیاں بتا کر دشمنی کون مول لے؟ بہرحال اپنا محاسبہ کر کے انسان خوبیاں اور خرابیاں معلوم کرسکتا ہے جب کسی کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے چہرے پر ایک پھنسی ہے تو وہ اس کا علاج کرتا ہے اور اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ دوائی کھاتا اور لگاتا ہے۔لیکن اگر من کے اندر، وجود کے اندر، روح کے اندر کوئی بیماری آتی ہے تو انسان چونکہ اس کو دیکھ نہیں سکتا۔اس لئے اس کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ فوراً ہی اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ روح کی بیماری بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ جب روح کی بیماری بڑھتی ہے تو چہرے پر بھی اس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

ایک بہت بڑے آرٹسٹ تھے۔ان سے ایک مرتبہ کسی جاگیردار نے اپنی تصویر بنانے کو کہا۔آرٹسٹ نے ان کی تصویر بنائی اور ان کے ایک ایک نقش کو واضع کیا۔چہرے پر نظر ڈال ڈال کر ہر زاویے سے دیکھا تصویر مکمل کر لی اور پھر یہ تصویر جاگیردار کو دکھائی تو اس نے کہا" یہ تصویر تو میری شکل سے ملتی ہی نہیں ہے یہ میری تصویر نہیں ہے"۔ جاگیردار کے ملازمین آ گئے انہوں نے بھی تصویر کو دیکھا تو کہا کہ سائیں یہ آپ کی تصویر نہیں ہے۔آرٹسٹ بیچارے نے تصویر اٹھائی اور گھر لوٹ آیا۔کچھ دنوں کے بعد آرٹسٹ کو اپنی تصاویر کی نمائش کرنے کا موقعہ ملا اس نے جاگیردار کی وہ تصویر بھی نمائش میں رکھ دی اور اس کے نیچے لکھا ''چور'' تصویر کے کنارے پر "چور" کے ساتھ ہی لکھا ہوا تھا قیمت 32 ہزار جاگیردار کو بھی یہ خبر پہنچی وہ غصہ میں بھرا ہوا آرٹ گیلری میں پہنچا تو جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔اب جاگیردار غصہ میں آپے سے باہر ہوگیا آرٹسٹ سے کہا" تیری یہ جرات کیسے ہوئی کہ تو نے میری تصویر کے نیچے چور لکھا"؟ آرٹسٹ نے کہا" حضور یہ آپ کی تصویر نہیں ہے"۔ یہ سن کر جاگیردار کو اور بھی غصہ آیا۔

آرٹسٹ نے کہا" حضور آپ نے بلکہ آپ کے تمام ملازمین نے یہ تصدیق کر دی ہے کہ یہ آپ کی تصویر نہیں ۔ یہ تو واقعی ایک چور کی تصویر ہے ۔ جب آپ کی تصویر ہی نہیں ہے تو یہ غصہ کیسا؟ آپ مجھ پر کوئی مقدمہ نہیں کر سکتے بلکہ آپ تو مجھ سے اس کا کلیم ہی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ تصویر تو آپ کی ہے ہی نہیں" جاگیردار نے کہا" اچھا یہ پکڑ پیسے اور یہ تصویر مجھے دے دے" ۔ یہ کہا بتیس ہزار روپے ادا کئے اور تصویر کو لپیٹ کر گھر لے گیا۔ تو بتیس ہزار روپے میں وہ تصویر بک گئی ۔ اللہ نے تو انسان کو فطرت پر پیدا کیا ہے (معصوم) لیکن یہ انسان اس کے من کی آلودگی اس کو ایسا بنا دیتی ہے کہ یہ خود کو بھی نہیں پہچان سکتا ۔ اپنے آپ کو شناخت نہیں کر پاتا ۔ اللہ تعالیٰ نے تو انسانی جسم و جان کو بہترین ساخت پر بنایا ہے من کی آلودگی کے ساتھ انسان نہادھو کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے ۔ خوشبو لگا کر مہکنے لگتا ہے لیکن اندر کی بدبو نہیں جاتی ۔ اب نافرمانوں کے من آلودہ ہو گئے ہیں اور من کی اس آلودگی کی وجہ (اللہ سے دوری ہے) یعنی دنیا کی محبت ہے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہنے فرمایا: ’’اپنے پیٹ بھوکے رکھو، حرص کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو، تمناؤں کو گھٹاؤ، جگر پیاسے رکھو، دنیا سے کنارہ کشی کرو (بظاہر یعنی دنیا کو بقدر ضرورت صرف ہاتھ میں رکھو) تا کہ تمہارے دل اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکیں (من کی آلودگی دور ہو گی تو مشاہدہ نصیب ہوگا)" ۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا" اللہ کے ساتھ رہنے سے بندے کا بندگان خدا کے ساتھ رہنا افضل ہے" (یعنی اللہ کو دل میں سمائے اور بندگان خدا کی ہر ممکن مدد کرے) ۔

انسانی جسم کی مثال بھی بالکل ایک مشین کی طرح ہے ایک گاڑی کی طرح ہم گاڑی کی مشینری میں پیٹرول ڈلواتے ہیں ۔ گاڑی چلتی رہتی ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد پیٹرول ڈالنے کے باوجود بھی گاڑی نہیں چلتی ۔ مکینک بتاتا ہے کہ اس کے انجن کا تیل بدلنا ہے ۔ یعنی گاڑی کے انجن میں تیل ڈالنا پڑتا ہے اور پھر کچھ عرصے کے بعد تیل کو بدلوانا پڑتا ہے ۔ ورنہ انجن کام کرنا چھوڑ دیتا ہے ۔ اس لئے تیل ڈالنے اور پھر چیک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ تیل خراب تو نہیں ہو گیا ہے؟ جس طرح انسان کا جسم خوراک کھانے سے چلتا رہتا ہے ۔ یعنی پٹرول ملتا رہتا ہے تو جسم کی مشینری چلتی رہتی ہے ۔ اعضاء کام کرتے رہتے ہیں لیکن انسان کے جسم میں دل کو زندہ رکھنے کے لئے بھی ایک خاص خوراک کی ضرورت ہوتی ہے (تیل ڈالنا پڑتا ہے) وہ خوراک اگر ملتی رہے تو ٹھیک ورنہ دل میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے ۔ دل کو زندہ رکھنے کے لئے جس آئل کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہے" ذکر اللہ " ۔ فرمان الٰہی ہے: ترجمہ: ’’خبر دار رہو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں‘‘ ۔ (سورہ رعد، آیت نمبر 28)

اگر حقیقت کی آنکھ کو کھول کر دیکھیں تو کسی نہ کسی طریقے سے ہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں ۔ ہم جتنا بھی ایک دوسرے سے بیگانہ رہیں ہمیں آخر کار تو بابا آدم تک جانا ہی ہے ۔ لیکن افسوس ہم تو اپنے ارد گرد والوں کو اپنے رشتہ داروں، اپنے پڑوسیوں کو جاننے اور پہچاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے ۔ یہ بات ہمیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف لے کر جا رہی ہے ۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے ۔ اشفاق احمد کو کون نہیں جانتا وہ لکھتے ہیں" میرے ایک ہم عمر بیمار تھے وہ میرے دوست بھی تھے وہ بیمار ہوئے ہم عیادت کے لئے ہسپتال گئے تو وہاں ان کے ایک اور دوست پھولوں کا گلدستہ لے کر آئے ہوئے تھے ۔ ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے ان سے اللہ حافظ کہا ہاتھ ملایا اور چلے گئے ۔ جب وہ چلے گئے تو ہمارے دوست نے مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد کہا" یار یہ پھول بہت اچھی چیز ہیں ۔ بہت ہی خوبصورت لگتے ہیں لیکن کیا ہی اچھا ہوتا وہ یہ پھول میرے پاس رکھنے کے بجائے کچھ دیر میرے پاس بیٹھ جاتے اور اپنے دونوں ہاتھوں میں میرا ہاتھ پکڑتے مجھے تسلی دیتے اور اپنی محبت کا اظہار کرتے ۔ مجھے تو یار اس بات کی بڑی آرزو اور بہت طلب ہے کہ میرے دوست خود میرے پاس آ کر مجھے وہ لمس عطا کریں جس کی مجھے ضرورت ہے یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے" ۔

بہر حال آج کل جو لوگ ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں اس کی وجہ من کی آلودگی ہے اور من کی اس آلودگی میں دوسروں کے عیوب پر نظر رکھنا اور اپنے آپ کو نہ دیکھنا سب سے بڑا قصور ہے ۔ ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ٹیڑھ ہماری آنکھوں میں بھی ہو سکتی ہے ۔ ہماری رہبانیت کا ایک واقعہ----

ہمارے ملک کے ایک بڑے شہر میں کچھ عرصہ قبل ایک خوبصورت، ماڈرن، نو عمر بیوہ کرائے پر آئیں- ان کے دو بچے تھے، علاقے کے لوگوں نے دیکھا کہ ایک عجیب وغریب کردار ہمارے درمیان آ کر آباد ہو گیا ہے ۔ ایک تو وہ خوبصوت، پھر خوبصورت باریک کپڑے پہننے والی، اس کے پاس سے گزرو تو خوشبو ۔ اس کے دو بچے تھے جو اکثر گھر سے باہر گلی میں ہی کھیلتے نظر آتے- اگر محلے میں کسی کے گھر چلے جاتے تو کوئی پوچھنے والا ان کو پوچھنے نہ آتا ۔ گھر کی گاڑی کا نمبر تو محلے والوں کو یاد ہو ہی جاتا ہے ۔ اس کے گھر میں مختلف نمبروں کی گاڑیاں آتی تھیں ۔ اور دوسرے تیسرے دن وہ کسی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلی جایا کرتی جبکہ اس کے بچے گھر کے باہر گلی ہی میں رہتے ۔ لوگ باہر ہی سے اس عورت کو دیکھتے ۔ اس کے ہاتھ میں اکثر کوئی جاسوسی ناول ہوتا ۔ جیسے اس کا کام صرف یہ ناول پڑھنا ہی ہے ۔ کچھ کھانا وغیرہ یا ناشتے کا سامان وہ باہر ہی سے لے کر آتی تھی ۔ اکثر اکیلے ہونے کے باوجود وہ بچوں کو زبردستی باہر نکال دیتی اور اندر سے دروازہ بند کر لیتی اور بچے کبھی چار کبھی پانچ گھنٹے باہر ہی کھیلتے رہتے ۔ اس صورت حال میں ہم جیسے لوگ اس کے لئے کیا کردار واضح کر سکتے ہیں؟ بہر حال ایک دن وہ ایک دکان پر گری اور بے ہوش ہو گئی ۔ لوگوں نے اس کے منہ پر پانی کے

چھینٹے مارے اسے ہوش آ گیا اور وہ گھر چلی گئی۔ تین دن کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی Death ہوگئی ہے۔ تب محلے والے اس کے گھر گئے- اس طرح جو باتیں لوگوں پر ظاہر ہوئیں وہ یہ تھیں وہ ایک بیوہ عورت تھی اور کینسر کی مریض تھی۔ اس کی سکن (Skin) میں کینسر تھا اور یہ کینسر اب آخری سٹیج پر پہنچ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے جسم میں سے بدبو آتی تھی یہ ان کے گھر آنے والے ایک آدمی نے جو کہ اس خاندان کا فیملی ڈاکٹر تھا بتایا کہ اس وجہ سے خاتون کو خوشبو کے لئے سپرے کرنا پڑتا تھا۔ تاکہ قریب والے کو کراہت نہ ہو اور دروازے کے باہر یہ بدبو نہ جائے۔ اس کا لباس سوتی اور ہلکا اس لئے ہوتا تھا کہ اس کے جسم کے زخموں کے ساتھ نہ چپک جائے۔ دوسرا آدمی اس کے گھر آنے جانے والا اس کا وکیل تھا جو اس کے حقوق کی نگہبانی کرتا تھا۔ تیسرا اس کے خاوند کا چھوٹا بھائی تھا۔ نہ اس کے ساس سسر تھے، نہ اسکی اپنی کوئی بہن یا نند تھی۔ نہ ہی اس کے ماں باپ تھے- خاوند کی وفات کے بعد اس نے اپنا ذاتی مکان بیچ دیا اور اس محلے میں کرائے کا مکان لے کر رہنے لگی۔ تاکہ ڈاکٹر، وکیل اور دوائیوں کے ساتھ بچوں کا خرچہ بھی چلایا جا سکے۔ اس نیک اور پاک دامن عورت کو جب تکلیف کا دورہ پڑتا اور جب تکلیف قابو سے باہر ہو جاتی تو وہ بچوں کو باہر نکال کر خود منہ میں کپڑا ٹھونس کر چیختی چلاتی تاکہ آواز باہر نہ جائے۔ یہ روداد اس کے دیور، وکیل اور ڈاکٹر کی زبانی معلوم ہوئیں۔ لیکن محلے والوں نے کبھی جا کر اس سے معلوم نہ کیا کہ اسے کیا کیا تکالیف ہیں؟ اس لئے کہ ہمیں تو بس لوگوں کے عیوب پر نظر کرنا آتا ہے- ہمیں کیا ضرورت تھی کہ ہماری کوئی ماں، بہن یا بیوی، پڑوس میں جا کر معلوم کرتی کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ ہم تو یہی دیکھتے رہ گئے کہ کتنی گاڑیاں آتیں ہیں؟ خوشبوئیں آتی ہیں۔ بچے باہر ہی رہتے ہیں؟ کیا اس کے لئے ہمیں اللہ کے ہاں جا کر جواب نہیں دینا ہوگا؟ کیا پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں ہمیں ہماری شریعت نے آگاہ نہیں کر دیا ہے؟

ہماری من کی آلودگی کا یہ حال ہے کہ ہمیں یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی ہمارے گھر آ نہ جائے۔ اگر کوئی آ ہی گیا تو بس زبانی جمع خرچ کے لئے یہ جملہ ہی کافی ہے کہ "بیٹھیں کھانا کھا کر جائیں"۔ حالانکہ کھانا کھلانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سراسر ریاکاری ہے اور منافقت ہے-

کہاں گئے وہ سچے اور مخلص مسلمان -- وہ سادہ اور بھولے مہمان نواز مسلمان -- وہ غریب پرور، خدا ترس، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کا خیال رکھنے والے مسلمان -- وہ نبی (خاتم النبیین ﷺ) کی سچی محبت اور اتباع کرنے والے مسلمان؟؟

تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے　　　　شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے، اپنا صِلا لے بھی گئے　　　　آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عُشّاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

ہم لوگ آج کل اتنے مصروف ہوگئے ہیں کہ ہمیں اپنے بزرگوں کے پاس تک بیٹھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ہمارے یہی بزرگ حضرات اپنے گھروں میں رہتے ہوئے سارا دن ہمارے منتظر رہتے ہیں۔ رات کو اس وقت تک اپنے بستروں پر نہیں جاتے جب تک انہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ گھر کا ہر فرد گھر میں آ گیا ہے۔ اتنی محبت اور اتنی شفقت والے افراد کے لئے ہمارے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ ان بزرگوں کو سلام کرنا، اور ان سے دعائیں لینا کیوں کہ بچپن ہی میں ہمیں بتایا جاتا ہے۔ اس لیے ہم زندگی بھر اسی طریقے کو اپنائے رہتے ہیں کہ ہم نے بزرگوں کو سلام کر کے ان سے دعائیں لینی ہیں۔ نہ ہمیں عملی طور پر یہ دکھایا گیا ہے کہ ہمیں ان کو ٹائم اور توجہ بھی دینی ہے اور نہ ہم نے کبھی یہ سوچا۔

ہم دنیا بھر کی تقریبات میں وقت صرف کرتے ہیں۔ ہم موبائل فون پر میسج (message) پڑھنے پر گھنٹوں لگا دیتے ہیں۔ ہم چینل بدل بدل کر تمام اینکرز کے تبصرے سن سکتے ہیں۔ ہم پوری پوری رات میچ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے پاس وقت نہیں ہے تو اپنے بوڑھے ماں باپ، دادا دادی، چچا چچی، خالہ خالو، پھوپھی پھوپھا، نانی نانا اور تایا تائی وغیرہ کے لئے نہیں ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ ہماری بات محض صرف روٹی کپڑا اور دوا دارو تک محدود رہتی ہے۔ یہ بات تو جوانی میں ذہن کے کسی گوشے میں ہوتی ہی نہیں کہ کبھی ہم پر بھی یہ وہ وقت آئے گا۔ کبھی ہم بھی اس تنہائی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ ہم اپنی مسلمانی پر فخر اور اپنے مذہب پر اتراتے ہوئے مغربی دنیا کے اولڈ ہاوس پر تبصرے کرتے ہیں اور ان بوڑھوں پر ترس کھاتے ہیں جو ان اولڈ ہاؤسز میں رہتے ہیں۔ جبکہ یقین جانئے ان اولڈ ہاؤسز میں رہنے والے یہ بوڑھے ہمارے ہاں کے بوڑھے بوڑھیوں سے ہزار گناہ اچھی زندگی گزارتے ہیں۔ اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں--- ان لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اپنا بڑھاپا کہاں گزارنا ہے۔ اس لیے یہ اپنی جوانی میں ہی کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے اپنے اس وقت کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں جوانی میں ماں باپ کو بڑا فخر

ہوتا ہے کہ یہ ہماری اولادیں ہیں۔ہم نے زندگی انہی کے پاس گزارنی ہے ایک بیوقوفی یہ بھی کرتے ہیں کہ اپنے لئے کچھ بھی جمع کرنے کے بجائے پوری زندگی کی جمع پونجی ایک گھر بنانے میں لگا دیتے ہیں۔ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمارے بچے یہاں مل کر رہیں گے۔جبکہ بعد میں یہ بچے یہاں رہنا تو دور کی بات ایک دوسرے کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔اور پھر یہ گھر یہ جائیدادیں لڑائی جھگڑوں کا سبب بن جاتی ہیں۔دس بچوں میں سے کوئی بچہ بھی کوئی ایک اولاد ماں باپ کو اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ جب کہ یہ وہ والدین ہوتے ہیں جنوں نے ان دس بچوں کو انتہائی محبت سے پالا پوسا اور تعلیم وتربیت کی ہوتی ہے۔بچوں میں سے کوئی فرمابردار اگر اپنی بیوی کے پاس جانے کے بجائے اپنے والدین کے پاس چلا جائے تو قیامت آجاتی ہے۔معلوم نہیں ایک عورت یہ کیوں نہیں سوچتی کہ اس پر بھی یہ وقت آئے گا۔ایک بات یہ آج کل لڑکیوں نے پکڑلی ہے کہ ساس سسر کی خدمت بیوی کے لئے ضروری نہیں ہے۔ بیوی ساس سسر کے لیےنہیں خاوند کے لیے آئی ہے۔یہ بات ٹھیک ہے لیکن ہم ان کو اپنے ماں باپ سمجھ کر زندگی کے کچھ عرصے میں ان کی خدمت کرلیں گے تو کیا اسکا اجر نہ پائیں گے؟ یاد رکھیں! ایک رشتہ انسانیت کا بھی ہوتا ہے۔

ہمارے بوڑھے لوگوں کی نسبت ان اولڈ ہاؤسز کے لوگ زیادہ خوش رہتے ہیں۔یہ اکٹھے رہتے ہیں خوش گپیاں کرتے ہیں۔کھانا پینا ساتھ،گھومنا اور تفریح کرنا ساتھ۔ انہیں اکیلے پن کا احساس کیسے ہوسکتا ہے؟ سب سے بڑی بات پیسہ ان کے پاس ہوتا ہے جس کو وہ پس انداز کرتے ہیں۔جبکہ ہمارے ہاں تو تمام تر کمائی گھروں اور بچوں کی شادیوں میں لگانے کے بعد بوڑھے بے کار اور تہی دست ہو کر اولاد کا منہ دیکھنے لگتے ہیں۔اکیلے کمروں میں رہتے ہیں۔کھانا ان کے کمروں میں ہی بھیج دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ تو دوا غیرہ کے لیے ملازم بھی رکھ دیتے ہیں۔بچے اور خود صبح شام سلام کرنے اور خیریت معلوم کرنے کے لیے حاضری دے دیتے ہیں۔اور بس کیا یہ کافی ہے ماں باپ کی پرورش کے صلے میں؟؟؟؟ وقت ہی کہاں ہے ہمارے پاس؟ وقت جب نکلے جب محبت ہو اور ہم ان بوڑھوں کو توجہ دینے کی ضرورت کو محسوس کریں۔ہم نہ جانے کس مذہب کی پیروی پر فخر محسوس کرتے ہیں ہم نہ جانے کیوں یہ محسوس نہیں کرتے کہ ان بزرگوں نے زندگی بھر محنت کر کے ہمیں اس مرتبہ پر اس عہدے پر پہنچایا۔یہ آشیانہ دیا جس میں ہم بڑے آرام سے رہ رہے ہیں۔جبکہ کچھ اولاد تو یہ کہہ کر ماں باپ کی اس خدمت کو دفن کر دیتی ہیں کہ " کون سا احسان کیا ہے؟ ہم بھی اپنے بچوں کو پال پوس رہے ہیں"۔اولڈ ہاؤسز میں اُن کے معاشرے کے کچھ لوگ اپنا وقت نکال کر باقاعدگی کے ساتھ جاتے ہیں۔اُن کی تنہائی کو دور کر کے اُن لوگوں کو وقت دیتے ہیں۔یہ افراد باقاعدہ اپنے روزمرہ کے معاملات کے علاوہ کوئی ہفتے میں دو دن،کوئی ہفتے میں ایک دن ان لوگوں کے پاس جا کر وقت گزارتے ہیں۔انھیں توجہ اور محبت دیتے ہیں۔خوش گپیاں کرتے چائے پیتے ہیں۔ یہ وقت ان لوگوں نے اولڈ ہاؤسز میں گزارنے کے لیے وقف کیا ہوتا ہے۔اُنہیں اس چیز کا احساس ہوتا ہے کہ یہ لوگ توجہ،محبت اور ٹائم چاہتے ہیں۔یہ لوگ اولڈ ہاؤسز کے ساتھ یہ ٹائم گزارنے کو چیریٹی کہتے ہیں۔جبکہ ہمارے ہاں چیریٹی صرف صدقہ،خیرات اور زکوٰۃ کو کہتے ہیں۔اور کبھی ہم نے یہ محسوس کرنے اور جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ جو لوگ یہ خیرات زکوۃ وصول کررہے ہیں وہ اپنی زندگی میں کیسے رہ رہے ہیں؟ کیا اُن کے پاس گرمی سردی کی ضروریات کی چیزیں ہیں؟ کیا وہ بیماری کے لئے خود اپنے آپ کہیں جاسکتے ہیں؟ اُن کو ہماری مدد کی ضرورت تو نہیں؟ ہم یہ سب کچھ کیسے محسوس کریں؟ ہمارے پاس تو اپنے بوڑھوں کے لئے ٹائم نہیں۔ہم بوڑھوں کے لئے ٹائم کہاں سے نکالیں؟ ہم تو اپنی دنیا میں مگن راہب ہوگئے ہیں۔

ایک آدمی نے ایک بزرگ سے سوال کیا" بابا جی یہ غریب لوگ اتنے لاچار کیوں ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کو امتحان میں کیوں ڈالتا ہے"؟ بزرگ نے جواب دیا ''برخودار یہ ان غریب لوگوں کا امتحان نہیں ہوتا بلکہ ان غریب لوگوں کے ذریعہ اللہ تعالی ان صاحب ثروت اور امیر لوگوں کا امتحان لیتا ہے جو ان کے اردگرد رہتے ہیں، جو ان کو دیکھتے،ان کو جانتے اور پھر نظرانداز کرتے ہیں''۔

ایک اور بدترین نظارہ ہمارے ہاں نشہ کرنے والوں کا ہے۔یہ نشہ کرنے والے ہمارے ملک میں ہمیں مختلف جگہوں پر کسی کونے کسی گندے نالے کے قریب کسی گندی گلی یا کسی سڑک کے فٹ پاتھ پر سر جوڑے مدہوش نشے میں دھت نظر آتے ہیں۔ہم میں سے ہر ایک انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور گزر جاتا ہے۔یہ لوگ اکثر چوک چوراہوں پر ہمیں بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ہم انہیں بھیک دینا گوارا نہیں کرتے۔ بلکہ جو دیتا ہے اسے بھی یہ کہہ کر منع کرتے ہیں کہ "یہ نشئی ہے"۔گویا نشئی ہونا اس کا ایسا جرم ہے جو کہ قابل معافی نہیں۔ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ نشہ کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے لیکن یہ ایک ایسی بری عادت ہے کہ اگر کوئی اس میں گرفتار ہو جائے تو مشکل ہی سے اس سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔نشہ اسلام میں گناہ ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ کوئی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اسے اس گناہ سے بچانا ہی نہیں ہے۔یاد رکھیں! ہر گناہ اور بری بات سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور بری باتوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنے اور کروانے کا بھی حکم ہے۔

مغربی دنیا میں لوگ نشے کو ایک بیماری کہتے ہیں۔ایسے لوگوں کے لیے پیرس میں دریاؤں کے کنارے دور دور تک خوبصورت خیمے لگائے ہوئے ہیں۔حکومت ان کو کھانے

پینے کی اشیاء مہیا کرتی ہے اور وہاں مختلف عمر کے سینکڑوں لوگ ان خیموں کے باہر بیٹھ کر دھوپ سینکتے رہتے ہیں۔ یہ خیمے وہاں پر نشہ کرنے والوں کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ وہاں پر رہنے والے تمام لوگ شرابی اور نشئی ہوتے ہیں۔ یہ دن رات نشہ میں دھت رہتے ہیں۔ جب ان کے پاس شراب ختم ہو جاتی ہے تو یہ لوگ ایک دوسرے کے پاس شراب کی بوتل لے کر جاتے ہیں۔ اور جب کسی کے پاس بھی نہیں ملتی تو ان میں سے کچھ لوگ شراب کی بوتلیں لے کر شہر جاتے ہیں اور پھر مختلف ریستوران، بازاروں اور دکانوں میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں پر زیادہ تر دوکاندار ان آنے والے شرابیوں کو مفت شراب دے دیتے ہیں۔ پھر یہ لوگ بوتلیں لے کر واپس آتے ہیں۔ پھر واپس آ کر جو لوگ یہاں پر ہوتے ہیں ان کو تھوڑی تھوڑی شراب تقسیم کرتے ہیں۔ اور مل بانٹ کر شراب پیتے ہیں۔ یہ لوگ بیکار ہوتے ہیں ان کی زندگی کا مقصد شراب اور بس شراب ہوتا ہے۔ **لیکن یاد رہے کہ شراب نوشی انسان سے اس کے انسان ہونے کا حق نہیں چھین لیتی۔** یہ لوگ گرمیوں میں اپنا وقت دور دراز کے فٹ پاتھوں، میٹرو سٹیشنوں پر، اور پارکوں میں گزار دیتے ہیں۔ گرمیوں میں خوب مزے میں رہتے ہیں۔ ہاں سردیاں ان کے لیے مشکل وقت ہے۔ سردیوں میں ان خیموں میں گدے بچھا دیے جاتے ہیں اور کمبل بھی رکھ دیے جاتے ہیں۔ یہ لوگ سارا دن سڑکوں پر پھرتے ہیں اور رات کو ان خیموں میں آ جاتے ہیں۔ حکومت نے ہر آٹھ دس خیموں کے بعد ایک ڈائننگ ٹینٹ لگا دیا ہے۔ اس ٹنٹ میں کھانے پینے کا سامان پڑا رہتا ہے۔ ان لوگوں میں سے جب بھی کسی کو بھوک لگتی ہے تو وہ ڈائننگ ٹینٹ کا رخ کرتا ہے اور پھر اپنی مرضی کی چیزیں اٹھا کر کھا لیتا ہے۔ بہت سی **"این جی اوز (NGOs)"** انہیں کمبل، گدے اور سلیپنگ بیگز فراہم کرتی ہیں۔

میونسپل کارپوریشن کی گاڑیاں دن میں چار بار ان خیموں کے چکر لگاتی ہیں۔ پھر ان کے کھانے پینے کا سامان یہاں چھوڑ کر جاتی اور صفائی کا خیال رکھتی ہیں۔ یورپ کینیڈا وغیرہ میں سردیوں کی راتوں میں کارپوریشن اور پولیس کے ساتھ ساتھ عام لوگ بھی ان کی دیکھ بھال کے لیے آتے ہیں کہ ان میں سے کوئی باہر سردی میں تو نہیں ہے۔ یہ انہیں اٹھا کر بستروں پر لٹاتے ہیں اور کمبل وغیرہ اڑھاتے ہیں۔ اور پوری تسلی کے بعد گھروں کو جاتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ یہاں آ کر ان کی پوری نگرانی کرتے ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔ کہ ان لوگوں کو کسی قسم کی ضرورت تو نہیں ہے۔ **دراصل یہ لوگ ان نشہ کرنے والے لوگوں کو جانور نہیں جاندار سمجھتے ہیں۔ ایسے جاندار جو صرف جان رکھتے ہیں اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے خود کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں کے نزدیک نشہ ایک بیماری ہے ایسی بیماری جو لا علاج ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ جانور تو فطری طور پر اپنے کھانے پینے اور اپنی حفاظت کی تدابیر کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی بیماری ان لوگوں کو ان تدابیر سے بے بہرہ کر دیتی ہے۔ اور بیمار کو نگہداشت حفاظت اور نرسنگ کی ضرورت ہوتی ہے۔**

جبکہ ہم نے تو نشہ پینے والوں کو ہمیشہ نفرت سے ہی دیکھا ہے۔ ہمارے ہر شہر اور ہر گاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ یہ لوگ گرمی ہو یا سردی کھلے آسمانوں تلے پڑے ہوتے ہیں۔ ان کے کپڑوں سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہوتے ہیں۔ اور انھیں دو دو دن تک روٹی نصیب نہیں ہوتی۔ جب تک ان میں نشہ کر کے گھر جانے کی طاقت ہوتی ہے یہ گھر جاتے ہیں۔ اور گھر والے انہیں کھانا دے دیتے ہیں اور جب نشہ کر کے یہ اتنے کمزور ہو جاتے ہیں کہ گھر جانے کے قابل نہیں رہتے تو پھر سڑک پر، گلی میں یا کچھ لوگ گھر پہنچ کر دم توڑ دیتے ہیں۔ ہم نے آج تک ان لوگوں کے قریب جا کر ان کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دی۔ ہماری نظر میں شاید یہ انسان ہی نہیں ہوتے۔ پھر ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور اپنے اس مسلمان ہونے پر فخر بھی کرتے ہیں۔ شاید ہماری یہی بے حسی ہمیں اندرونی طور پر کمزور کر رہی ہے۔ اور ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی آہستہ آہستہ وہ مسلمان نہیں رہے جیسے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور کے مسلمان ہوا کرتے تھے۔

یاد رکھیئے اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر کرم کرتا ہے جو اس کے بندوں پر مہربانی کرتے ہیں۔ جو بوڑھوں کو ٹائم اور محبت اور توجہ دیتے ہیں۔ جو نشہ کرنے والوں کو بھی انسان سمجھتے ہیں۔ کیا واقعی ہم مسلمان ہیں؟ کہاں گئے وہ مسلمان؟ کہاں گیا وہ خون جو ان مسلمانوں کی رگوں میں گردش کیا کرتا تھا؟

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہمارے خیال میں فاتحہ انسان کے مرنے کے بعد نہیں بلکہ احساس کے مرنے کے بعد پڑھنی چاہیے۔ کیوں کہ انسان مر جائیں تو چند لوگ مرتے ہیں مگر احساس مر جائے تو معاشرہ مر جاتا ہے۔ کیا ہم زندہ معاشرے کے لوگ کہلانے کے مستحق ہیں؟؟؟؟؟

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

****

تذکر،تفکراورتدبر

ایک مسلمان کوتفکراورتدبر کے لیے کہا گیاہےاور دو گھڑی کی سوچ کو پوری رات کی عبادت سے افضل کہا گیا ہے۔تفکر کا معاملہ بڑا ہی عجیب وغریب ہے۔انسان نہ سوچے توپوری زندگی گزاردےاور جب غور وفکر کرنے لگےتو جتنا غور وفکر کرتا ہےاس حساب سے دماغ کے اندر کے خلیےکھل جاتے ہیں اوران خلیوں کے کھلنے کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

قرآن پاک سورہ بقرہ،آیت نمبر 22 میں اللہ تعالیٰ کاارشادگرامی ہے:

ترجمہ:’’وہی توہےجس نےتمہارے لیے زمین کوفرش بنایااورآسمان کوچھت بنایااوراوپر سے پانی برسایااوراس کے ذریعےتمہیں رزق باہم پہنچایا‘‘۔

سورہ انعام،آیت نمبر 99 میں ارشاد الٰہی ہے:ترجمہ:’’وہی توہےجس نے آسمان سے پانی برسایا،پھراسکے ذریعے ہرقسم کی نباتات اگائیں اورپھراس کے ذریعے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کئے،پھران پرتہہ درتہہ جڑے ہوئے دانے نکالے اور کھجوروں کےشگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ سے جھکے ہوئے ہیں اورانگور اورزیتون اورانار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن ہرایک کی خاصیت الگ الگ ہے۔یہ درخت جب پھلتے ہیں توان میں پھل آتے ہیں اور پھران کے پکنے کی کیفیت۔ان چیزوں میں نشانیاں ہیں۔ان لوگوں کے لیے جویقین رکھتے ہیں۔یعنی مشاہداتی نظرکواستعمال کرتے ہیں‘‘۔

مندرجہ بالاآیت پراگرغور کریں،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان میں نشانیاں ہیں لیکن کن کے لیے جویقین رکھتے ہیں۔دل کے یقین سے مراد ایمان بھی ہے اور معرفت بھی۔یہی معرفت مشاہداتی نظر ہے، اگر ہم غور کریں کہ سمندر کا پانی میٹھا ہوتا تو کیا سارا سمندر سڑ نہ جاتا؟اگرسمندر کی سطح پر جما ہوا برف اپنے وزن کے اعتبار سے پانی کی تہہ میں چلا جاتا توسمندر میں اٹھنے والی لہریں ختم ہوجاتیں اور جب سمندر سے اٹھنے والی لہریں ختم ہوجاتیں تو پانی کے آبی بخارات نہ بنتے اور جب آبی بخارات نہ بنتے تو ہوائیں انہیں اٹھا کرفضا میں نہ لے کرجاتیں اور جب ہوا کے ذریعے(آبی بخارات)فضا میں نہ پہنچتے تو بادل نہ بنتے اور جب بادل نہ بنتے تواونچے اونچے پہاڑوں پر بارش نہ ہوتی اور جب بارش نہ برستی تو آبشاروں کا نظام ختم ہوجاتا اور جب آبشاروں کا نظام ہی ختم ہوجاتا تو دریا سوکھ جاتے اور جب دریا اورندی نالے ویران ہوجاتے تو زمین کی کوکھ اُجڑ جاتی۔

سبحان اللہ!کیاغور وفکر ہوا ہے-اللہ جزائے خیر دے کہ جن کے غوروفکر سے ہم جیسوں کوغوروفکر کی راہ سجھائی دی۔ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ترقی کا دارومدار بھی اسی بات پر ہے کہ انسانی دماغ کے خلیے کھلے ہوئے ہوں۔دماغ کے کھربوں خلیوں کے بارے میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ خلیے کسی انسان کی ایجاد ہیں۔ایجادات کا سہرا تو انسان بڑے فخر کے ساتھ،غروروتمکنت کے ساتھ اپنے ماتھے پرسجالیتا ہے۔لیکن وہ یہ بھول ہی جاتا ہے۔وہ یہ نہیں سوچتا کہ دماغ کے کھربوں خلیوں میں سے صرف 5 فیصد خلیے اگر کھلے ہوئے نہ ہوں تو دنیا میں کوئی ترقی نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ سورہ النحل۔آیت نمبر 66 میں فرماتا ہے:ترجمہ:’’اس میں لوگوں کے لیےنشانیاں ہیں کہ تمہارے چوپایوں کے پیٹوں میں جو گوبر اور جوخون ہے اس کے بیچ میں سے نکال کر اللہ تمہیں دودھ پلاتا ہے۔جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہوتا ہے‘‘۔

جولوگ غور وفکر سے کام لیتے ہیں سوچ بچار کرتے ہیں ان کے لیےان چیزوں میں نشانیاں ہیں۔یہ بھی عجیب بات ہے کہ نوع انسانی کی ترقی میں نوع انسانی کوسکون کم ملا ہے اور پریشانیاں،نئی نئی بیماریاں،نئی نئی الجھنوں اور دماغی انتشار سے انسان کا مقدر تاریک ہوگیا ہے۔آج کے دور میں جتنی آسائش وآرام کا سامان زیادہ ہے۔اتنا ہی انسان پریشان حال اور برباد ہے اوراس بربادی نے عقل وشعور پر پہرے بٹھا دیئے ہیں۔ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ترقی کا دارومدار بھی اس بات پر ہے کہ دماغ کے تمام خلیے کھلے ہوئے ہیں۔نوع انسانی کواس وقت تک سکون میسرنہیں آسکتا جب تک اس کی سوچ یہ نہیں ہوتی کہ ایجادات کے پس پردہ جو دماغ کام کررہے ہیں۔وہ کس نے بنائے ہیں؟اور جو دماغ کام نہیں کرتے ان سے کوئی ایجاد واقع کیوں نہیں ہوتی؟

جب ہم کسی بھی علم کی تہہ میں پہنچنا چاہتے ہیں تواس کے لیےہمیں ایسی سوچ اورفکر کی ضرورت ہوتی ہے جو گہرائی میں سفر کرے۔سطحی سوچ سے کسی علم کی تہہ تک پہنچناممکن نہیں ہوتا۔دنیا کا کوئی بھی علم ایسا نہیں ہے جس کی بنیاد میں تحقیق،تجسس،تلاش اور گہرائی موجود نہ ہو۔جیسے جیسے ہم کسی علم کے اندر تفکر کرتے ہیں۔اسی مناسبت سے ہمیں اس علم میں نئے نئے پہلو نظر آتے ہیں اور جب ان پہلوؤں پراورزیادہ گہری نظر سے تفکر ہوتا ہےتوعلم کی بہت سی شاخیں بن جاتی ہیں۔علم کوئی بھی ہو،فلسفہ ہو،منطق ہو یاعلم الکلام ہو۔سب ہی کی طرز یں مشترک ہیں۔یعنی جس علم کے بارے میں جتنے زیادہ لوگ تفکر کرنے والے ہوں گے یا یوں کہہ لیجئے کہ کسی ایک علم کی ریسرچ میں جتنے زیادہ’’باہوش‘‘دماغ شامل ہوں گے وہ علم اسی مناسبت سے ترقی کرتا رہتا ہے اورنتیجہ میں وہ ایک مستحکم اورمبسوط علم بن جاتا ہے۔یعنی ایک ایسا علم جس کا اپنا ایک

نظریہ، ایک فلسفہ، ایک طرز عمل اور ایک طرز استدلال ہوتا ہے۔

موجودہ، دور کے سائنسی علوم میں بھی یہی طریقہ کار موجود ہے۔ ایک سائنس دان نے علم کے کسی شعبے پر تفکر کیا۔ تفکر کرتے کرتے وہ کسی مثبت نتیجے پر پہنچ گیا اور پھر وہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس سائنس دان کو حاصل ہونے والا نتیجہ راہ نمائی تو کرتا تھا لیکن ابھی اس کی علمی حیثیت قائم نہیں ہوئی تھی۔ دوسرے دانش مند نے اس علم کو آگے بڑھایا اور کچھ روشن پہلو مزید نمایاں ہو گئے۔ رفتہ رفتہ سینکڑوں اعلیٰ دماغ اس ریسرچ میں شریک ہوتے رہے اور علم کی ایک حیثیت قائم ہوگئی۔ اس کی ایک تھیوری بن گئی پھر یہ علم اور آگے بڑھا۔ اس میں مزید باہمت اور باذوق دماغ شریک ہوئے اور اس تھیوری کو پریکٹیکل کی شکل دے دی گئی۔ نتیجہ میں ایک ایسا علم تشکیل دیا گیا جس سے کوئی عقل کا اندھا بھی انکار نہیں کرسکتا۔ جیسے جیسے یہ تشریحات دماغ کے اوپر وارد ہوتی ہیں ---علم کو عوام الناس میں متعارف کروانے کے لیے اس علم کی مختلف طرزوں میں مختلف پیرایوں میں مختلف مثالوں سے نئی نئی ترغیبات اور تشبیہات کے ذریعے تشریح کی جاتی ہے۔

پھر جس طریقے سے یہ تشریحات دماغ کے اوپر وارد ہوتی ہیں یا ان تمثیلات، ترغیبات اور تشبیہات سے شعور آشنا ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے شعور کے اندر سکت پیدا ہوتی ہے اور اس سکت کے نتیجے میں شعور گہرائی میں سفر کرنے لگتا ہے۔ ''شعور کی گہرائی کا دوسرا نام لاشعور ہے'' اسی طرح ایک طالب علم جب شعور کی گہرائی میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کے سامنے لاشعور کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسی طرح جب روحانی علوم کا کوئی طالب علم شعور کی گہرائی سے گزر کر لاشعور کی گہرائی میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ ''ورائے لاشعور'' میں داخل ہوجاتا ہے۔ ورائے لاشعور ہی ایسا علم ہے جہاں انسان جان لیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق کون ہے؟ تخلیق کائنات میں اس کی کون کون سی مصلحتیں اور کون کون سے رموز پوشیدہ ہیں۔ اس کی سوچ کا نکتہ ایک خاص ذات پر مرکوز ہوجاتا ہے۔ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے زمین بچھادی اور زمین کو اتنا نرم بنادیا کہ مخلوق اس پر آسانی سے چل پھر سکے، پھر طویل، لمبے اور چھتری کی طرح کے درخت اُگا دیئے۔ درخت کی شاخوں پر پھل لٹکا دیئے اور حسین و جمیل رنگ رنگ کے پھول لگائے اور زمین پر سبز رنگ کا مخملی قالین بچھا دیا۔ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کی شریانوں میں پانی دوڑایا۔ ایک پانی نے اربوں کھربوں چیزوں کو وجود بخش دیا۔ پانی کو یہ صلاحیت عطا کردی کہ جہاں بھی جائے اپنا مظاہرہ اس شے کے روپ میں کردے۔ کیلے کے درخت میں قیام کرے تو نرم قلفی بن جائے۔ انار کا میزبان بنے تو ہزاروں دانوں میں نہ صرف خود کی نفی کردے بلکہ انار کا رنگ بھی اپنالے۔ کھجور کو اپنا مسکن بنائے تو میٹھا ہوجائے۔ املی کو اپنا مسکن بنائے تو کھٹا ہوجائے۔ کڑواہٹ کی ڈائی میں کڑوا بن جائے۔ زقوم میں ٹھہر جائے تو زہر بن جائے۔ وہ اللہ ہی تو ہے کہ جس نے گنتی سے زیادہ Dies بنادیں۔ ہر ڈائی اپنا وجود مقرر مقداروں کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہے۔ گندم کی ڈائی گندم ہی نکالتی ہے۔ تربوز کی ڈائی سے تربوز نمودار ہوتا ہے۔ آدمی کی ڈائی میں سے آدمی ہی برآمد ہوتا ہے۔ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے انسان کو، حیوان کو، حشرات الارض کو دیکھنے کے لیے آنکھ عطا فرمائی۔ آنکھ نہ ہوتی تو ساری دنیا اندھیر ہوتی۔ آنکھ ہر جسم کی دوربین ہے جو باہر کے عکس کو دماغ میں منتقل کرتی ہے۔ آنکھ آنسوؤں سے تر رہتی ہے اگر گرد وغبار کا کوئی ذرہ آنکھ میں پہنچ جائے تو آنسوؤں سے ڈھل کر باہر نکل جاتا ہے۔ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے آنکھ کو جسم کے لیے ایک کیمرہ بنادیا۔ سامنے ایک لینز (Lens) لگادیا۔ پیچھے ایک سکرین بنادی جس پر روشنی کا عکس پڑنے سے تصویر بن جاتی ہے۔

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اسے زندگی دی ہے ایک ایسا جسم دیا جس کے تمام حصے باقاعدگی کے ساتھ کام کرتے رہتے ہیں۔ کوئی عضو، دوسرے عضو کے کام میں خلل نہیں ڈالتا۔ ہر عضو دوسرے کی مدد کرتا ہے۔ جسم کی مشین ترتیب، توازن اور معین حرکت کے ساتھ چلتی رہتی ہے۔ نیند میں بھی بدن کے ضروری کام جاری رہتے ہیں۔ بے ہوشی میں بھی زندگی جسم میں دوڑتی رہتی ہے۔ وہ اللہ ہی تو ہے کہ بھوک ہمیں اس وقت لگتی ہے جب غذا کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے۔ پیاس اس وقت لگتی ہے جب جسم کو سیرابی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دسترخوان کے کھانوں میں سے ہم اپنی اپنی پسند کے کھانے کھاتے ہیں اور کبھی مضر چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے ہمیں دماغ دیا اور پھر دماغ کو جسم کی سلطنت پر حکمران بنایا۔ جو ایک نہایت مدبر، عادل بادشاہ کی طرح اپنی رعایا (اعضاء بدن) کو حکم بھی دیتا ہے اور کنٹرول بھی کرتا ہے۔ دماغ نہ صرف نقل وحمل کے احکامات صادر کرتا ہے بلکہ اس کی ہدایت پر ہر کوئی بولتا، چھوتا اور پکڑتا ہے۔ دکھ، سکھ، گرمی، سردی کا احساس کرتا ہے۔ دماغ ہمارے ماضی کا سٹور ہے۔ یہ ایک دستاویز ہے، مائیکرو فلم ہے۔ جس سے ہم جو چاہتے ہیں۔ برآمد کرلیتے ہیں۔ انسان کا دماغ تمام جانداروں سے ترقی یافتہ ہے۔ اس لیے انسان تمام جانداروں میں عقلی اور علمی اعتبار سے ممتاز ہے۔ وہ اللہ ہی تو ہے---اتنا مہربان اور اتنا رحیم--- کہ اس نے دماغ کے ذیلی کارکنان (اعضاء بدن) کو ہمارے جسم میں کام کرنے کے لیے مستعد کردیا۔ میڈیکل سائنس کے پیش نظر ایک عضو کی قیمت کی مناسبت سے ہر انسان پر کروڑوں روپے روزانہ خرچ ہورہے ہیں جبکہ ہمارے پیارے پیارے اللہ نے ہمیں یہ ساری چیزیں مفت فراہم کررکھی ہیں اور یہ پوری سروس ہمیں مفت دے رکھی ہیں۔

وہ اللہ ہی تو ہے جو ''ستار العیوب'' اور ''غفار الذنوب'' ہے اس نے ہمارے تمام عیوب کو چھپالیا ہے اور ہر غلطی کو معاف کر دیا ہے۔ اگر وہ پردہ ہٹادے تو کیا ہو گا؟ ہر انسان دوسرے کے سامنے بے پردہ اور ننگا ہو جائے گا۔ ساری من کی آلودگی ایک دوسرے کو نظر آ جائے گی۔ ایک شخص دوسرے کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ اصل انسان ہڈیوں کا پنجرہ ہے۔ ہڈیوں کے اس صندوق نما پنجرے میں بے شمار خانے ہیں۔ بہت سارے اعضاء ہیں۔ ہر عضو اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ دماغ میں چھوٹے چھوٹے کھربوں خانے ہیں۔ ہر خانے میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جلوہ گر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔ اپنی صورت پر تخلیق کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی تخلیقی فارمولے (Equation) دراصل اللہ کی صفات ہیں۔ اس گہرائی پر پہنچ کر بندے کو آواز آنے لگتی ہے۔ کیا آواز؟؟؟

''آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنے والے، اللہ تو بندے کے اندر ہے''۔

درخت کا ہر پتا، زمین پر ہر پھول، فضاء میں اڑتے پنچھی، باغوں میں مور، کوئل، قمریاں، ہر خوبصورت چیز اللہ تعالیٰ کی خوبصورتی کا عکس ہی تو ہے۔ اس خوبصورتی کو باری تعالیٰ خود سورہ النحل۔ آیت نمبر 13 میں بیان فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ''اور بہت سی رنگ برنگی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں۔ ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سوجھ بوجھ سے رکھتے ہیں''۔

اگر ہم غور کریں تو ہم ایک چیز دیکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ پانی کی نیچر ہے کہ وہ نشیب میں بہتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ درخت کے تنے میں وہ اوپر ہی اوپر چلتا ہے۔ حتیٰ کہ 80 فٹ کے ناریل کے درخت پر پیالوں میں جمع ہو کر لٹک جاتا ہے۔ چشمہ آپ ہی آپ اوپر کی طرف ابلتا ہے۔ کشش ثقل کا فارمولا یہ ہے کہ زمین اپنی طرف ہر چیز کو کھینچتی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے۔ لیکن درخت اوپر ہی اوپر کیوں جا رہے ہیں۔ درخت کی جڑیں زمین میں ہیں۔ مگر دس فٹ، بیس فٹ، 50 فٹ حتیٰ کہ 80 فٹ کا درخت آسمان سے باتیں کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ زمین میں درخت کی جڑیں تین یا چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوتیں تو یہ 80 فٹ سے زیادہ کے درخت کو کون سہارا دے رہا ہے؟ یہ کس کے حکم سے اوپر ہی اوپر جا رہا ہے؟

یا الٰہی! یہ ہر چیز اوپر کیوں جا رہی ہے؟ یہ اوپر کی طرف کیوں بڑھتی ہے؟ زمین تو ہر چیز کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ تو اسے اوپر کون لے کر جا رہا ہے؟ یہ بیج سے کونپل زمین کی سطح کو پھاڑ کر اوپر کیسے نکل آتی ہے؟ یہ کیسے اوپر آتی ہے؟ کونپل تو نہایت نرم ہوتی ہے اور مٹی تو بہت سخت ہوتی ہے۔ یہ نہایت ہی کچی کونپل مٹی کی سطح کو کیسے پھاڑ سکتی ہے؟ یہ 2 فٹ کا بچہ پونے چھ فٹ کا کیسے ہو جاتا ہے؟ قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ سورہ یونس۔ آیت نمبر 61 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''اور (اے حبیبِ مکرّم!) آپ جس حال میں بھی ہوں اور آپ اس کی طرف سے جس قدر بھی قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اور (اے امتِ محمدیہ!) تم جو عمل بھی کرتے ہو مگر ہم (اس وقت) تم سب پر گواہ و نگہبان ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو، اور آپ کے رب (کے علم) سے ایک ذرّہ برابر بھی (کوئی چیز) نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر واضح کتاب (یعنی قرآن پاک) میں (درج) ہے''۔

چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ایسی نہیں ہے جس کی وضاحت قرآن پاک نے نہ کی ہو۔ قرآن پاک ایک مکمل دستاویز ہے۔ اس کتاب میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دی ہے۔ کشش ثقل ہونے کے باوجود جڑیں 50 فٹ اندر کیوں نہیں جاتیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ بقرہ آیت نمبر 156 میں فرماتا ہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رٰجِعُونَ ''ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے''۔

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں نزول کا ذکر ہے۔ زمین کا ذکر ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہاں بلندی کا ذکر ہے۔ آسمان کا ذکر ہے۔ عرش و کرسی کا ذکر ہے۔ اب ہم غور کریں کہ زمین پر جو چیز بھی نازل ہوگی۔ بچے کا پیدا ہونا بھی زمین پر نزول ہے۔ اور اس کا رخ بھی اوپر کی طرف ہے۔ بچہ بڑا ہو رہا ہے وہ آسمان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ درخت بھی بڑا ہو رہا ہے، وہ آسمان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہر چیز جو نزول ہو رہی ہے وہ اوپر جا رہی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی زندگی نزول و صعود (نیچے آنا اور اوپر جانا) ہے جب وہ نزول کرتا ہے تو زمین پر نازل ہوتا ہے۔ اور جب وہ صعود کرتا ہے تو وہ عالم بالا کی طرف جاتا ہے۔ کوئی انسان اس بات کو تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو چیز زمین پر نازل ہوتی ہے وہ ہر حال میں صعود کرتی ہے، آسمان کی طرف جاتی ہے۔ اب غور کریں تو معلوم ہوگا کہ **یہ انسان کیا ہے؟**

انسان اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ نزول اور صعود میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ جب ساری زندگی میں رجوع الیٰ اللہ ہے تو ہمارے کام تو بہت آسان ہو گئے۔ اب ہمارا تفکر صرف اس بات پر ہے کہ پیدائش کے بعد ہمارا رخ ہر لمحہ ہر آن اللہ کی طرف ہو۔ اگر ہم دل و جان سے اس بات پر یقین کر لیں اور اس بات کو بار بار دہرائیں۔ تو ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود بخود قائم ہو جائے گا۔ سوچ و بچار کے بعد انسان اگر کسی خوش کن نتیجہ پر پہنچ جائے تو باقی لوگوں کو اس نتیجہ سے آگاہ کر دینا چاہیے۔ یہ بھی علم

میں آ گہی ہے۔اور جب ایک انسان اپنے پاس والے علم کو دوسرے تک پہنچا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس پر اور علم کے دروازے کھول دیتا ہے۔اس کو علم کی زکوٰۃ نکالنا بھی کہتے ہیں۔ جب موجودہ علم کی زکوٰۃ نکال دی جاتی ہے تو خالق مطلق ایک نئی سوچ ،ایک نئی سوجھ اور پھر ایک نیا علم عطا فرما دیتا ہے۔اور اس مناسبت سے انسان کی روحانی صلاحتیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔اس لیے اپنے اندر گہرائی پیدا کرنے کے لیے اپنے من کو شانت کرنے کے لیے تفکر و تدبر کی ضرورت ہے۔

حضرت جعفر صادقؓ کی نظر میں علم کی تعریف یہ ہے:''ہر چیز جو آدمی کو کچھ سکھائے وہ علم ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورہ العلق، آیت نمبر 5 میں فرمایا ہے:''ہم نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اپنی محبوب کتاب قرآن پاک میں بھی تدبر اور تفکر کرنے کا حکم ہے۔بغیر فہم کے تلاوت کا جواز ایسے لوگوں کے لیے تو ہے جو پڑھنے لکھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہیں۔لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے اپنی تعلیم پر زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف کیا ہے اور دنیا کے بہت سے علوم وفنون حاصل کر لیے ہیں۔مادری زبان ہی نہیں بلکہ غیر ملکی زبانوں میں بھی عبور حاصل کرلیا ہے۔وہ لوگ قرآن پاک کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن پاک کی تحقیر اور توہین کے مجرم گردانے جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تذکر کے لیے قرآن پاک کو انتہائی آسان بنا دیا ہے اور قرآن پاک کی ایک ہی سورت میں 4 مرتبہ یہ آیت ہے۔سورہ قمر۔آیت نمبر 40,32,22,17 ترجمہ:''اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن پاک کو ذکر کے لیے کوئی ہے(جو)اس یاددہانی سے فائدہ اٹھانے والا ہو''؟

اس طرح ہر انسان پر حجت قائم کر دی گئی ہے۔خواہ وہ کتنی بھی کم اور کیسی ہی معمولی استعداد کا حامل کیوں نہ ہو۔وہ فلسفہ،منطق اور علوم وفنون سے کتنا ہی نابلد (جاہل) اور ناواقف کیوں نہ ہو۔زبان ادب کی نزاکتوں سے،اس کے پیچیدگیوں سے کتنا ہی ناواقف کیوں نہ ہو۔وہ قرآن پاک سے تذکر کر سکتا ہے۔بشرطیکہ اس کی طبع سلیم اور فطرت صحیح ہو اور وہ قرآن پاک کو پڑھتے ہوئے اس کا ایک سادہ مفہوم روانی کے ساتھ سمجھتا چلا جائے گا۔لیکن تذکر بالقرآن کے لیے عربی زبان کا بنیادی علم بحرحال ہونا بہت ضروری ہے۔عربی زبان کی کم از کم اتنی تحصیل کہ قرآن مجید کا سرسری سا مفہوم انسان کی سمجھ میں آ جائے۔ہر پڑھے لکھے مسلمان پر قرآن پاک کا وہ حق ہے جس کی عدم ادائیگی نہ صرف قرآن بلکہ خود اپنے آپ پر بہت بڑا ظلم ہے۔

فہم قرآن کا دوسرا مرتبہ تفکر اور تدبر قرآن ہے۔یعنی یہ کہ قرآن پاک کو گہرے غور وفکر کا موضوع بنایا جائے اور اس کی علم وحکمت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کی کوشش کی جائے۔اس لیے کہ قرآن پاک لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔قرآن پاک نے خود اپنے محل تدبر وتفکر ہونے کو واضع کیا ہے۔(سورہ ص۔آیت نمبر 29)

ترجمہ:''یہ(قرآن) ایک کتاب مبارک ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ لوگ اسکی آیات پر تدبر(تفکر) کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت حاصل کریں''۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک ہی میں اس پر عدم تدبر کرنے والوں کے لیے فرمایا:(سورہ النساء۔آیت نمبر 82)

ترجمہ:''کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں''۔

اس کے بعد ایک بات یاد رہے کہ تذکر کے اعتبار سے قرآن پاک جس قدر آسان ہے۔تدبر اور تفکر کے اعتبار سے یہ اسی قدر مشکل ہے اور اس سمندر میں اترنے والوں کو ہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو اس کی گہریئوں کا اندازہ ممکن ہے اور نہ ہی اس کے کناروں کا سراغ کسی کو مل سکتا ہے۔

قرآن پاک کو بطریق تفکر اور تدبر پڑھنے کی شرائط بڑی کڑی ہیں اور ان کا پورا کرنا اس کے بغیر ہرگز ممکن نہیں کہ ایک انسان اپنے آپ کو بس اس کے لیے ہی وقف کر دے اور اپنی پوری زندگی کا مصرف تعلیم اور تعلم قرآن کو بنالے''۔ پھر اس کے ادب کا ایک ستھرا ذوق اور فصاحت و بلاغت کا گہرا اور پختہ علم ضروری ہے۔اس کے علاوہ نظم قرآن کا فہم بجائے خود تفکر اور تدبر قرآن کی ایک کٹھن منزل ہے اور پھر مصحف کی موجودہ ترتیب کی حکمت کا علم جو ترتیب نزولی سے قطعاً مختلف ہے اور مختلف سورتوں اور ہر سورت کی آیتوں کے باہمی ربط وتعلق کو سمجھنا ایسا مشکل مرحلہ ہے کہ بڑے بڑے اصحاب عزم وہمت تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔لیکن ظاہر ہے کہ اس مرحلے کو سر کئے بغیر''تدبر قرآن'' کے حق کی ادائیگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس تدبر وتفکر سے ہی قرآن کریم کے علم وحکمت کے اصل موتی حاصل ہوتے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔اس لیے اس کے لیے ہر شخص مکلف بھی نہیں ہے۔

یہ کام اول تو ہے ہی ان لوگوں کے کرنے کا جو علم کی ایک فطری پیاس لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ایسے ہی لوگ''رب زدنی علما'' کی دعا کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کی صحیح راہنمائی سے علم وحکمت میں سے حصہ پا لیتے ہیں۔ویسے ہر طالب علم اپنی اپنی استعداد اور اپنی اپنی محنت کے مطابق

اس سے فیض یاب ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''تم میں سے بہترین وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں''۔(صحیح بخاری)

اور پھر قرآن پاک نے بھی سورۃ توبہ۔آیت نمبر 122 میں ایک عام ہدایت دی ہے: ''اور کیوں نہ ہوا کہ نکلتا ہر فرقے میں سے ایک گروہ تاکہ سمجھ پیدا کرتا دین میں''۔

یہ ''تفقہ فی الدین''، تدبر اور تفکر قرآن کا وہ ثمرہ ہے جس کے لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے چیدہ چیدہ صحابہ کرامؓ کے لیے دعا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں جن کو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہفتہ میں ایک بار قرآن پاک ختم کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔ یہ تصریح ملتی ہے کہ انہوں نے صرف سورہ بقرہ کے تدبر اور تفکر میں آٹھ سال صرف کئے تھے۔ تفکر اور تدبر پر اگر ہم غور کریں تو صحابہ کرامؓ وہ ہستیاں ہیں جن کی عربی زبان اپنی تھی اور عربی کے قواعد کی تحصیل کی ان کو کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے باوجود ایک ایک سورۃ پر ان کا سال ہا سال غور کرنا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن حکیم کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کوئی آسان کام نہیں ہے۔

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں کسی عارف کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے قرآن پاک کی عام تلاوت برائے تذکر اور اس پر گہرے غور وفکر کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''میں ایک ختم تو قرآن پاک کا ہر جمعہ کو کرلیتا ہوں۔ ایک سالانہ کرتا ہوں اور ایک اور ختم بھی ہے جس میں میں تیس سال سے مشغول ہوں اور تا حال فارغ نہیں ہوسکا ہوں''۔ یہ تفکر اور تدبر ہے----- ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک صلاحیت دی ہے۔ جو اس کی راہنمائی کرتی ہے۔ جس کے تحت وہ اچھا اور برا، خیر وشر میں تمیز کرتا ہے۔ اس صلاحیت کو نور باطن یا ضمیر کہتے ہیں۔

حقیقت قرآن کو کھول کھول کر لوگوں کو واضح کرنا ہماری اہم ترین ذمہ داری ہے۔ یہی ہماری ضمیر کی آواز ہے۔ کیونکہ ضمیر ہی ایک ایسی طاقت ہے جس کی نہ کوئی ظاہری صورت ہے اور نہ کوئی ظاہری آواز۔ شاید یہ ایک اچھے مسلمان کے اندر جگانے کی گھنٹی ہے۔ یہ نور باطن ہے یا پھر شاید آسمانوں سے آنے والے ہاتف کی صدا۔ ضمیر کی راہنمائی کو قبول کرنے یا رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بااختیار بنایا ہے۔ ضمیر کی صدا ایک ایسی آواز ہے جو ہمیں ہماری آلائشوں اور غفلتوں سے نجات دلانے کے لئے آتی ہے۔

اس لیے انسان کو ضمیر کی تحریکات کو سمجھ کر رہنمائی قبول کرنی چاہیے۔ لیکن ضمیر کی اس آواز کو سننا، اس کو پہچاننا اور اس کے بعد اس کے کہنے پر عمل کرنا بھی بڑے نصیب کی بات ہوتی ہے۔

فہم قرآن کوئی عام چیز نہیں ہے اس کے بھی بے شمار مدارج اور مراتب ہیں اور ہر شخص اپنی فطرت، استعداد، ذہنی ساخت، طبیعت افتاد، پھر اپنی سعی اپنی جدوجہد، اپنی محنت ومشقت، اپنی تحقیق اپنی کاوشوں کے مطابق حصہ پا سکتا ہے۔ لیکن قرآنی علم کے بارے میں خاص طور پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی انسان کتنی ہی محنت اور کاوش کیوں نہ کرے۔ اپنی عمر چاہے پوری کی پوری قرآن پاک کے تدبر اور تفکر میں بسر کردے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی بھی مرحلے پر پہنچ کر وہ سیر ہوجائے اور یہ محسوس کرے کہ اب اسے قرآن کا فہم کماحقہ (پورے طور پر) حاصل ہو چکا ہے۔

اسکے لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے اور جس پر غور وفکر سے انسان کبھی بھی فارغ نہیں ہوسکے گا''۔(مسند احمد 8321)

گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں گزرا جس نے ضخیم سے ضخیم تفسیر لکھنے کے بعد اس امر کا دعویٰ کیا ہو کہ اس نے قرآن مجید پر تدبر کا حق ادا کردیا ہے۔ یا وہ قرآن پاک کا فہم پورے طور پر حاصل کرچکا ہے۔

یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس سے رہتی دنیا تک سوچ وبچار کرنے والے دانش منداور ہوشیار دماغ اس سمندر سے موتی نکالتے رہیں گے اور لاکر دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں گے لیکن اس خزانے میں سے کسی قسم کی کوئی رتی برابر بھی کمی نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

****

فیصلے کا دن

قرآن پاک، سورہ المرسلات آیت نمبر 13-1

ترجمہ: ''من بھاتی ہواؤں کی قسم، ہوا کے جھکڑوں کی قسم، بادل اٹھانے والی ہواؤں کی قسم، بادلوں کو پھاڑ کر جگہ جگہ حکم پھیلانے والی ہواؤں کی قسم، فرشتوں کی قسم جو اللہ کی طرف سے وحی لاتے ہیں۔ جو (وحی) اچھے کاموں کی سند یا وجہ پیش کرتی ہے یا برے کاموں کے انجام سے ڈراتی ہے۔ دنیا میں ہوائیں اور فرشتے جو یہ کام کر رہے ہیں۔ ان پر غور کرو تو یقین آجائے گا کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اس دن ستارے مٹ جائیں گے۔ آسمان کے دروازے کھل جائیں گے۔ رسولوں کے لیے وقت مقرر کر دیا جائے گا کہ اللہ کے دربار میں اپنی اپنی امتوں کو لے کر حاضر ہوں یہ سب باتیں قیامت کے لیے اٹھا کر رکھ دی گئی ہیں۔ اس وقت تک یہ دنیا یوں ہی قائم رہے گی۔ جو چاہے کرو یاد رکھو قیامت ہی وہ دن ہے جس میں انسانوں کے اعمال کا فیصلہ ہوگا- ان چیزوں میں کس دن کے لئے دیر ہے؟ فیصلے کے دن کے واسطے''۔

ہر شخص دو طرح کی قیامت سے دوچار ہوتا ہے۔ قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ۔ قیامت صغری بندے کی موت کا دن ہے- یہ بھی اس کی زندگی کے خاتمے کا فیصلے کا دن ہے اور قیامت کبری حشر نشر اور آخری فیصلہ کا دن ہوگا۔

تعجب ہے انسان پر کہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت کو بھولے رہتا ہے۔ اصل میں اس کی طاقت، دولت اور اقتدار اسے غلط فہمی میں ڈالے رکھتی ہے وہ بھول ہی جاتا ہے کہ کبھی اس کی پکڑ بھی ہو سکتی ہے۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے دل لگانے کو نہیں بلکہ آخرت کی کمائی کرنے کو دی ہے۔ دنیا کو بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھنا ہے۔ دل میں نہیں بسانا اس دنیا کو متاعِ کل نہیں بنانا۔ اس نے تو ایک دن انسان کو دھکا دے کر قبر میں پہنچا ہی دینا ہے۔ یہی اس کا کام ہے اور موت ہی اس کا طریقہ کار ہے۔

(1) سکندر اعظم کا شمار دنیا کے عظیم ترین فاتحین میں کیا جاتا ہے۔ وہ سائرس (جسے قرآن ذوالقرنین کہتا ہے۔) کے بعد پہلا شخص تھا جس نے تمام قدیم دنیا کو فتح کر کے اس پر اپنی حکومت قائم کی۔ اس کا باپ فلپ یونان کی ایک چھوٹی سی ریاست مقدونیہ کا حکمران تھا مگر سکندر نے صرف چند برسوں میں اس تمام دنیا کو زیر وزبر کر ڈالا۔

سکندر کی یلغار اتنی شدید تھی کہ دارا اعظم کی عظیم ایرانی سپر پاور خس وخاشاک کی طرح اس کے سامنے بکھر کر رہ گئی۔

اس کے حوصلے اتنے بلند تھے کہ رواں دریا، فلک بوس پہاڑ، عظیم صحرا، وسیع وعریض میدانی علاقے، بپھرے ہوئے سمندر، اندھیری راتیں، موسلا دھار بارش۔ کچھ بھی اس کا راستہ نہ روک سکے۔ قدیم دنیا کے تمام خزانے اور سارے علاقوں کا یہ مالک صرف 32 سال آٹھ ماہ کی عمر میں ملیریا کا شکار ہو کر عراق کے قدیم شہر بابل میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد جلد ہی اس کا بارہ سالہ بیٹا مار ڈالا گیا اور اس کی نسل ختم ہوگئی۔

خون کے دریا بہئے عالم تہہ و بالا ہوئے
اے سکندر کس لئے؟ دو گز زمیں کے واسطے؟

(2) فاتح ہند، سلطنت مغلیہ کا بانی ظہیر الدین بابر ایک عظیم فاتح تھا۔ جو 1483 میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کے بعد صرف 12 برس کی عمر میں فرغانہ (موجودہ ازبکستان) کا حکمران بن گیا۔ ظہیر الدین بابر میدان جنگ کا ایک آزمودہ اور نڈر رسالا رہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعر اور ادیب بھی تھا۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست
(ترجمہ: بابر عیش کر لو یہ دنیا دوبارہ نہیں ملے گی)

یہ ضرب المثل کہنے والا جملہ کوئی اور نہ تھا یہ ہی فاتح ہند ظہیر الدین بابر ہی تھا۔ تاہم 1526 میں ابراہیم کو پانی پت کی جنگ میں شکست دے کر ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کر لیا اور یوں 43 برس کی عمر میں اسے وہ موقع میسر آگیا کہ اس عظیم سلطنت کے حکمران کی حیثیت سے عیش وعشرت کی زندگی گزارے۔ مگر بدقسمتی سے صرف 47 سال کی عمر میں ایک بیماری میں مبتلا ہوا اور انتقال کر گیا۔

حالانکہ وہ جسمانی طور پر اتنا طاقتور تھا کہ دو آدمیوں کو کندھوں پر اٹھائے پہاڑ پر چڑھ جاتا تھا۔ اس کی موت اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ یہ دنیا عیش کی جگہ نہیں ہے۔ انسانی زندگی کا یہ المیہ ہے کہ وہ چاہے فاتح عالم ہی کیوں نہ ہو اس دنیا میں اپنی خواہشات کی تسکین نہیں پا سکتا۔ یہ چیز صرف فردوس کی اس بستی میں ہی ممکن ہے جہاں موت، بیماری، غم والم موت وحیات اور بوریت جیسی سب چیزیں ختم کر دی جائیں گی۔ یہ فردوس ہر باشعور انسان کا مقصود ہونا چاہیے کیونکہ یہی انسان کی ہر خواہش کی ابدی تسکین کا واحد ممکنہ ذریعہ ہے۔

ہمارے لئے سکندر اعظم اور ظہیر الدین بابر کی زندگیوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ قائم کیا ہے۔جس میں قیامت تک کے انسانوں کے لیے ایک عبرت و نصیحت کا سامان ہے کہ ہر انسان اپنے دل میں خواہشات کا ایک طوفان لیئے پھرتا ہے وہ دولت شہرت ،حکومت اور طاقت کے پیچھے بھاگتا ہے کبھی وہ نامراد ہو جاتا ہے اور کبھی وہ مقدر کا سکندر بن کر اپنی ہر خواہش پا لیتا ہے مگر ایک عظیم حقیقت ایسی ہے جو کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ یہ کہ ایک روز بہر حال اسے مرنا ہے اور اپنی آرزوؤں کی سلطنت کو چھوڑ کر اسے حقیقت کی اس دنیا میں جانا ہے جس کا نام آخرت ہے۔

انسانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس دنیا کو ہی اپنی جنت بنانا چاہتے ہیں۔اس لیے وہ گاڑی، بنگلہ اور سونا چاندی کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ ایک دن موت کو تو آنا ہی ہے۔وہ آ کر رہے گی۔انسان کے لیے اہم بات یہ نہیں ہے کہ اس نے اس دنیا میں کیا حاصل کیا۔اسے تو ہر چیز سکندر اعظم اور ظہیر الدین بابر کی طرح چھوڑ کر جانا ہی ہے۔اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنی ابدی زندگی کے لیے کیا لے کر جا رہا ہے؟

ہر انسان کی زندگی کامیابیوں اور محرومیوں سے عبارت ہوتی ہے۔انسان ان سب سے گزر کر ایک روز اپنے رب کے حضور حاضر ہو جائے گا۔یہ اس کے فیصلے کا دن ہوگا جب یہ دیکھا جائے گا کہ زندگی کے مصائب پر اس نے کتنا صبر کیا اور خوشیوں پر کتنا شکر۔اس دنیا میں ہر انسان کی زندگی جس بنیادی اصول پر گزرتی ہے وہ ہر قسم کے شر اور برائی سے بچنے کا اصول ہے ان چیزوں سے محفوظ رہ کر غم والم، درد و تکلیف اور خوف وحزن سے عافیت پانا ہی انسان کی پہلی ترجیح ہوتا ہے۔

3۔ اب آیئے! 3500 سال قبل فرعون کی طرف۔

قرآن پاک میں بیان ہوا ہے کہ فرعون نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کی نافرمانی کی بنی اسرائیل کو اس نے بدترین عذاب دیئے۔آخر کار اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کی فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا راستے میں سمندر آ گیا۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰؑ کو راستہ دینے کے لئے سمندر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔راستہ بن گیا۔حضرت موسیٰؑ اور ان کا لشکر پار ہو گئے۔فرعون اور اس کے لشکر نے بھی اسی راستہ سے سمندر کو عبور کرنا چاہا اور جب فرعون اور اس کا پورا لشکر پانی میں اتر گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کے دو طرفہ پانی کو آپس میں ملا دیا۔فرعون ڈوبنے لگا تو موت کو سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں مایوسی اور حسرت اتر آئی اس نے فوراً کہا'' میں ایمان لایا موسیٰؑ کے رب پر'' لیکن اس وقت اس کا ایمان لانا بے فائدہ ہو چکا تھا۔موت فیصلہ کا دن ہے یہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔قیامت کا دن بھی فیصلہ کا دن ہوگا۔

عقلمند انسان وہ ہے جو اس بات کو زندگی میں سمجھ لے ورنہ موت کی بے کسی تو ہر کسی پر طاری ہو کر رہے گی کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ'' دنیا میں رہو مگر دنیا میں نہ رہو'' یہاں رہ کر آخرت کو ضرور یاد رکھو۔یہ زندگی آخرت کا توشہ تیار کرنے کے لئے دی گئی ہے اور اس کے فیصلے کا دن آنے والا ہے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ-----'' کیا یہاں پر پیسے ملتے ہیں''؟ یہ آواز سن کر میں ٹھٹکا پیچھے مڑ کر آواز کی سمت میں دیکھا - یہ ایک چھوٹی سی بچی تھی۔جس کے چہرے اور لباس پر اس کی غربت کی خاموش داستان تحریر تھی۔اس بچی نے ATM مشین بوتھ سے مجھے پیسے نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس کے معصوم ذہن میں وہ سوال پیدا ہو گیا جو اس نے ابھی مجھ سے پوچھا تھا۔کیا یہاں سے پیسے ملتے ہیں؟ میں نے کہا'' ہاں بیٹا یہاں سے پیسے ملتے ہیں''۔

اس نے فوراً ہی اگلا سوال بڑی ہی معصومیت سے کیا۔کیا یہاں سے ہر ایک کو پیسے ملتے ہیں''؟ میں نے جواب دیا نہیں بیٹا جس کے پیسے بینک میں ہوتے ہیں صرف اسی کو پیسے ملتے ہیں۔میں اس مختصر سے مکالمے کے بعد آگے بڑھ گیا لیکن دل میں فوراً ہی یہ خیال آیا کہ اس بہترین بازار میں جہاں فیشن اور ضرورت کی ہر چیز خریدنے کے لیے لوگ آتے ہیں۔اس معصوم بچی کی قسمت میں سوائے حسرت کے کچھ نہیں۔اس دنیا میں پیسہ، عزت، اقتدار، صحت انسان کی ضروریات ہیں۔اس دنیا کی کرنسی پیسہ ہے دنیا کی ہر چیز پیسے سے مل جاتی ہے۔یہ پیسہ انسان کو بڑی مشقت اٹھا کر کمانا پڑتا ہے۔ٹھیک اسی طرح جب قیامت کے بعد اصل زندگی شروع ہوگی تو وہاں کی بھی ایک کرنسی ہوگی اور وہاں کی کرنسی نیکی ہے۔وہاں کی ہر نعمت نیکی کی کرنسی سے ہی مل سکتی ہے۔

مگر یہ کرنسی وہاں پر ہر کسی کو دستیاب نہیں ہوگی بلکہ یہ صرف انہی لوگوں کو ملے گی جنہوں نے اس دنیا میں اعمال صالح کرنے کی مشقت جھیلی ہوگی ایسے لوگوں کی نیکیاں اللہ تعالیٰ اپنے بینک میں جمع کر لیتے ہیں۔اور قیامت کے دن وہ جب چاہیں گے انہیں ان کی یہ نیکیاں لوٹا دی جائیں گی مگر قیامت کے دن جب صالحین خدائی بینک سے اپنے ATM کارڈ کے ذریعے نیکیوں کی کرنسی نکال رہے ہوں گے تو کچھ لوگ اس طرح ان سے یہ سوال کریں گے کہ کیا سب یہاں سے نیکیوں کی کرنسی لے سکتے ہیں؟ اور انہیں وہی جواب ملے گا جو اوپر بیان ہوا ہے کہ جس نے نیکی کی کرنسی جمع کروائی ہوگی وہ یہ کرنسی نکالے گا۔خوش نصیب ہے وہ جو فیصلے کے دن بامراد ہو

گا۔جس کے حصہّ میں اُس روز خوشیاں آئیں گی ۔ بدنصیب ہے وہ جس کے حصہّ میں اس روز حسرت آئے گی ۔

حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آج سے چار ہزار برس قبل کا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب ایک اللہ کی عبادت کا تصور ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو حرم مکہ کے پاس بسایا تا کہ ایک اللہ کو ماننے والے لوگ یہاں دوبارہ اکٹھے کئے جاسکیں اس موقعہ پر حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا فرمائی تھی قرآن پاک میں اس کا ذکر موجود ہے۔آپؑ نے فرمایا۔

''اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کرڈالا ہے''(سورہ ابراہیم-14 آیت نمبر 36-35)

عجیب بات یہ ہے کہ چار ہزار برس کے بعد انسانیت ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کو فراموش کر چکی ہے۔پہلی فراموشی عبادت رب کی تھی ۔یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے غافل ہو گئے تھے۔موجودہ فراموشی ملاقاتِ رب یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کی فراموشی ہے۔

پہلے مٹی کے بتوں (IDOLS) نے انسانوں کو اپنی طرف کھینچ رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ سے بے نیاز کر دیا تھا یہ خدا فراموشی تھی۔اوراب یعنی آج ,Indian Idols Pakistan اور American جیسے میڈیا شوز نے انسانوں کو اپنی طرف کھینچ کر اللہ تعالیٰ سے دور کر دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آج کا میڈیا کئی پہلوؤں سے ایک ''بت'' بن چکا ہے جس کی پرستش ہر گھر میں صبح شام کی جاتی ہے ۔ یہ بت دنیا اور اس کی رنگینوں ، اس کی حسیناؤں ، اسکے جھمیلوں ۔اس کی کہانیوں اور اس کے مقابلے میں انسانوں کو اس طرح الجھا تا ہے کہ انسان اللہ اور آخرت کو بھول ہی جا تا ہے۔

ایسے میں کوئی بندہ مومن اپنی اولاد کو اللہ کی طرف لانا چاہے تو اس کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ اس کو اس بت کی پرستش سے دور رکھنے کے لئے عملی اقدامات بھی کرے اور پروردگار سے بھی وہی دعا کرتا رہے۔جو حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی۔

ترجمہ:۔''اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے۔''(سورہ ابراہیم آیت 36-35)

یہی اس دُور میں بندگی رب کی رسم باقی رکھنے کا واحد طریقہ ہے۔انسان اگر دنیا میں الجھا ہوا نہ ہو اور اپنی آنکھیں ذرا بھی کھولے تو وہ دیکھے گا کہ اس کی بقا کا تمام تر انحصار اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت پر ہے مگر اکثر لوگ یہ بات بھول کر فخر وغرور اور خدا فراموشی کی نفسیات میں مبتلا ہو گئے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت لوگوں کو ان کی بے بسی یاد دلانے کے لئے وقفے وقفے سے سیلاب زلزلے، آفات طوفان وغیرہ سے دو چار کرتا رہتا ہے؟اس یاددہانی کا مقصد عذاب دینا نہیں ہوتا۔ورنہ اسکے عذاب سے کون بچ سکتا ہے؟اس یاددہانی کا مقصد بھی صرف انسان کو یہ سمجھانا ہوتا ہے کہ ان کے لئے جینے کی صرف ایک راہ ہے جو سیدھی راہ ہے اور وہ یہ کہ انسان ہر نعمت کو چاہے مال ہو یا عزت، صحت ہو یا اقتدار اللہ کی عنایت سمجھ کر شکر گزاری کی روش اختیار کرے اور اگر کبھی مصیبت آجائے تو اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی سمجھ کر صبر کا مظاہرہ کرے۔

انفرادی زندگی میں محرومی کے واقعات سے لوگ سبق حاصل نہیں کرتے اس لیے اللہ تعالیٰ بڑے پیانے پر محرومی کے واقعات کو جنم دیتے ہیں ۔تا کہ لوگ ہدایت پائیں بعض اوقات کچھ لوگوں کو عبرت کا نشان بنا کر باقی انسانوں کو یاددہانی کروائی جاتی ہے جو لوگ ان بڑے واقعات سے بھی ہدایت نہیں پاتے۔عنقریب فیصلے کے دن قیامت کے سیلاب میں ان کا سب کچھ تباہ ہو جائے گا ۔ اور سوائے ابدی محرومی اور حسرت وندامت کے کوئی چیز ان کے پاس نہ رہے گی۔تو کامیاب ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اس عارضی زندگی کو آخرت کا توشہ اکٹھا کرنے کا وقفہ جان کر محنت ،عبادت اور مجاہدے کئے۔ایسے ہی لوگوں کے لیے فیصلے کا دن۔خوشخبری کا دن بن جائے گا۔ایک نہ ختم ہونے والی ابدی زندگی جنت کی راحتوں اور قرب الٰہی کی زندگی انہیں حاصل ہو جائے گی انسان کو بحرحال اللہ کے سامنے جھکنا ہی ہے۔جو اس دنیا میں اللہ کے آگے نہیں جھکتے وہ اس دن بھی نہ جھک سکیں گے آج بن دیکھے اس کے سامنے جھکنا بڑی ہی خوش نصیبی کی بات ہے۔آج جب کہ زندگی کے بے شمار ایام گزر چکے ہیں اب بھی موقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے بندوں کی خدمت سے اسے راضی کر لیا جائے۔اس آج کو سنبھال لیں قبل اس کے کہ یہ آج کبھی واپس نہ آئے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آج آنے والے کل میں بدل کر فیصلے کے دن ہمیں نامرادی اور حسرت سے دو چار نہ کروادے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔''اللہ سے ڈریئے پھر اس شخص سے بھی ڈریئے جو اللہ سے نہیں ڈرتا۔''

اس لئے انسان کی زندگی میں فیصلہ کرنے کی اہمیت سب سے اہم ہے۔انسان کو عقل دی گئی ہے۔قوائد دیئے گئے ہیں۔اس کے سامنے زندگی کی کتاب کھلی ہوئی ہے۔ اس کے سامنے کائنات پھیلی ہوئی ہے۔اس کے سامنے قوموں کا ماضی ہے۔مستقبل کے اندازے اور پروگرام ہیں ۔ وہ سوچ سکتا ہے۔قومیں فیصلوں ہی کے دم سے

عروج حاصل کرتی ہیں اور فیصلوں ہی کے دم سے زوال۔۔۔اس موجودہ زندگی میں تو اپنی زندگی کے بارے میں خوب فیصلے کرتے ہیں لیکن اپنے خاص فیصلے کے دن کو نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔حالانکہ انسان کو معلوم ہے کہ اس کے فیصلوں کے لمحات دہرائے نہیں جاسکیں گے۔تقدیر اپنے زیادہ تر کام انسانوں کے اپنے فیصلے ہی سے مکمل کر لیتی ہے۔انسان راہ چلتے چلتے دوزخ تک پہنچ جاتا ہے۔یا وہ فیصلے کا دن یاد کرتے کرتے جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔جنت یا دوزخ انسان کا مقدر ہے لیکن یہ مقدر انسان کے اپنے فیصلے کے اندر ہے۔

اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیجئے جو وہ کرے سو کرے سب ٹھیک۔اس کا فیصلہ ہے اس لئے جو ہوا اچھا ہوا۔جو ہو رہا ہے اچھا ہو رہا ہے۔اور جو ہوگا اچھا ہوگا۔صاحبان بصیرت غور کریں۔اور خوب غور کریں کہ یہ وقت تفکر اور تدبر کرنے کا ہے۔اس ذات نے فرمایا دو گھڑی کا غور تیری پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔دو گھڑی کا غور تیری تمام عمر کی ریاضت سے بہتر ہے ہم غیر معینہ مدت کیلئے یہاں آئے ہیں۔اگر آج ہم اپنے لئے سیدھی راہ متعین نہیں کریں گے اور اپنی ذات کیلئے یا کسی کیلئے بھی کوئی غلط فیصلہ کر دیں گے۔تو یہ یاد رکھیں کہ ہم غیر معینہ مدت کیلئے فیصلوں کے مقام پر نہیں رہ سکتے اس کے بعد ہمارے پاس فیصلے کے لئے نہ وقت ہوگا نہ مقام نہ حق۔ پھر کل وقت اپنا فیصلہ صادر کر دے گا۔ہمارے فیصلوں پر فیصلہ وقت کے پاس آخیری اختیار ہے۔آخیری فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔

اپنی زندگی پر غور کریں۔اپنے مقام کو دیکھیں کہ کل جب آنکھیں کھلیں گی تو مجھے پشیمانی تو نہیں ہوگی؟

لوگوں کی زندگی میں دخل دینے والے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لانے والے یا انقلاب لانے کے فیصلے کرنے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان کی اپنی زندگی کسی اور کے فیصلے کے تابع ہے۔دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے کرتے کرتے انسان کی اپنی رخصت کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔اور پھر سب فیصلے اکارت اور سب حاصل لاحاصل ہوجاتا ہے **کیونکہ فیصلے کا دن، موت کا وقت، موت کا مقام اور موت کا طریقہ متعین ہے---اب کچھ واقعات:**

1۔ مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ ایک بارات رات کو دیر سے پہنچی۔دولہا کا نکاح ہوا۔صبح کے وقت رخصتی تھی۔رات کو دیر سے سوئے۔چارپائیاں کم تھیں۔ایک چارپائی پر دو آدمی سوئے تب جا کر چارپائیاں پوری ہوئیں۔میں دولہے کے ساتھ والی چارپائی پر سو گیا۔دولہے کے ساتھ ایک اور آدمی بھی سویا ہوا تھا۔سارے دن کے تھکے ہوئے تھے اس لیے بس سر رکھتے ہی سب کو نیند آ گئی۔لیکن معلوم نہیں مجھے نیند کیوں نہیں آ رہی تھی۔عجیب بے چینی سی ہو رہی تھی۔اسی دوران میں نے دیکھا کہ دولہے کا ہاتھ چارپائی سے نیچے لٹکا ہوا ہے لیکن زمین سے فاصلہ پر بلندی پر تھا۔میں نے دیکھا کہ ایک بڑا سا بچھو آیا اور اچھل اچھل کر اس کے ہاتھ کو ڈسنا چاہا۔لیکن ہاتھ ذرا سا بلندی پر تھا اس لیے ڈس نہ سکا۔اس نے ایک دو چھلانگیں لگائی لیکن ناکام رہا۔اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اچانک بچھو غائب ہو گیا۔میں حیران تھا کہ میں نے دیکھا کہ وہ بچھو ایک گول اوپلے کو گھسیٹتے ہوئے لایا۔پھر اس نے اوپلے کو دولہے کے ہاتھ کے نیچے رکھا۔اب بچھو کی رسائی دولہے کے ہاتھ تک ہو گئی اور اس نے دولہے کے ہاتھ کو ڈس لیا۔اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔صبح ہوئی تو کہرام مچا ہوا تھا کہ دولہا مردہ پایا گیا۔کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ موت کیسے واقع ہوئی؟۔کوئی زخم نہیں۔کوئی نشان نہیں۔مجھے ایسا لگا کہ میں نے جیسے رات خواب دیکھا تھا یا شاید میں نیند میں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔میں نے لوگوں سے کہا" میں بتاتا ہوں کہ دولہا کی موت کیسے ہوئی"؟ پھر میں نے تمام تفصیل بیان کی اور بتایا" جو اوپلا یہاں پڑا ہوا ہے اسے بچھو یہاں گھسیٹ کر لایا اور باقاعدہ وہ لکیر دکھائی جو اوپلے کو وہاں تک لانے میں زمین پر نظر آ رہی تھی"۔میں نے لوگوں کو بتایا" دولہا کو بچھو نے ڈسا ہے۔اس بچھو کی تو ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔اس نے اپنی ڈیوٹی پوری کی۔ہم یہ کہتے ہیں کہ بس اچانک یہ کام ہو گیا۔یہ اچانک اور اتفاقاً کچھ نہیں ہوتا ہر چیز کے پیچھے امر (حکم) ہوتا ہے۔ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔اور اللہ کا امر (حکم) ساری کائنات پر غالب ہے"۔یعنی ہر ایک کے فیصلے کا دن مقرر ہے۔

2۔ ایک برہمن اور اس کی بیوی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔برہمن نے دیکھا کہ چھت پر ایک سانپ تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیچے چارپائی پر گرا اور اس نے برہمن کی بیوی کو ڈس لیا۔بیوی اسی وقت تڑپنے لگی۔برہمن نے سانپ کو غصے سے دیکھا۔بیوی تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو چکی تھی۔سانپ نے برہمن سے کہا" میں تو اللہ تعالیٰ کا امر (حکم) ہوں اور یہ سب کچھ میں نے اللہ کے امر (حکم) کے مطابق کیا ہے"۔برہمن نے کہا" مجھے کیسے یقین آئے"؟ سانپ نے جواب دیا" دیکھو اب میں نے ایک گڈریے کی گائے کے پیٹ میں گھس جانا ہے۔اس گڈریے کی موت اس گائے کے ٹکر مارنے سے ہوگی"۔برہمن سانپ کے ساتھ جنگل میں آیا۔اس نے دیکھا کہ ایک گڈریا اپنے گائے بھینسوں کے ریوڑ کے ساتھ آرام سے چلا جا رہا ہے۔سانپ غائب ہو گیا۔پھر برہمن نے دیکھا کہ اچانک ایک گائے ریوڑ سے نکل کر تیزی سے آگے کی طرف بھاگنے لگی ہے۔گڈریے کی نظر اس پر پڑی تو وہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگا۔ اب گائے آگے آگے اور گڈریا پیچھے پیچھے تھا۔اچانک گائے آگے کی طرف جانے کے بجائے پلٹی اور پھر اس نے اپنی طرف آنے والے گڈریے کے سینے میں زور سے ٹکر ماری گڈریا نیچے گرا اور اسی وقت دم توڑ گیا۔ برہمن نے فوراً سانپ کے

پاس جا کر کہا" مجھے یقین آ گیا کہ تم اللہ کا امر (حکم) ہو۔ بس یہ بتاؤ کہ اب کیا کرو گے؟ چلو اس کو بھی جانے دو مجھے بس یہ بتادو کہ میں کس طرح مروں گا؟ میری موت کا سبب کیا ہوگا"؟ آواز آئی "تمہاری موت تو پھانسی سے ہوگی ۔ تمہیں فلاں مقام پر پھانسی دی جائیگی"۔ برہمن نے سنا تو فوراً پلٹا اور دل میں ٹھان لیا کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے اس کو پھانسی دی جائے۔ اس نے کاروبار وغیرہ ترک کر دیا اور ایک کاسہ گدائی تھام لیا۔ جو کچھ لوگ اس میں ڈال دیتے اس پر وہ گزارہ کر لیتا۔ زندگی اسی طرح گزرتی رہی۔ برہمن بوڑھا ہو گیا۔ وہ اس واقعے کو بھی بھول گیا کہ اس نے یہ روپ کیوں اختیار کیا تھا؟ ایک دن یہ بوڑھا برہمن ایک گاؤں میں سے گزر رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا لوگ ابھی سو کر بھی نہیں اٹھے تھے۔ برہمن نے دیکھا کہ ایک عورت چار پائی کے گرد بین کر رہی ہے۔ "ہائے میں لٹ گئی۔ میں مرگئی"۔ برہمن اس عورت کے پاس گیا اور پوچھا" بہن کیا ہوا ہے"؟ اس نے کہا" کسی نامعلوم فرد نے میرے شوہر کو قتل کر دیا"۔ اب برہمن نے میت کے منہ پر سے کپڑا اتارا تو دیکھا کہ ایک شخص مرا ہوا پڑا تھا۔ اس عورت نے پھر آواز لگائی۔ ''ہائے میں مرگئی میں لٹ گئی''۔ ایک سپاہی وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے عورت سے پوچھا" کیا ہوا"؟ اس عورت نے برہمن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" اس شخص نے میرے شوہر کو قتل کر دیا ہے"۔ سپاہی نے فوراً ہی بوڑھے برہمن کو پکڑ لیا اور جیل لے گیا اور پھر اسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی اور پھر اسی جگہ پھانسی دی گئی جو اس کے لیے متعین کر دی گئی تھی۔ اس لئے کہ ہر ایک کے لئے موت کا وقت، اس کا مقام اور طریقہ کار کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں اور کتابوں کی وساطت سے ہمیں یہ بتا دیا کہ اس دن تمام مصائب اور آلام سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ انسان ایمان اور عمل صالح کا سرمایہ لے کر آئے۔ انسان اپنی ذاتی محنت، کوشش، صلاحیت اور اثر ورسوخ کو استعمال کر کے ضروریات کو پورا کرے اپنے مسائل کو حل کرے زندگی سے تکلیف دینے والی چیزوں کو دور کرے یعنی اپنے عمل سے اپنی بھوک پیاس کو دور کرے اپنی ستر کو ڈھانپے۔ بیماری میں علاج کرے۔

قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور قیامت تک انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ ہے اس میں ان گنت مقامات پر اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ فیصلے کا دن آنے والا ہے۔ مثال کے طور پر (سورۃ بقرہ - آیت نمبر-48) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ ہی اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔''

پھر ارشاد فرمایا (سورۃ التکاثر - آیت نمبر 2-1)

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ (1) حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (2)

ترجمہ: ''غفلت میں رکھا ہم کو بہتات کی کثرت نے۔ حتیٰ کہ قبریں جا دیکھیں۔''

اس دنیا میں زیادہ تر لوگ مال پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور بعض لوگ تعلقات اور سفارش پر اس طرح اس زندگی میں بہت سے موقعوں پر مال کام آجاتا ہے اور بعض جگہ تعلقات کام بنا دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر سفارش کی نفی کر کے دوسرے مقام پر مال تاوان اور فدیے کی عدم قبولیت کا ذکر کیا۔ اور یہ واضع کر دیا کہ اُس دن نہ مال کام آئے گا نہ سفارش۔ جو مال کے بھروسے پر بیٹھے ہیں وہ بھی مایوس ہو جائیں گے اور جو سفارش کی امید لگائے بیٹھے ہیں برے اعمال کی وجہ سے ان کی سفارش بھی قبول نہ کی جائے گی۔ یعنی قیامت کا دن جو کہ فیصلے کا دن ہوگا سخت مصیبت کا ایک انتہائی تکلیف دہ اور طویل دن ہوگا۔

موجودہ دنیا کی تکالیف کو اگر اکٹھا کیا جائے تو بھی اس دن کی شدت کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ ایسے میں یہ ضروری ہے کہ ہر شخص جان لے کہ اس دن کے شر اور ضرر سے بچنے کا طریقہ صرف اور صرف ایمان اور عمل صالح ہے جس انسان نے اس کے سوا کسی اور چیز پر بھروسہ کیا دنیا کی کوئی طاقت اسے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچا سکے گی۔ یہی نہ ختم ہونے والی دنیا کے پہلے روز ''عدل'' روز قیامت کا قانون نجات ہے اور یہ کہ اس دنیا کا کوئی دن فیصلے کا دن نہیں ہے--- **فیصلے کا دن صرف قیامت کا دن ہے۔** اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن کی حسرت اور نامرادی سے بچائے۔ (آمین)

****

مقصد حیات اور سفر آخرت

ہم مسلمان ہیں ہم کو اپنے مسلمان ہونے پر بہت ناز ہے۔ بہت فخر ہے لیکن ہم میں سے 99% لوگ بائی چانس مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے گھر پیدا کر دیا اور ہم مسلمان ہو گئے۔ یعنی اپنی مسلمانی میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جو کلمہ میں مسلمان ہونے کے ناطے پڑھتا ہوں یہ کس نے مجھے پڑھایا تھا۔ ماں باپ میں سے کسی نے یا دادا، دادی میں سے کسی نے یا نانا، نانی میں سے کسی نے۔ کلمہ کے دو حصے ہیں:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

ایمان لانے کے لیے یہ کلمہ کا اقرار زبان سے اور تصدیق قلب سے ہونا ضروری ہے۔ اب زبان سے اقرار تو ہم نے کر لیا۔ لیکن تصدیق بالقلب اس وقت تک نہیں ہو سکتی۔ جب تک لا الہ الا اللہ کے لیے کم از کم ایک مرتبہ ہم قرآن پاک کو ترجمہ سے نہ پڑھ لیں اور محمد رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کے لیے ہم ایک مرتبہ سیرت پاک کا مطالعہ نہ کر لیں۔ اس لیے کہ ہم ایک بہت بڑا اقرار کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا کوئی معبود میرا نہیں ہے بس اللہ معبود ہے۔ گویا ہم نے اللہ کے سوا ہر معبود کی نفی کی۔ تو اب نفی کرتے ہی سب سے پہلے یہ خیال ہمیں رکھنا چاہیے کہ جس کی محبوبیت کا اقرار میں نے کیا ہے وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ کن باتوں کو وہ پسند کرتا ہے؟ کن کو ناپسند کرتا ہے؟ اس نے اپنی کتاب میں کن امور کو جائز اور کن کو ناجائز بتایا؟ کیا چیزیں ہمارے لیے حلال اور کیا کیا چیزیں ہمارے لیے حرام بتائی ہیں؟ اب ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وضاحت سے بیان کر دی ہیں۔ اگر ہم قرآن پاک کو ترجمہ سے پڑھیں گے تو ہم پر ہمارا مقصد زندگی واضح ہو گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (سورۃ الذّٰریٰت، آیت نمبر 56)

ترجمہ: ''میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا''۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (سورۃ الملک، آیت نمبر 2)

ترجمہ: ''وہ جس نے موت اور زندگی کو اس لیے بنایا کہ دیکھ سکے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''۔

معزز کون؟

قرآن پاک میں سورۃ الحجرات آیت نمبر 13 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا اکرمکم عند اللہ اتقکم

ترجمہ: ''بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک (عزت والا) معزز وہ ہے جو تقویٰ میں اعلیٰ ہے۔''

اب مقصد زندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ مجھے کون لوگ پسند ہیں تو اللہ تعالیٰ کو تقویٰ والے لوگ پسند ہیں۔ تقویٰ کا مطلب پرہیز گاری۔ تقویٰ والے لوگوں کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ بقرہ آیت نمبر 2 پہلے رکوع ہی میں فرما دی ہے۔

ترجمہ: ''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس کتاب میں متقین کے لیے پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے''۔

متقیوں کی صفات:

(1) ایمان بالغیب (2) نماز کی پابندی (3) مالی قربانی (4) کتابوں پر ایمان (5) قیامت پر ایمان

یعنی جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور (اے نبی) ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اب تقویٰ والی زندگی کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پورے طور پر بجالانا ہے۔ پھر ہی ایمان کامل ہو گا۔ اب اگر کوئی حقوق اللہ بجالاتا ہے لیکن حقوق العباد کا خیال نہیں کرتا تو وہ ضعیف الایمان ہے اور اگر کوئی حقوق العباد بجالاتا ہے اور حقوق اللہ کا خیال نہیں رکھتا تو وہ ناقص الایمان ہے۔ تو کامل ایمان کے لیے ایمان لانے کے بعد حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا خیال رکھنا ہے۔ اس طرح کا بندہ ہی متقی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں سورہ بقرہ میں ہمیں پانچ زندگیوں

کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

سورہ بقرہ، آیت نمبر 28 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

ترجمہ: ''تم اللہ کا انکار کس طرح کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، پس تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندگی بخشے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے''۔

کنتم امو اتا	تم تھے لیکن تمہیں اس زندگی کا (روح کی زندگی) شعور نہیں تھا۔
فاحیا کم	پس تمہیں زندگی بخشی، تمہیں زندہ کیا، (موجودہ زندگی)
ثم یمیتکم	پھر وہ تمہیں مارے گا (قبر کی زندگی)
ثم یحییکم	پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ (حشر کی زندگی)
ثم الیہ ترجعون	پھر اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے (جنت کی زندگی)

مندرجہ بالا پانچوں زندگیوں میں سے صرف اور صرف موجودہ زندگی ہمیں عمل کے لیے دی گئی ہے۔ اس سے پہلے والی زندگی ہماری وہ زندگی ہے جس کا ہمیں شعور نہیں ہے۔ یعنی جب ہم ارواح کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے پاس تھے پھر اس نے ہمیں موجودہ زندگی عطا فرمائی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ (سورۃ التین، آیت نمبر 4-5)

ترجمہ: '' میں نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا فرمایا۔ پھر اسے کم ترین درجے میں لوٹا دیا''۔

یعنی دنیا میں بھیج دیا کیوں؟ دار العمل میں بھیج دیا (عمل کرنے کے لئے)۔ تو موجودہ زندگی واحد عمل کی زندگی ہے۔ باقی قبر کی زندگی، حشر کی زندگی اور جنت کی زندگی یہ تمام زندگیاں اجر کی زندگیاں ہیں۔ ہم اس دنیا میں رہ کر جیسا توشہ تیار کریں گے اگلی زندگیوں میں ویسا آرام اور چین پالیں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت علیؓ سے روایت ہے "دنیا پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے اور آخرت سامنے آ رہی ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے چاہنے والے ہیں۔ پس تم آخرت کے چاہنے والے بنو اور دنیا کے چاہنے والے نہ بنو کیونکہ آج تو عمل (کا موقع) ہے اور حساب نہیں کل حساب ہوگا اور عمل (کا موقع) نہیں"۔

موجودہ زندگی صرف اور صرف توشہ تیار کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے۔ کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی۔

اگر ہم غور کریں تو موجودہ زندگی بہت کم ہے۔ اگلی تینوں زندگیوں کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے لیے صرف آج کہا گیا ہے۔ قرآن پاک سورہ الحشر، آیت نمبر 18 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: ''جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کل کے لیے کیا بھیج رکھا ہے''۔

اب دیکھئے دنیا کی زندگی 90,80,70,60 یا زیادہ سے زیادہ سو سال کی۔

قبر کی زندگی	ہزاروں سال کی زندگی
حشر کی زندگی	دنیا کے پچاس ہزار برس کا ایک دن
آخری زندگی	کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی

پہلے تمام پیغمبروں کی اور ان کی امتوں کی زندگیاں لمبی تھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں کی عمریں ہزار سال یا اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم ہوا کرتیں تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک عورت کو قبر پر روتے دیکھا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا" کیا بات ہے؟ کیوں روتی ہے"؟ اس نے جواب دیا'' اے نبی اللہ میرے بچے جلدی جلدی مر جاتے ہیں کوئی دو سو سال میں کوئی چار سو سال کے بعد مر جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے لمبی عمر کے بچے دے"۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا" اچھا، دو سو سال اور چار سو سال کی عمریں کم ہیں؟ آئندہ ایک ایسا نبی بھی آئے گا جس کے امتیوں کی عمریں 50 سال یا اس سے کچھ زیادہ کچھ کم ہوں گی اور وہ سب سے زیادہ جنت میں جانے والے لوگ ہوں گے"۔ اس عورت نے جواب دیا" اے نبیؐ اللہ! اگر اللہ مجھے اتنی عمر دیتا تو میں یہ پوری زندگی ایک سجدے میں گزار دیتی"۔ اس عورت کا مطلب یہ تھا کہ اگر

امت محمدی ﷺ زیادہ جنت میں جائیں گے تو اس لیے کہ انہیں زیادہ دنوں تک آزمائش کے لیے دنیا میں نہیں رکھا گیا۔ بس 60,50 سال عمل کرنا ہے اور باقی تمام زندگیوں میں آرام کرنا ہے۔ تو جو کچھ بھی عمل کرنا ہے موجودہ زندگی میں ہی کرنا ہے۔ اگر یہ وقت نکل گیا تو پھر بس ندامت ہی ندامت اور حسرت ہی حسرت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ مومن، آیت نمبر 39 میں فرماتا ہے:

''یہ دنیا کی زندگی تو معمولی فائدے کے سوا کچھ نہیں اور یقینا آخرت ہی رہنے کا گھر ہے''۔

ہر شخص کی قبر روزانہ اس کو پکارتی ہے کہ "اے انسان میں تنہائی کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، جب تو میرے پاس آئے گا تو میں تیرے عمل کے مطابق معاملہ کروں گی (یعنی دنیا میں تو نے جو کچھ کیا ہوگا اس کے مطابق)۔(ترمذی، الترغیب والترہیب)

قرآن پاک سورہ العنکبوت، آیت نمبر 64 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ترجمہ: ''دنیا کی زندگی نہیں ہے مگر صرف ایک دل لگی اور کھیل اور بے شک آخرت کا گھر اور یقیناوہی اصلی زندگی ہے''۔

اس موجودہ زندگی کے بعد انسان ایک مشکل مرحلہ سے گزرے گا۔ عام الفاظ میں یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ہر شخص دوطرح کی قیامت سے دو چار ہوگا۔ قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ۔ قیامت صغریٰ اس کی موت کا دن ہے اور قیامت کبریٰ حشر نشر کا دن۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے

1- قرآن پاک میں سورہ العنکبوت آیت نمبر 57 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''ہر (نفس) جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے۔ پھر تم ہماری طرف ہی لوٹ کر آ ؤ گے"۔

سورہ سجدہ آیت نمبر 11

ترجمہ: ''کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری جانیں قبض کر لیتا ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

موت ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

قرآن پاک سورہ النساء آیت نمبر 78 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''جہاں کہیں بھی تم ہو، موت تمہیں آ ہی لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں (محفوظ) ہو جاؤ"۔

موت کا فرشتہ:- ایک آدمی زندگی بھر مال و دولت جمع کرتا رہا۔ اس نے ایک عالی شان محل بنوایا۔ دروازے پر طاقتور دربان مقرر کئے۔ ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو اپنی شان دکھانی چاہیے۔ اس نے سب کو پر تکلف دعوت پر بلایا۔ اور مجلس میں خود ایک گاؤ تکیہ لگا کر تخت پر بیٹھ گیا۔ اور دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے لگوا دیئے۔ یہ تمام چیزیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ آخر کھانا کھولنے کا حکم دیا اور لوگ ایک دم کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ یہ لذیذ اور مرغن غذائیں لوگ کھانے میں مصروف تھے کہ ایک فقیر دروازے پر آیا اور دروازے پر دستک دی۔ دستک کیا تھی گویا زلزلہ تھا۔ دروازے بجنے لگے دیواریں ہلنے لگیں لوگوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے۔ دروازے پر کھڑے دربانوں نے فقیر کو ڈانٹنا شروع کر دیا اور کہا" بابا صبر کر ابھی تجھے بھی کچھ کھانے کو دیتے ہیں"۔ فقیر نے کہا" اپنے مالک سے کہو مجھے اس سے کوئی ضروری کام ہے"۔ نوکروں نے کہا" تم دیکھتے نہیں ہو مالک اس وقت مہمانوں میں مصروف ہیں تم پھر کسی اور وقت آنا" لیکن فقیر نہ مانا تو نوکروں میں سے ایک نوکر نے اندر جا کر مالک کو بتایا کہ ایک درویش آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ مالک کو طیش آ گیا اس نے کہا" یہ کیا طریقہ ہے اسے وہیں سے کچھ دے دلا کر رخصت کر دو"۔ دربان واپس آیا تو درویش کو طیش آ گیا۔ اس نے کہا" اپنے مالک سے جا کر کہو ملک الموت ملاقات کے لیے آئے ہیں''۔ یہ بات سن کر ہال میں موجود لوگوں میں خوف پھیل گیا۔ ہاتھوں میں لرزہ آ گیا اور ہاتھ کھانے سے رک گئے۔ امیر دربانوں کے ساتھ حاضر ہوا اور آ کر کہا" کیا آج کے دن تمہارے پاس میرا کوئی بدل ہو سکتا ہے"؟ درویش نے کہا ''نہیں''۔ امیر نے اپنی ساری دولت، زیوارت طلائی برتن، ہیرے جڑی انگوٹھیاں سب کچھ درویش کی نظر کر کے جان بچانے کی اپیل کی۔ درویش نے کہا" یہ دولت ہی تو تیری دشمن ہے۔ اس کو جمع کرنے ہی میں تو تو نے اپنی عمر عزیز ضائع کر دی۔ تو اسی کے گھمنڈ میں زندگی گزارا کرتا تھا۔ آج دیکھ یہ تیرے کسی کام کی نہیں"-امیر نے بڑی حسرت سے دولت کی طرف دیکھا اور کہا ''اے دولت تو نے مجھے دھوکا دیا۔ میں تو تجھے اپنا دوست سمجھتا تھا۔ کہ تو ہر جگہ میرے کام آتی ہے اور آئندہ بھی کام آئے گی۔ لیکن آج یہ حقیقت کھل گئی۔ کہ تو تو ایک بے کار شے ہے لعنت ہے تجھ پر''۔ اللہ تعالیٰ نے دولت کو زبان عطا کی اور دولت بولی ''مجھ پر کیوں لعنت بھیجتا ہے اپنے اوپر لعنت بھیج میں تو تیرے پاس اس لیے آئی تھی کہ تو میرے ذریعے آخرت کا سامان جمع کر سکے۔ غریبوں کو خیرات دے۔ مساجد، یتیم خانے، سرائے اور

پل بنوا کر اپنے لیے صدقہ جاریہ کما لے لیکن تو نے تو مجھے اپنے خزانے میں جمع کر کے قید کر دیا مجھے جمع کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہ کیا۔ تو نے آج تک جو کچھ خرچ کیا اپنے اوپر خرچ کیا۔ ابھی دولت امیر آدمی کو لعن طعن کر رہی تھی کہ امیر آدمی سر کے بل تخت سے گرا اور مر گیا"۔

2- سورہ المنافقون آیت نمبر 11 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''جب کسی کا مقرر وقت آجاتا ہے تو پھر اسے ہرگز اللہ مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ بخوبی جاننے والا ہے''۔

سورالنحل، آیت نمبر 61 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''پھر جب اس کا (موت کا) وقت آجائے تو ایک گھڑی نہ وہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ آگے بڑھ سکتے ہیں"۔

موت کا فرشتہ:- ایک بادشاہ بڑی ہی شان وشوکت کے ساتھ اپنے سپہ سالاروں اور غلاموں کے جلوس میں بہترین لباس زیب تن کر کے گھوڑے پر سوار ہو کر محل سے نکلا۔ اچانک ایک بوڑھا سامنے سے آگیا۔ بوڑھے نے بادشاہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلتے ہوئے گھوڑے کو روک دیا۔ اور بادشاہ سے کہا کہ'' مجھے آپ سے کچھ کام ہے''۔ بادشاہ نے غصہ سے کہا" بات کرنے کا یہ کونسا طریقہ ہے؟ جلوس ختم ہونے کا انتظار کرو''۔ بوڑھے نے کہا" مجھے کچھ کہنا ہے میں انتظار نہیں کر سکتا"۔ بوڑھے کے لہجے میں ایسا رعب تھا کہ بادشاہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی کہا" ہاں بولو کیا بات ہے"؟۔ بادشاہ نے گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ بوڑھے نے سرگوشی کے انداز میں کہا'' اے مغرور بادشاہ میں ملک الموت ہوں''۔ بادشاہ کے اوپر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس نے منت سے کہا" تھوڑی دیر کی مہلت دے دو تا کہ میں بیوی بچوں کو آخری بار دیکھ لوں"۔ بوڑھے نے کہا "ایک لمحہ کی مہلت بھی نہیں ہے"۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادشاہ گھوڑے سے گرا اور جاں بحق ہو گیا۔

اس کے بعد ملک الموت ایک مومن آدمی کے پاس گیا۔ جا کر مومن بندے کو سلام کیا اور کہا'' مجھے آپ سے ایک راز کی بات کہنی ہے''۔ مومن آدمی نے خوش دلی سے کہا" بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"؟ بوڑھے نے کہا" میں ملک الموت ہوں آپ کے پاس سلام کے لیے حاضر ہوا ہوں'' مومن آدمی نے کہا'' الحمدللہ تم آگئے میں عرصے سے تمہارا انتظار کر رہا تھا تا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکوں"۔ ملک الموت نے کہا" آپ مجھے بتایئے کہ میں آپ کی روح کس طرح آپ کے جسم سے الگ کروں؟ مومن نے کہا" مجھے اتنی مہلت دو کہ میں وضو کر کے سجدے میں اللہ تعالیٰ کے حضور چلا جاؤں۔ سجدے کی حالت میں تم میری روح نکال لینا"۔ عزرائیل علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور مومن بندے کی روح بارگاہ الٰہی میں حاضر کر دی۔

3- سورہ آل عمران آیت نمبر 145 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور کسی جان کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے۔ لکھے ہوئے کے مطابق جس کا وقت مقرر ہے''۔

یعنی مقرر وقت سے پہلے کوئی مر نہیں سکتا اور جب وقت آجائے تو ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

موت کا فرشتہ:- شداد نے سب سے پہلے خدائی کا دعویٰ کیا اور پھر جنت کی تعمیر شروع کر دی۔ حیرت ہے کہ ایک انسان پر جس نے یہ تک نہ سوچا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا شخص خدا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اس نے غور ہی نہ کیا کہ اس کی پیدائش کیسے ہوئی؟۔ نو ماہ ماں کے پیٹ میں اس نے کونسی غذا حاصل کر کے نشوونما پائی؟ اس نے اپنی حالت پر کبھی غور ہی نہ کیا کہ یہ شان وشوکت یہ زندگی یہ توانائی کس نے اس کو عطا کیں؟ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے لوگوں سے سجدہ کروایا۔ اور پھر ان لوگوں کے لیے جن سے وہ خوش تھا جنت بنانا شروع کر دی۔ اس جنت بنانے میں اس نے پانچ سو برس کا عرصہ لگایا۔ دنیا کی کونسی نعمت تھی جو اس نے جنت میں مہیا نہ کی۔ خوبصورت نہریں جاری کروائیں، نہروں میں دودھ جاری کروایا۔ درختوں پر یاقوت اور زمرد کی پتیاں لگوائیں وہ علما سے جنت کی تصویر کھنچواتا اور پھر وہ تمام چیزیں پھل پھول درخت اس جنت میں رکھواتا۔ پھر ایک دن اچانک اسے خیال آیا موت کا اس نے سوچا کہ میں نے اتنی محنت سے جنت بنائی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو دیکھنے سے پہلے میں مر جاؤں۔ ایک دن اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر دعا کی۔ " الٰہی میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ میری موت میرے چاہنے کے مطابق ہو۔ کیونکہ تو خود کہتا ہے کہ انسان کی موت اس کے گمان کے مطابق ہوتی ہے"۔ غیب سے آواز آئی" مانگ کیا مانگتا ہے"؟ شداد نے ہاتھ جوڑ کر کہا'' الٰہی میری موت اس طرح آئے کہ نہ میں بیٹھا ہوا ہوں۔ نہ کھڑا ہوں، نہ لیٹا ہوا ہوں، نہ چل رہا ہوں، نہ باہر ہوں، نہ دروازے پر ہوں، نہ اندر ہوں، نہ خلا میں ہوں نہ زمین پر ہوں اور نہ سواری پر ہوں''۔ یعنی اس نے اپنی عقل کے مطابق وہ تمام باتیں اللہ کے حضور پیش کر دیں جس سے اس کو یقین ہو گیا کہ اب میں مر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں قبول فرمائیں۔ شداد بڑا خوش ہوا کہ کام بن گیا۔ اب میں کبھی مر ہی نہیں سکتا۔ پھر اس نے اعلان کروایا" میں خدا ہوں، جیسے چاہے اس دنیا کو چلاؤں گا جس طرح اور جو جی چاہے گا لوگوں کو حکم دوں گا۔ جسے چاہوں

گا قتل کروں گا اور جسے چاہوں گا جنت میں بھیج دوں گا"۔ پانچ سو سال کی محنت کے بعد جنت تیار ہو گئی۔ اس نے جنت کے معائنے کے لیے ایک دن مقرر کیا۔ پورے دبدبے اور پوری شان وشوکت، بے شمار خدام، فوج اور درباریوں کے ساتھ جنت دیکھنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوا اور خراماں خراماں اپنے محل سے باہر آیا۔ اور جنت کی طرف چل دیئے۔ جنت کے دروازے میں گھوڑے نے ابھی دو پیر رکھے ہی تھے کہ گھوڑا اڑیل ٹٹو بن گیا۔ لگام کھینچی تو گھوڑا منہ زور ہو گیا اور دو ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ جب اس بات کا خطرہ پیدا ہو کہ شداد گر جائے گا تو یہ رائے ہوئی کہ شداد کو گھوڑے سے اتار لیا جائے۔ غلام آگے بڑھے، شداد نے رکاب سے پیر نکالا اور پیر غلاموں کے ہاتھوں پر رکھا۔ ایک پیر غلاموں کے ہاتھوں میں تھا اور دوسرا پیر رکاب ہی میں تھا کہ ملک الموت نے روح قبض کر لی۔ ملک الموت کو رحم آیا۔ باری تعالیٰ سے ملک الموت نے اپنے دل میں کہا ''اے میرے مالک آپ بڑے ہیں، آپ خالق ہیں مختار کل ہیں۔ اگر یہ جنت دیکھ لیتا تو حسرت سے نہ مرتا''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" تو جانتا ہے یہ کون ہے؟ اور دیکھ زمین پر دیکھ"۔ ملک الموت نے زمین پر دیکھا کہ پانی کا ایک بڑا جہاز ہے۔ اس جہاز پر دریائی قزاق چڑھ گئے۔ جہاز اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ طوفانی لہروں نے اور کام خراب کیا۔ جہاز پانی میں ڈوبنے لگا۔ ایک عورت نے ڈوبتے ہوئے جہاز میں سے سمندر کے ایک تختے پر سہارا لیا اور اس پر اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بچے کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ اس عورت کی جان قبض کر لی جائے۔ ملک الموت نے جان قبض کر لی اور دل میں کہا" باری تعالیٰ یہ بچہ کیسے زندہ رہے گا"؟ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے کہا تجھے دو مرتبہ رحم آیا" دیکھ وہ بچہ جو تختے پر بے یار و مددگار تھا، ہم نے اس کی حفاظت کی۔ اس کو محفوظ ہاتھوں اور محفوظ جگہ پر پہنچایا۔ اس کی پرورش کی۔ اس کو دولت اور طاقت دی اور اس نے کیا کیا؟ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اس نے اپنے تئیں ایسی دعا کی جو اس کے مطابق اس کو موت سے بچا لے گی۔ جیسا اس نے چاہا ویسا ہی ہوا۔ اس کو اس کے مکر کی سزا ملی۔ اس نے ہمارے ساتھ ٹکر لی"۔ ملک الموت نے سوچا" افسوس مجھے دونوں مرتبہ ایک ہی شخص پر رحم آیا''۔

-4 **حدیث:** سیدنا مطر بن عکامس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ کسی خاص جگہ میں کسی کو موت دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ جگہ اس کے لیے محبوب بنا دی جاتی ہے اور وہاں اس کی کوئی ضرورت پیدا کر دی جاتی ہے''۔ (مسند احمد، ج21984، حدیث نمبر 362)

موت کا فرشتہ:- حضرت سلیمان علیہ السلام کی محفل لگی ہوئی تھی۔ ایک شخص بار بار سامنے سے گزرتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بیٹھے ایک شخص کو گھور کر چلا جاتا۔ وہ شخص گھبرا گیا اور بے اختیار اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا ''یا حضرت وہ کون شخص ہے''؟۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا" وہ شخص ملک الموت ہے"۔ اس شخص نے ڈرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا" یا حضرت مجھے تو اس سے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت دی ہے۔ ہوا پر آپ علیہ السلام کی حکمرانی ہے۔ آپؑ ہوا کو حکم دیں" وہ مجھے اڑا کر ہندوستان لے جائے تاکہ میں ملک الموت کی پہنچ سے بہت دور چلا جاؤں"۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا۔ ہوا نے حضرت سلیمانؑ کے حکم پر تخت سلیمانی پر بیٹھا کر اس شخص کو ہندوستان پہنچا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پھر آ گئے۔ حضرت سلیمان نے ان سے پوچھا ''تم اس آدمی کو گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے''؟۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ''مجھے حکم تھا کہ اس شخص کی روح میں ہندوستان میں قبض کروں میں تردد میں تھا کہ ہندوستان تو یہاں سے بہت دور ہے۔ موت کا وقت قریب آ لگا ہے۔ یہ بندہ وہاں کیسے پہنچے گا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ علیہ السلام نے اسے ہندوستان پہنچا دیا اور میں نے وہاں پہنچتے ہی اس کی روح قبض کر لی''۔

حدیث: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے موت کی شدت محسوس کی تو حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں ہائے تکلیف، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اے میری بیٹی بے شک تیرے باپ پر وہ وقت آ گیا ہے جس سے کوئی نہیں بچے گا۔ قیامت کے دن کی ملاقات کے لیے" (مسند احمد، ج12434 حدیث نمبر 19)

حدیث: سیدنا عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے چار کونوں والا خط کھینچا پھر اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو چوکھٹے سے باہر نکل رہا تھا۔ اس کے بعد درمیان والے خط کے اس حصہ میں جو چوکھٹے کے درمیان میں تھا چھوٹے چھوٹے بہت سے خطوط کھینچے، پھر فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت جو اس کو گھیرے ہوئے ہے اور جو بیچ کا خط باہر نکلا ہوا ہے یہ اس کی امید ہے اور یہ جو چھوٹے چھوٹے خطوط ہیں یہ اس کی دنیاوی مشکلات ہیں۔ پس اگر وہ انسان ایک مشکل سے بچ کر نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں پھنس جاتا ہے (صحیح بخاری، حدیث نمبر 6417)

حدیث: سیدنا مطرف بن عبداللہ بن شخیر ؓ اپنے والد سے اور وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ابن آدم کی شکل وصورت یوں دکھائی گئی ہے کہ اس کے آس پاس ننانوے موتیں ہیں (یعنی ننانوے حادثات اور مصیبتیں)۔ اگر وہ موتیں اس سے خطا کر بھی جائیں تو وہ انتہائی درجے کے بڑھاپے کا شکار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے (سنن ترمذی، حدیث نمبر 2150)

وطن سے دور موت کا اجر

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ’’مدینے میں ایک آدمی فوت ہوگیا اس کی ولادت بھی مدینہ میں ہی ہوئی تھی۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی پھر فرمایا کاش وہ اپنے مقام پیدائش کے علاوہ (کسی اور مقام پر) فوت ہوتا۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ یہ کیوں"؟

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جب آدمی اپنی پیدائش کی جگہ کے علاوہ کسی اور مقام پر فوت ہوتا ہے تو اس کے لیے مقام پیدائش سے مقام وفات تک پیمائش کر کے (اتنی جگہ) جنت میں دی جاتی ہے‘‘۔ (سنن ابن ماجہ 1614)

موت میں گھبراہٹ ہے، موت میں سختی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پاس ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ سے کہا گیا "یا رسول اللہ ﷺ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے"۔ تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’یقینا" موت کی ایک گھبراہٹ ہوتی ہے‘ (مسند احمد ج14، 8527)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ ق، آیت نمبر 19 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ’’اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی، یہی ہے وہ جس سے تو بھاگتا پھرتا تھا۔‘‘

سورہ القیامۃ، آیت نمبر (30-26)

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں جب روح ہنسلی تک پہنچے گی اور کہا جائے گا ہے کوئی دم جھاڑ کرنے والا؟ اور وہ سمجھ جائے گا کہ یہ وقت جدائی کا ہے اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی اس دن اپنے رب کی طرف روانگی ہوگی‘‘۔

حدیث: سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے غلام ابو عمرو ذکوان رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کہا کرتی ہیں کہ (وفات کے وقت) بے شک رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک بڑا پیالہ تھا یا چمڑے کی تھیلی تھی۔ جس میں پانی تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اپنا ہاتھ مبارک اس برتن میں ڈالتے اور پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر ملتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ بلاشبہ موت کی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ اپنا ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے: "فی الرفیق الاعلی" یہاں تک کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا ہاتھ مبارک جھک گیا۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 6510)

حدیث: سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے کہ وہ موت کو (تکلیف کی وجہ سے) ناپسند کرتا ہے اور میں بھی اسے تکلیف دینا ناپسند کرتا ہوں‘‘۔ (صحیح بخاری)

موت اللہ تعالیٰ سے ملاقات:- عبثر رحمۃ اللہ علیہ نے مطرف رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے عامر رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہا: رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا: "جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرے، اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے، اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے"۔ (شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ نے) کہا: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: "ام المومنین! میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) سے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، اگر وہ اسی طرح ہے (جس طرح وہ بیان کرتے ہیں) تو ہم ہلاک ہو گئے"۔ تو انہوں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: "ہلاک ہونے والا واقعی وہی ہے جو رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کے قول سے ہلاک ہوا، (بتاؤ) وہ کیا حدیث ہے"؟ (میں نے عرض کی:) انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا: "جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور ہم میں ایسا کوئی نہیں جو موت کو ناپسند نہ کرتا ہو، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) نے یہی فرمایا تھا، لیکن (مفہوم کے اعتبار سے) جس طرف تم گئے ہو وہ بات اس طرح نہیں بلکہ (وہ اس طرح ہے کہ) جب نگاہ اوپر کی طرف اٹھ جاتی ہے اور سینے میں سانس اکھڑ رہی ہوتی ہے اور جلد پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انگلیاں ٹیڑھی ہو کر اکڑ جاتی ہیں تو اس وقت جو اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو (اس وقت) اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ بھی اس

سے ملنا ناپسند کرتا ہے"۔(صحیح مسلم ،حدیث نمبر 6826)

موجودہ زندگی سفر آخرت کی تیاری کے لیے غنیمت سمجھیں:

قرآن پاک سورہ المومنون آیت نمبر 100-99 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آتی تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس بھیج دے تاکہ جو کچھ میں چھوڑ کر آرہا ہوں اس میں کوئی نیک عمل کر لوں (صدقہ، خیرات وغیرہ) ہرگز نہیں بے شک یہ تو (محض) ایک بات ہے جسے وہ کہنے والا ہے اور اسکے پیچھے ایک پردہ ہے (برزخ) اس دن تک جب تک وہ اٹھایا جائے گا"۔

سورہ المنافقون آیت نمبر 10 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور پھر وہ کہے اے میرے رب تو نے مجھے قریبی مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا۔''

حدیث: سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اس حال میں صدقہ کرو کہ تم صحت مند ہو۔ حریص ہو۔ مال دار ہونے کی توقع رکھتے ہو اور فقر سے ڈرتے ہو اور اتنی دیر مت لگاؤ کہ جب جان حلق تک آجائے تو کہنے لگو کہ فلاں کے لیے اتنا اور فلاں کے لیے اتنا حالانکہ وہ اب فلاں اور فلاں کا ہو چکا۔'' (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2748)

حدیث: سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے میرے بدن کا ایک حصہ پکڑ کر فرمایا "تم دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم اجنبی ہو یا کسی راہ کو عبور کرنے والے ہو اور خود کو قبر والوں میں شمار کیا کرو"۔ (سنن ابن ماجہ، جلد 5، حدیث نمبر 4114)

مجاہد کہتے ہیں کہ پھر ابن عمر نے مجھ سے کہا "جب تم صبح کرو تو اپنے دل میں شام ہونے کا نہ سوچو اور جب شام کرو تو دل میں صبح ہونے کا نہ سوچو اپنی بیماری سے پہلے اپنی صحت سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنی موت سے پہلے اپنی زندگی سے فائدہ اٹھالو کیونکہ تم نہیں جانتے اے عبداللہ کہ کل تمہارا نام کیا ہوگا"۔ (یعنی مردوں میں ہوگا یا زندوں میں)

حدیث: ایک مرتبہ آپ خاتم النبیین ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ جا رہے تھے راستے میں دیکھا کہ کچھ لوگ قبر کھود رہے ہیں آپ خاتم النبیین ﷺ وہاں پہنچ گئے اور رو رہے تھے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "اے میرے بھائیو اس جیسے دن کے لیے تیاری کرلو"۔ (سنن ابن ماجہ، جلد 5، حدیث نمبر 4195)

حدیث: سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا کہ انصار میں سے ایک آدمی آیا اس نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو سلام کیا۔ پھر پوچھا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ مومنوں میں سب سے زیادہ افضل کون ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جن کا اخلاق سب سے اچھا ہے"۔ اس نے کہا "مومنوں میں سے سب سے عقلمند کون ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو موت کو زیادہ یاد کرتے ہیں اور اس کے بعد (کے مراحل) کے لیے زیادہ اچھی تیاری کرتے ہیں وہی زیادہ عقلمند ہیں"۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4259)

حدیث: سیدنا ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پاس آیا اور کہا "یا رسول اللہ ﷺ مجھے سکھائیے اور مختصر بیان کیجئے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جب تم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو تو اسے الوداعی نماز سمجھ کر پڑھا کرو"۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4171)

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "لذتوں کو مکدر کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر 2307)

****

قیامت کی نشانیاں

قیامت کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی نشانی:-

حدیث:-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے جس طرح یہ دو(انگلیاں)، آپ خاتم النبیین ﷺ نے شہادت اور درمیانی انگلی ملا کر اشارہ کیا-جس طرح یہ دو انگلیاں''-(بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

حدیث:-حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:''اس(دین اسلام) کی کڑیاں یکے بعد دیگرے ٹوٹتی جائیں گی-جب ایک ٹوٹ جائے گی تو لوگ دوسری پکڑ لیں گے-سب سے پہلے **"حکم"**(امر خلافت) اور سب سے آخیر میں **"اقامت صلوۃ"**(کی کڑی) ٹوٹے گی''-(بخاری، مسلم، ابن ماجہ، احمد، طبرانی، ابوداؤد)

قیامت کی چھوٹی نشانیاں:-

1. لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی۔یعنی بچہ اپنی ماں سے ایسی سختی سے پیش آئے گا جیسے وہ اس کا آقا ہو۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، احمد)
2. برہنہ پا، ننگ دھڑنگ اور محتاج بکریوں کے چرواہے اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے-(جیسا کہ سعودی عرب میں آج کل ہو رہا ہے) (بخاری، مسلم، ترمذی)
3. دین کی کم علمی کا ظہور ہوگا-علم کا خاتمہ اور جہالت میں اضافہ ہوگا- (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)
4. مے نوشی ہوگی اور اس کے لئے مختلف نام استعمال کئے جائیں گے(افیون، ہیروئن وغیرہ)- (بخاری، مسلم، ترمذی،، احمد)
5. زنا اور بدعہدی کی کثرت ہوگی- (بخاری، مسلم، مجمع الزوائد، احمد)
6. قتل وغارت کی کثرت ہوگی۔ (ابن ماجہ، احمد، حاکم، جامع الصغیر)
7. معاملات کو نااہل لوگوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (بخاری، ترمذی، احمد) 8. آدمی ریشم پہنیں گے۔ (بخاری، مسلم، جامع الصغیر، ابن ماجہ، احمد)
9. گانے بجانے کو جائز سمجھا جائے گا۔ (بخاری، احمد، طبرانی، جامع الصغیر)
10. گانے والیوں کے ساتھ دینے والے لوگ بہت ہوں گے(یعنی ساز بجانے، ڈھول بجانے والے لوگ وغیرہ)- (بخاری)
11. فحش کاری اور فحش گوئی کا ظہور ہو جائے گا۔ (احمد، حاکم، مجمع الزوائد) 12. قطع تعلق عام ہوگا۔(احمد، حاکم، مجمع الزوائد)
13. امین کو خائن اور خائن کو امین سمجھا جائے گا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)
14. لوگوں میں مرگ ناگہانی کا ظہور ہوگا۔ (مجمع الزوائد، صحیح جامع، مقدمہ فتح الباری)
15. مسجدوں کو کم لوگ آباد کریں گے۔ نیک لوگ کم رہ جائیں گے- (بخاری، مسلم، ترمذی)
16. عرب کے صحراو دشت باغات میں بدل جائیں گے-(مسلم، احمد، حاکم، مجمع الزوائد)
17. وقت سے برکت اٹھ جائے گی-زمانہ قریب آجائے گا- (بخاری، مسلم، ترمذی، احمد، ابوداؤد)
18. زلزلوں کی کثرت ہوگی۔ (بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، دارمی) 19. فتنوں کا ظہور ہوگا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)
20. جب تمام قومیں متفقہ طور پر امت مسلمہ پر ٹوٹ پڑیں گی۔ (مجمع الزوائد، ابن داؤد، احمد)
21. ایسی عورتوں کا ظہور ہوگا جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔وہ خود بھی گمراہ ہوں گی اور اوروں کو بھی گمراہ کریں گی۔ (مسلم، احمد، موطا)
22. احمق مجلسوں میں سینہ تان کر بیٹھیں گے۔نیک لوگ معدوم(unseen) ہو جائیں گے- (بخاری، ابن ماجہ، ابوداؤد، حاکم)
23. جھوٹ کثرت سے بولا جائے گا۔ (بخاری، مسلم، احمد)
24. شیطانوں کے لئے اونٹ بھی ہوں گے اور گھر بھی۔وہ اس طرح کہ ایک آدمی اونٹنی پر سوار ہوگا اور ایک اونٹنی ساتھ لے جائے گا۔وہ نہ تو اس اونٹنی پر خود سوار ہوگا اور نہ کسی ضرورت مند کو اس اونٹنی سے مدد دے گا بلکہ شیطان اس پر سواری کرے گا۔اسی طرح ایک آدمی گھر بنائے گا یا خریدے گا۔گھر میں اتنے کمرے ہوں گے جو گھر کے افراد کی ضرورت سے زیادہ ہوں گے۔شیاطین ان کمروں میں اپنا بسیرا کریں گے۔بے برکتی پھیل جائے گی-حتی کہ سارا خاندان کمائے گا تب بھی پورا نہ ہوگا-سود عام ہو

جائے گا- (بخاری،نسائی،دارمی) 25.لوگ اپنے سروں میں سیاہ خضاب لگائیں گے۔ (احمد، نسائی)

26.اللہ کی اطاعت اور آخرت کے لئے عمل پر توجہ کم ہوجائے گی۔ (بخاری،مسلم،ابن ماجہ،احمد،طبرانی)

27.بخل کو لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ لوگوں کے درمیان پھیل جائے گا۔ (بخل کی عادت یا برائی)۔جس کے پاس جو کچھ ہوگا وہ اس میں بخل کرے گا۔ مال والا مال میں بخل کرے گا۔علم والا علم میں بخل کرے گا (یعنی کام کی باتیں لوگوں کو نہ بتائے گا) کاریگر اپنی کاریگری میں بخل کرے گا اور مہارت والا اپنی مہارت لوگوں کو نہ سکھائے گا۔ (بخاری،مسلم، مجمع الزوائد)

28.لوگ ایک دوسرے کو بغیر کسی مقصد کے قتل کریں گے۔ (مسلم)

29.احکام شریعت نفس پر گراں گزریں گے۔دین اجنبی ہوجائے گا- (ترمذی،ابن ماجہ،احمد،طبرانی، جامع الصغیر)

30.مرد قلیل اور عورتیں کثیر ہوں گی- (بخاری،مسلم،احمد)

31.دریائے فراط سے سونے کا پہاڑ (خزانہ) نمودار ہوگا- (احمد)

32.سب سے کمینہ قوم کا لیڈر اور فاسق (نافرمان) قوم کا سردار بن جائے گا۔ (بخاری،ترمذی،جامع احمد،حاکم)

33.بازار زیادہ ہوں گے اور قریب قریب ہوں گے- (احمد،مجمع الزوئد)

34.سلام صرف معروف لوگوں کو کیا جائے گا- (احمد،حاکم،طبرانی،مجمع الزوائد)

35.خون ارزاں ہوجائے گا۔ لوگ ایک دوسرے کو بغیر مقصد کے قتل کریں گے- (حاکم، ترمذی،ابن ماجہ،احمد)

36.عورت ہر میدان میں کام کرنے لگے گی۔عورت کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوگی- (مسلم،موطا،احمد)

37.جھوٹی گواہی دی جائے گی- (بخاری،مسلم،احمد)

38.امت مسلمہ میں خوشحالی اور آسائش کی زندگی کا ظہور ہوگا۔ (بخاری،کتاب المناقب،باب علامت النبوت)

39. کمینوں کو اونچا اور شریفوں کو پست کیا جائے گا۔نااہل عہدے سنبھال لیں گے- (بخاری، ترمذی،احمد،جامع الصغیر)

40.فتنوں کی کثرت کی وجہ سے موت کی تمنا کی جائے گی۔ جھوٹ کثرت سے بولا جائے گا- (بخاری،مسلم)

41.مال اور دولت کی فراوانی ہوگی- (بخاری،مسلم،ابن ماجہ،احمد)

42.پھر شام (سیریا،لبنان،اردن،فلسطین) کا محاصرہ ہوگا اور ان سے کھانے پینے کی چیزیں اور دوسری امداد روک دی جائے گی۔ (مسلم-کتاب الفتن)

43.بیت المقدس کی فتح (یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی) (بخاری) 44.طلاق کے بعد میاں بیوی ساتھ رہیں گے-(طبرانی اوسط)

45.زنا سے پیدا ہونے والی اولاد کی کثرت ہوگی-(مسند احمد،طبرانی اوسط،متدرک حاکم)

46.مساجد صرف ظاہری طور پر آباد ہوں گی-(مشکوۃ،شعب الایمان)

45.ہمارے اور اہل روم (یورپ اور امریکہ) کے درمیان صلح وصفائی ہوجائے گی۔ (بخاری)

یہ علامت صغریٰ کی آخری نشانی ہے کیونکہ اس کے بعد ایک خونریز معرکہ (الملحمة الکبریٰ) بپا ہوگا۔یہ ایک بڑی خونریز جنگ ہوگی۔آنے والی جنگ کا سٹیج اب تیار ہورہا ہے - (ابن ماجہ،احمد،ابوداؤد،حاکم) حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو جنگیں ہوں گی پہلی ''ہرمجدون'' کی عالمی جنگ اور دوسری ''(الملحمة الکبریٰ) ''یہ دوسری جنگ مسلمانوں اور اہل روم (یورپ اور امریکہ) کے درمیان ہوگی۔یہ ''ہرمجدون'' کے بعد اس وقت ہوگی جب رومی (یورپ اور امریکہ) عہد شکنی کریں گے۔ اس کے بعد امام مہدی کا ظہور ہوگا-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"دنیا میں ایک ایسا دن باقی ہے جسے اللہ طویل کردے گا-اس میں میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی کو (امام بنا کر) ظاہر کریں گے جس کا نام میرے نام جیسا ہوگا جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام جیسا ہوگا"-(ترمذی،ابن ماجہ،حاکم،طبرانی، جامع الصغیر)

ہرمجدون کیا ہے؟

1۔ یہ ایک بہت بڑی دھکم پیل اور تباہ کن جنگ ہے۔ 2۔ یہ عنقریب ہونے والی بڑی لڑائی ہے۔
3۔ یہ ایک اتحادی عالمی بڑی لڑائی ہے۔جس کا انتظار صفحہ ہستی کے سب لوگ کر رہے ہیں۔ 4۔ یہ ایک بڑی سیاسی جنگ ہے۔
5۔ یہ ایک دینی اور سیاسی لڑائی ہے۔ 6۔ یہ مختلف سروں والے اژدہا(Dragon War) کی مانند ایک لڑائی ہے۔
7۔ یہ تاریخ کی سب سے بڑی بدترین لڑائی ہے۔ 8۔ یہ انجام کا آغاز ہے۔

ہرمجدون کے لفظ سے اہل کتاب متعارف ہیں کیونکہ یہ لفظ اُن کی مقدس کتابوں میں اور علماء اور محققین کی بحثوں میں ملتا ہے۔ اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ اہل کتاب کے اوال کو نقل کر کے ہم نے کوئی انوکھی بات نہیں کی کیونکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں اس بات کی اجازت دی ہے کہ ہم ان سے روایت کریں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"میری طرف سے لوگوں کو بات پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور بنی اسرائیل سے روایت کرو، اِس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا تو اسے اپنے جہنم کے ٹھکانے کے لئے تیار رہنا چاہئے"۔(صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر 3461)

شرط یہ ہے کہ ہم پوری احتیاط سے اِن کی بات سنیں اور صرف وہی بات قبول کریں جو ہماری شریعت کے مطابق ہو اور ہماری شریعت اِس کی اجازت دے اگر ان کی بات ہماری شریعت سے ٹکراتی ہو تو رد کر دیں۔

مسلمان اور ہرمجدون: عجیب بات ہے کہ ہرمجدون کے ثبوت کے لیئے اہل کتاب کے اقوال تواتر کے ساتھ کثرت سے وارد ہوتے ہیں لیکن بہت سے مسلمان تو جانتے ہی نہیں ہیں کہ یہ کیا ہے؟ اَب مسلمانوں کے بعض لکھنے والوں نے اِس معرکہ کی طرف توجہ دینی شروع کی ہے اور ان کے قلم سے ایسے اہم مقالات نکلے ہیں جو تجزیاتی فراست، تاریخی حس اور سیاسی سوجھ بوجھ کے زور پر لکھے گئے ہیں۔ ان مقالات نے طے کیا ہے کہ یہ فیصلہ کن معرکہ جلد ہونے والا ہے اَب اِس کا سٹیج تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ حکمت عملی کی جنگ ہوگی ایٹمی اور عالمی ہوگی۔ یہودیوں کو اِس میں نقصان اٹھانا پڑے گا اور ان کا زور ٹوٹ جائے گا۔

ہم ان تمام سابقہ اقوال سے متفق ہیں ہاں اس معرکہ کی تفصیل اور نتائج سے اختلاف ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے یہ معرکہ اتحادی ہوگا اور عالمی سطح پر ہوگا۔ مسلمان اور اہل روم (یورپ اور امریکہ) اِس معرکہ کے لازماً ایک فریق ہوں گے۔ وہ مل کر ایک مشترکہ دشمن سے لڑیں گے۔ اِس دشمن کو ہم نہیں جانتے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"ایک دشمن سے جو اُن کے ورے ہوگا"۔ کامیابی ہمارے کیمپ کا ساتھ دے گی۔ رہے یہودی تو ہماری مصادر میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جو اِس عالمی جنگ میں اُن کے کردار کا پتہ دے۔ لیکن وہ اِس جنگ میں الجھیں گے ضرور بلکہ اہل کتاب کے مطابق اِن کی دو تہائی تعداد تباہ ہو جائے گی باقی ایک تہائی یہودیوں کے خاتمے کا کام حضرت عیسٰیؑ کے نزول اور دجال کے قتل کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں سرانجام پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی جس حدیث میں اِس معرکہ کا تذکرہ ہے اِس کی عبارت پیش خدمت ہے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"عنقریب اہل روم (یورپ اور امریکہ) امن کی خاطر صلح کر لیں گے پھر تم ان کے ساتھ مل کر ایسے دشمن سے لڑو گے جو ان کے ورے ہے مال غنیمت حاصل کرو گے پھر تم ایک ٹیلوں والی چراگاہ میں قیام کرو گے پھر رومیوں کا ایک آدمی کھڑا ہو کر صلیب بلند کرے گا اور کہے گا کہ صلیب غالب آ گئی۔ اِس پر ایک مسلمان کھڑا ہو کر اُسے قتل کر دے گا۔ رومی عہد توڑ دیں گے۔ پھر خونریز جنگیں ہوں گی وہ تمہارے خلاف 80 جھنڈوں تلے اکھٹے ہوں گے اور ہر جھنڈے تلے 12 ہزار کا لشکر ہوگا"۔(السلۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 2607)

حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو جنگیں ہوں گی:

1- پہلی ہرمجدون کی عالمی جنگ۔ یہ وہی جنگ ہے جسے سب جانتے ہیں اور سب اِس کے منتظر ہیں۔

2- دوسرے معرکہ کو"الملاحم"اور بعض روایات میں"الملحمۃ الکبریٰ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ یہ وہی معرکہ ہے جو مسلمانوں اور اہل روم (یورپ اور امریکہ) کے درمیان ہوگا۔ یہ ہرمجدون کے بعد اُس وقت ہوگا جب اہل روم (یورپ اور امریکہ) عہد شکنی کریں گے۔

اِمام مَہدی

قیامت کی علامت صغریٰ اور علاماتِ کبریٰ کی درمیانی کڑی:

مہدی کون ہیں؟ امام مہدی جن کا انتظار ہو رہا ہے وہ حسن بن فاطمہ بنت رسول خاتم النبیین ﷺ کی اولاد میں سے اہل بیت کے ایک مسلمان نوجوان ہوں گے۔اُن کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا یعنی اُن کا نام نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے نام پر اور اُن کے باپ کا نام آپ خاتم النبیین ﷺ کے والد کے نام پر ہوگا۔ محمد بن عبداللہ مہدی کی تعریف نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اِس طرح فرمائی:

ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''مہدی میری اولاد سے ہوں گے، جو کہ کشادہ پیشانی اور بلند ناک والے ہوں گے، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی، وہ سات سال حکومت کریں گے۔'' (مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 5454)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "مہدی ہم اہل بیت میں سے ہوگا، اللہ تعالیٰ ایک رات میں اس کی اصلاح فرمائے گا"۔(مسند احمد، حدیث نمبر 12925)

ظہورِ مہدی کا وقت:- ہم امام مہدی کے منتظر ہیں۔جو ہر مجدون کی مشہور معروف جنگ کے بعد آئیں گے۔

حدیث: رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "عنقریب اہل روم (یورپ اور مغربی دنیا) امن کی غرض سے تمہارے ساتھ صلح کرلیں گے۔ پھر تم اور اہل روم اپنے پرے ایک دشمن سے جنگ کرو گے۔ پھر تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہیں مالِ غنیمت حاصل ہوگا۔ پھر تم واپس لوٹو گے اور ایک پہاڑ والی چراگاہ پر اُترو گے۔ پھر ایک عیسائی صلیب بلند کرے گا اور کہے گا کہ "صلیب غالب آگئی"۔مسلمانوں میں سے ایک مسلمان یہ سُن کر غضبناک ہوجائے گا اور وہ اُٹھ کر صلیب کو توڑ پھوڑ ڈالے گا۔جس پر اہل روم معاہدہ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جنگ کے لیے تیار ہوجائیں گے"۔(سنن ابی داؤد، جلد 4، حدیث نمبر 4292) اور تمہارے مقابلہ کے لیے اسی جھنڈوں کے ساتھ فوج لے کر آئیں گے، ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی۔(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4042)

پس ظہور مہدی کا وہی وقت ہوگا جب اہل روم عہد شکنی کریں گے اور ہمارے خلاف ایک عظیم لشکر جمع کریں گے۔

رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں کا ایک لشکر (سفیانی کا لشکر) ان سے لڑنے کے لیے بھیجا جائے گا تا کہ ان کا خاتمہ کردے۔ عجیب بات ہے کہ میری امت کے لوگ کعبہ کا قصد کریں گے تا کہ قریش کے اس آدمی کو پکڑیں جس نے بیت اللہ میں پناہ لی ہوگی۔ یہاں تک کے مدینے سے تھوڑی دور ذی الحلیفہ میں یہ لوگ زمین میں دھنس جائیں گے۔ایک یا دو لوگ بچ جائیں گے۔ جو لوگوں کو زمین میں دھنس جانے والوں کی خبر دیں گے''۔(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4063)

اُس وقت لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ بیت اللہ کا یہ پناہ گزیں خلیفۃ اللہ مہدی ہے۔وہ ایسا انسان ہے کہ اُس کے احترام اور دفاع کی خاطر اللہ تعالیٰ فوج کو زمین دوز کردے گا۔ یہ دیکھ کر لوگ جماعتوں اور گروہوں کی شکل میں اُن سے بیعت کریں گے شام کے ابدال اور صالحین اور عراق کے اولیاء اور نیک لوگوں کی جماعتیں اِن سے بیعت کریں گی۔اور اُن سب پر ان سے بیعت واجب ہوگی۔

پس ظہورِ مہدی کی یقینی علامت یہ ہے کہ جو فوج اُن کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجی جائے گی۔ وہ زمین میں دھنس جائے گی۔ یہ لشکر جو مہدی اور ان کے ساتھیوں کو ختم کرنے کے لیے نکلے گا۔ وہ پیادہ فوج پر مشتمل ہوگا۔ یہ اِس بات کی دلیل ہوگی کہ ہر مجدون والی اتحادی جنگ جو ظہورِ مہدی سے تھوڑی دیر پہلے ہوگی اُس میں میزائل، جنگی جہاز اور جنگی اہمیت کا تمام سامان تباہ ہوجائے گا گویا ٹیکنالوجی ختم ہوجائے گی۔ وگرنہ اِس لشکر کو شام سے مکہ تک صحرا نوردی کی کیا ضرورت تھی؟

مہدی اور اُن کے ساتھیوں کے پاس نہ نفری ہوگی نہ سامان جنگ ہوگا اور نہ کوئی دوسری طاقت۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی احادیث میں جو لشکر مہدی کے خلاف لڑنے کو آرہا تھا۔اُس کے زمین میں دھنس جانے کا منظر اس طرح پیش کیا گیا ہے:۔

ترجمہ: "جب مہدی کو پکڑنے کے ارادے سے لشکر تیز تیز چل رہا ہوگا تو لشکر کا درمیانی حصہ زمین میں دھنس جائے گا (اُن کے زمین میں دھنس جانے پر پچھلے لشکر کے لوگ آگے والے لوگوں کو پکاریں گے وہ پیچھے مڑ کر دیکھیں گے) تو یہ لشکر زمین میں دھنس کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہوگا اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا باقی لشکر کے ہوش

اڑ جائیں گے اِسی کے ساتھ ہی پچھلا لشکر زمین دوز ہوگا اور یہ لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے کہ اس کے بعد اگلا لشکر بھی زمین دوز ہوجائے گا" ۔تمام لشکر کے زمین میں جانے سے پہلے زمین کے اندر سے آوازوں کا شور اور گونج سنائی دے گی ۔ اِس عذاب سے صرف ایک یا دو لوگ بچیں گے جو لوگوں کو بتائیں گے کہ لشکر پر کون سی بلا کیسے نازل ہوئی؟ جونہی لشکر کے زمین میں دھنسنے کا چرچا ہوگا لوگ مشرق اور مغرب سے امام مہدی کے پاس بیعت کرنے کے لیے آئیں گے اور ان کی مدد کا وعدہ کریں گے۔ان کا نعرہ ایک ہی ہوگا "فتح یا شہادت" اس طرح مہدی کے ساتھ توحید پسندوں کا ایک لشکر جمع ہوجائے گا۔انہیں آرام اور سکون کی فرصت نہ ہوگی۔ وہ ایسے معرکوں میں کود پڑیں گے اور ایسی جنگیں کریں گے۔جن میں آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہوجائیں گی۔تلواریں چمکیں گی،گھوڑے ہنہنائیں گے اور دل اُچھل کر حلق میں آجائیں گے۔مقتولین کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی اور خون کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ گھوڑے اس خون میں کودتے پھریں گے۔ارتداد کا یہ فتنہ بہت سخت ہوگا"۔

ہم اللہ تعالی سے سلامتی اور ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔اگر ہم امام مہدی کی جنگوں پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ دنیا بھر سے اور تمام دنیا اُن سے جنگ کرے گی۔ امام مہدی جہاد کریں گے۔

1۔جزیرۃ العرب کے مسلمانوں سے	2۔فارس کے شیعہ مسلمانوں سے	3۔روم (یورپ اور امریکہ) سے	4۔روس سے
5۔لادین ترکوں سے (قسطنطنیہ میں)	6۔یہودیوں سے	7۔روما سے	8۔کمیونسٹوں سے (خورستان و کرمان میں)

ان سب جنگوں میں امام مہدی کو فتح ہوگی۔

ظہور مہدی کی علامات:

1۔عراق اور شام کا محاصرہ اور پابندی:

حدیث: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" وہ وقت دور نہیں کہ عراق والوں کے پاس روپیہ اور غلہ آنے پر پابندی لگادی جائے گی۔لوگوں نے پوچھا پابندی کون لگائے گا؟ کیا عجمی (اقوام متحدہ)۔ پھر کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا وہ وقت قریب ہے جب اہل شام پر پابندی لگا دی جائے گی۔ لوگوں نے پوچھا یہ رکاوٹ کس جانب سے ہوگی؟ فرمایا اہل روم کی جانب سے۔ پھر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" میری امت میں ایک خلیفہ ہوگا جو لوگوں کو اموال لپ بھر بھر کر دے گا اور شمار نہیں کرے گا"۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر 7315)

2۔خلیج کی جنگ (کویت پر حملہ):- حدیث: سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا" ہم رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ چھپنے والا فتنہ جس کے بعد سیاہ فتنہ اٹھے گا اور خون ریز معرکے ہوں گے اہل بیت میں سے ایک فاسق اور فاجر شخص کے ہاتھوں برپا ہوگا"۔(سنن ابی داؤد)

3۔سونے کا پہاڑ اور عراق کی جنگ:- حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ جب تک دریائے فرات سونے کے پہاڑ کے اوپر سے سرک نہ جائے گا لوگ اِس کے حصول کے لیے لڑیں گے (لڑائی اتنی شدید ہوگی کہ) ہر 100 میں سے 99 مارے جائیں گے۔اُن میں سے ہر ایک اِس اُمید پر لڑے گا۔کہ شاید میں ہی وہ بچ جانے والا ہوں"۔ (مشکوٰۃ، جلد 2 صفحہ 429)

دریائے فرات عراق میں ہے۔صدر صدام نے دریائے فرات کا منہ موڑ دیا تھا جس کی وجہ سے دریائے فرات اس طرف سے خشک ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اور وہ دن دور نہیں ہے جب دریائے فرات میں سے سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا اِس خزانے کی لالچ بُری بلا ہے۔ اِس میں کوئی خیر نہیں ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سونے سے مراد سیال سونا ہے (یعنی تیل)

4۔افغانستان پر حملہ:- حدیث: حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جب تُو دیکھے کالے جھنڈے خراساں (افغانستان) کی طرف سے آتے ہیں تو تُو ان میں شامل ہوجانا۔ کیونکہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا"۔(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4084) حضرت امام مہدی نسبتاً عرب ہوں گے لیکن وہ افغانستان میں جہاد کے لیے آئے ہوئے ہوں گے۔اور جب یہ لشکر سعودی عرب پہنچے گا تو اس میں امام مہدی بھی ہوں گے۔(مسند احمد، جلد 5 صفحہ 277)

5۔حاجیوں کا قتل:- حدیث: حضرت عمرو ابن شعیبؒ نے اپنے والد اور انہوں اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ:

ترجمہ: رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ذی قعدہ کے مہینے میں قبائل کے درمیان کشمکش اور معاہدہ شکنی ہوگی۔ چنانچہ حاجیوں کو لوٹا جائے گا اور منیٰ میں جنگ ہوگی قتل عام ہوگا۔خون خرابہ ہوگا یہاں تک کہ جمرہ عقبیٰ پر بھی خون بہہ رہا ہوگا"۔(بحوالہ المستدرک جلد4 صفحہ 549)

6۔ایک چیخ:۔ نعیم بن حمادؒ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "(ایک) رمضان میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستون کی طرح ایک علامت ظاہر ہوگی۔ اِس کے بعد شوال کے مہینے میں بلائیں آئیں گی۔ ذی قعدہ میں ہلاکت ہوگی اور ذوالحجہ میں حاجیوں کو لُوٹ لیا جائے گا۔ پھر محرم کا مہینہ ہے۔کیا بات ہے محرم کے مہینے کی"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اگر (کسی) رمضان میں ایک چیخ سنائی دے۔تو شوال میں شورشرابہ ہوگا"۔ہم نے پوچھا" یارسول خاتم النبیین ﷺ یہ چیخ کیسی ہوگی"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"15 رمضان المبارک جمعہ کی رات کو ایک دھماکا ہوگا۔ جو سونے والوں کو بیدار کردے گا۔کھڑے ہونے والوں کو بیٹھا دے گا۔شریف زادیاں اپنی خواب گاہوں سے نکل آئیں گی۔اِس سال زلزلے بہت آئیں گے۔ جب تم جمعہ کے دن (کسی بھی رمضان میں) فجر کی نماز پڑھ کر آؤ۔تو اپنے گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لینا۔ اپنی چادریں اُوڑھ لینا اور کان بند کر لینا اور جب تمہیں چیخ کا احساس ہو تو اللہ تعالی کے آگے سجدے میں گر جانا اور یہ پڑھنا سبحان الملکُ القدوس۔سبحان الملک القدوس جو ایسا کرے گا نجات پا جائے گا اور جو ایسا نہ کرے گا ہلاک ہو جائے گا"۔ (ہرمجدون)

7۔ چانداور سورج گرہن کا لگنا:۔ محمد بن علیؓ کا قول ہے کہ ہمارے امام مہدی کے آنے کی دو نشانیاں ہیں۔ جو زمین اور آسمان کی تخلیق سے لے کر آج تک نظر نہیں آئیں۔ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن لگے گا (شاید یہ وہی رمضان ہوگا جس میں چیخ سنائی دے گی)۔علم فلکیات کی رو سے چاند کو ہمیشہ مہینے کے درمیان 13، 14 اور 15 تاریخ کو گرہن لگتا ہے اور سورج کو مہینے کی آخری تاریخوں 27، 28 اور 29 کو گرہن ہوتا ہے۔اِس سال 15 رمضان کو سورج گرہن ہوگا۔ جب سے اللہ تعالی نے زمین اور آسمان کو پیدا فرمایا ہے۔کبھی ایسا نہیں ہوا کہ چاند کی پہلی تاریخ کو گرہن ہوا اور سورج کو 15 تاریخ کو گرہن ہو۔ یہ دو بہت بڑی نشانیاں امام مہدی کی آمد کی ہیں۔

تنبیہہ: اِسی علامت پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر کوئی سیارہ زمین اور چاند کے درمیان نمودار ہوا۔ تو عین ممکن ہے کہ ذرائع ابلاغ اسے چاند گرہن ہی نہ کہیں۔ اور اخباروں یا ٹی وی پر یہ خبر کسی اور انداز میں شائع ہو۔ جیسے چاند کے سامنے ایک سیارہ آ گیا وغیرہ وغیرہ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ علامت پوری ہو جائے اور ہمیں خبر بھی نہ ہو۔

8۔استاد جمال الدین نے اپنی کتاب (ہرمجدون) میں استنبول کے ایک کتب خانے میں موجود ایک نایاب مخلوط (ملاجلا مواد) کی عبارت نقل کی ہے۔جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔حضرت ابوہریرہؓ اسے بیان کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔لیکن جب اپنی موت کا احساس ہوا۔تو اِس بات سے خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں علم چھپا ہوا نہ رہ جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے اپنے خوف کا اظہار کیا اور بتایا کہ ایک خبر ہے جو مجھے معلوم ہے کہ آخری زمانے کی جنگوں میں کیا ہوگا؟ لیکن میں اِس کو بتاتے ہوئے ڈرتا ہوں۔لوگوں نے کہا کہ آپ خوف نہ کریں اور ہمیں بتائیں۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں تو وہ بتانے لگے انہوں نے فرمایا:

1)۔1300 ہجری کے عشروں میں اور ان عشروں کو ملاتے جائیں تو ساری دنیا کی جنگ لازمی ہوگی۔ پس اللہ تعالی کی مشیت بھی یہی ہوگی کہ جنگ ہو۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا ایک عشرہ یا دو عشروں کی بات ہوگی کہ ایک آدمی "جرمن" نامی ملک پر حکمران ہوگا جس کا نام "ھر" ہوگا (ہٹلر) وہ ساری دنیا پر حکومت کرنے کا ارادہ کرے گا۔ وہ برف اور خیر کثیر کے ممالک میں ہر کسی سے جنگ کرے گا روس یادوش کے سردار اُسے قتل کر دیں گے۔

2)۔1300 ہجری کی دہائیوں میں مصر میں ایک آدمی حکومت کرے گا اس کی کنیت ناصر ہوگی۔عرب اسے "عربوں کا ہیرو" کے نام سے پُکاریں گے۔ اللہ اُسے کئی جنگوں میں ذلیل اور خوار کرے گا اور اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ اللہ کو منظور ہوگا کہ اس کے پسندیدہ مہینے میں مصر کو فتح ہو جائے گی (مصر فتح ہو جائے گا)۔ بیت اللہ اور عربوں کا رب مصر کو ایک گندمی رنگ کے "سادا" (سادات) نامی ایک شخص کے ذریعے خوش کرے گا۔اس کے باپ کا نام اس سے بڑھ کر نور والا ہوگا (انور) لیکن وہ "بلاحزیں" (یروشلم) کی مسجد اقصیٰ کے چوروں سے مصالحت کرے گا۔

3)۔شام کے علاقے عراق میں ایک جابر حاکم ہوگا اس کی ایک آنکھ میں تھوڑا سا فتور ہوگا۔ اس کا نام "صدام" ہوگا۔ وہ اپنے ہر مخالف سے لڑے گا۔ ساری دنیا اس کے خلاف چھوٹے سے "کوت" میں جمع ہو جائے گی (کویت میں) اور وہ فریب خوردہ (امریکہ کا بہکایا ہوا) اس میں داخل ہوگا۔ وہ خیر بھی ہوگا اور شر بھی تباہی ہو اُس کے لیے جو مہدی امین سے خیانت کرے۔

4)۔1400 ہجری کی دہائیوں میں مہدی امین کا ظہور ہوگا۔ وہ ساری دنیا سے جنگ کریں گے۔ سب گمراہ اور غضب کے مارے لوگ (یہود و نصاریٰ) اُس کے خلاف

اٹھ کھڑے ہوں گے۔اوران کے ساتھ وہ لوگ بھی ہوں گے جونفاق کی حدِ کمال تک پہنچے ہوئے ہوں گے(یعنی فاسق اور فاجر مسلمان)اوراہل روم۔اُس دن یہ تمام لوگ پوری دنیا کوگمراہی اورکفر کی طرف بلائیں گےاس زمانے میں دنیا بھر کے یہودی اوج کمال تک پہنچے ہوئے ہوں گے۔ بیت المقدس اور پاک شہران کے قبضے میں ہوگا۔ بحروبراورفضاِ سےتمام ممالک آدھمکیں گے۔سوائے ان ملکوں کے جہاں بہت زیادہ برف پڑتی ہے یابہت زیادہ گرمی پڑتی ہے۔

"مہدی دیکھیں گے کہ دنیابڑی بڑی سازشوں کے ساتھ ان کے خلاف صف آراہیں اوروہ جانتا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیرسب سے زیادہ کارگرہوگی۔وہ جانتا ہو گا کہ ساری کائنات اس مالک حقیقی کی ہے۔سب کواسی کی طرف واپس جانا ہے۔یعنی وہ اہلِ روم اوراس کے اتحادیوں سے ہرگز نہ گھبرائے گا۔اورنہ ہی اُن کے اسلحہ سے خوف زدہ ہوگا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی بیان کرے گااوراللہ تعالیٰ کے غیرکی نفی کرے گااوروہ اُن پرانتہائی کرب ناک تیرچلائے گا۔غیبی مدد آئے گی زمین والے کافروں پرلعنت کریں گےاوراللہ تعالیٰ ہرکفرکومٹانے کی اجازت دے دے گا"۔ (حدیث ابوہریرہؓ ختم ہوئی)

9-سفیانی:　　　　سفیانی کون ہے؟

"شرح مشکوٰۃ مظاہرحق جدید"میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ: سفیانی نسلی طورپرخالدابن یزیدابن معاویہؓ ابن ابوسفیانؓ (اُموی) کی پُشت سے تعلق رکھتا ہوگا۔یہ بڑے سراورچیچک زدہ چہرے والا ہوگا۔اس کی ایک آنکھ میں سفید دھبہ ہوگا۔اس کے ساتھ قبیلہ بنوکلب کےلوگوں کی کثرت ہوگی۔لوگوں کا خون بہانا سفیانی کا مشغلہ ہو گا۔یہاں تک کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرواکران کوبھی قتل کروادے گا۔وہ جب امام مہدی کے خروج کی خبرسنے گاتوان سے جنگ کے لیےلشکرروانہ کرے گا۔اللہ تعالیٰ سفیانی کے اس لشکرکوشکست دے گا۔یہی کلب کی جنگ ہوگی۔اورخسارہ ہواس شخص کے لیے جوکلب کی غنیمت سے محروم رہا۔سفیانی چونکہ اہل روم(یورپ اورمغربی دنیا) کا تیارکردہ ایک مہرہ ہوگا۔اس لیے امام مہدی پہلے ہی اس کی ہِٹ لسٹ پرہوں گے۔یہودیوں کی نظریں بیت المقدس کی فتح کے بعداب مدینہ منورہ پرہیں۔مدینہ منورہ کی بربادی کاالمناک واقعہ یہودیوں کے تیارکردہ لیڈرسفیانی کے ہاتھوں ہوگالیکن سفیانی کا مدینہ منورہ پرقبضہ مختصرعرصے کے لیے ہوگا۔انہی دنوں حضرت امام مہدی کا ظہورہوجائے گا۔سفیانی کاایک لشکرحضرت امام مہدی کوختم کرنے کے لیےآئے گااوروہ زمین میں دھنسادیاجائے گا۔حضرت امام مہدی سفیانی کوزمین پرلٹاکربکری کی طرح ذبح کردیں گے۔اِس ذلت آمیزشکست کے بعدتمام اتحادی(اہل روم)پوری دنیاکوورغلاکرحضرت امام مہدی کے خلاف جمع کردیں گے۔

ملک شام میں "مجیدد"نامی پہاڑ کےقریب جنگ ہوگی۔جس میں مسلمانوں کوفتح عظیم حاصل ہوگی اس فتح کے بعدمسلمان ترکی کوفتح کریں گے۔پھرخلیفہ امام مہدی خزانوں کےمنہ کھول دیں گے۔لوگوں کونبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی سنت پرچلائیں گے۔اسلام خوب مستحکم ہوجائے گا۔

مسلمانوں کوپےدرپےفتح اوریہودونصاریٰ کی شکست کےنتیجے میں دجال غصّہ سےلبریزہوکرخروج کرے گا۔اپنےخروج کے بعددجال تیزتیزچل کرزمین کی سیاحت کرے گا۔اورلوگوں کوگمراہی میں ڈال کراپنے فتنوں کےشر سےلوگوں کوتکلیفیں پہنچائے گا۔لوگ بھاگ بھاگ کرپہاڑوں میں چلے جائیں گے۔

امام مہدی اوراُن کے ساتھی شام کےشہردمشق میں دجال کے ہاتھوں بُری طرح تباہ ہوکرایک پہاڑ میں محصور ہو جائیں گے۔قحط بھوک اورتکلیف ان کوناتواں کردے گی کہ اچانک کشائش کادروازہ کُھل جائے گا۔اوراللہ تعالیٰ کی مدداللہ کے دوستوں کے لیئے آجائے گی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کواللہ تعالیٰ زمین پردوبارہ نزول کی اجازت دے دیں گے۔وہ امام مہدی اوراُن کے ساتھیوں کے پاس دمشق کےمشرق میں سفید منارے کےقریب دوفرشتوں کے کندھوں پرہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔اُس وقت امام مہدی فجرکی نمازکی امامت کے لیئے کھڑے ہو چکے ہوں گے۔اقامت کہی جاچکی ہوگی۔امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کودیکھ کرپیچھے ہٹیں گے۔لیکن وہ اُن کوآگے بڑھاتے ہوئے کہیں گے کہ "اِس نمازکی اقامت تمہارے لیئے کہی جاچکی ہے اِس لیئےتم ہی نمازپڑھاؤ"۔امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اورباقی مسلمانوں کونمازپڑھائیں گے۔سلام پھیرنے کے بعدحضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ اللہ کے دشمن دجال کے مقابلے کے لیئے نکلو۔جونہی دروازہ کھولا جائے گا۔دجال بھاگ نکلے گا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس کا پیچھا کریں گےاورنیزہ مارکراُس کوختم کردیں گے۔اُس وقت دجال کے ساتھ رہنےوالے یہودیوں کومعلوم ہوگا کہ وہ رب نہ تھا۔اوریہ دیکھ کر70 ہزاریہودی بھاگ کھڑے ہوں گے۔وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام،مہدی اورمسلمانوں سے چھپ جائیں گے۔وہ جس چیز کے پیچھے چھپیں گےاللہ اُس چیزکوزبان عطافرمائے گااوروہ کہے گا "یہ میرے پیچھےفلاں یہودی ہے"۔

دجال کے خاتمے کے بعدحضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کواسلام کی دعوت دیں گے۔صلیب کوتوڑدیں گے۔بحالت خلافت حضرت امام مہدی دنیامیں سات سال یانوسال زندہ رہیں گے۔پھروفات پائیں گے۔مسلمان ان کی نمازجنازہ اداکریں گے۔ (ابوداؤد)

حضرت اِمام مَہدی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلقہ احادیث

حضرت مہدی علیہ السلام امام برحق اور بنو فاطمہ سے ہیں:-

1- اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو (امام) مہدی کا ذکر کرتے ہوئے سنا آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "مہدی حق ہے۔ (یعنی ان کا ظہور برحق اور ثابت ہے) اور وہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے"۔ (حاکم، المستدرک، 4: 600، رقم: 8671)

2۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو خود فرماتے سنا ہے "ہم عبد المطلب کی اولاد اہلِ جنت کے سردار ہوں گے۔ یعنی میں حمزہ، علی، جعفر، حسن، حسین اور مہدی رضی اللہ عنہم اجمعین"۔ (ابن ماجہ، السنن، 2: 1368، رقم: 4087)

3- ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور خاتم النبیین ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''مہدی میری عترت (اہل بیت) سے ہونگے، جو میری سنت (کے قیام) کیلئے جنگ کریں گے، جس طرح میں نے وحی الٰہی (کی اتباع) میں جنگ کی"۔ (نعیم بن حماد، الفتن، 1: 371، رقم: 1092 - سیوطي، الحاوي للفتاویٰ، 2: 74)

امام مہدی علیہ السلام کا دورِ خلافت آئے بغیر قیامت بپا نہیں ہوگی:-

1- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" میرے اہلِ بیت سے ایک شخص خلیفہ ہوگا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے "اگر دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے گا تو بھی اللہ تعالیٰ اسی ایک دن کو اتنا دراز فرمادے گا یہاں تک کہ وہ شخص (یعنی مہدی علیہ السلام) خلیفہ ہوجائے"۔ (ترمذي، الجامع الصحیح، 4: 505، رقم: 2231۔ احمد بن حنبل، المسند، 1: 376، رقم: 3571)

2- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ زمین ظلم وجور اور سرکشی سے بھر جائے گی، بعد ازاں میرے اہلِ بیت سے ایک شخص (مہدی) پیدا ہوگا جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا"۔ (مطلب یہ ہے کہ خلیفہ مہدی کے ظہور سے پہلے قیامت نہیں آئے گی) (حاکم، المستدرک، 4: 600، رقم: 8669)

امام مہدی علیہ السلام زمین پر معاشی عدل کا وہ نظام نافذ فرمائیں گے کہ اہلِ ارض وسماء سب خوش ہوں گے:-

1- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ایک بڑی آزمائش کا ذکر فرمایا جو اس امت کو پیش آنے والی ہے" ایک زمانے میں اتنا شدید ظلم ہوگا کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد میں ایک شخص کو پیدا فرمائے گا جو زمین کو عدل وانصاف سے پھر ویسا ہی بھر دیگا جیسا وہ پہلے ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔ زمین اور آسمان کے رہنے والے سب ان سے راضی ہوں گے، آسمان اپنی تمام بارش موسلا دھار برسائے گا اور زمین اپنی سب پیداوار نکال کر رکھ دے گی یہاں تک کہ زندہ لوگوں کو تمنا ہوگی کہ ان سے پہلے جو لوگ تنگی وظلم کی حالت میں گذر گئے ہیں کاش وہ بھی اس سماں کو دیکھتے اسی برکت کے حال پر وہ سات یا آٹھ یا نو سال تک زندہ رہیں گے"۔ (حاکم، المستدرک، 4: 512، رقم: 8438 - نعیم بن حماد، الفتن، 1: 258، رقم: 1038)

تمام اولیاء وابدال امام مہدی علیہ السلام کے دستِ اقدس پر بیعت کریں گے:-

1- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، "میری امت کے ایک شخص (مہدی) سے رکنِ حجر اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان اہلِ بدر کی تعداد کے مثل (یعنی 313) افراد بیعتِ خلافت کریں گے۔ بعد ازاں اس امام کے پاس عراق کے اولیاء اور شام کے ابدال (بیعت کے لئے) آئیں گے"۔ (حاکم، المستدرک، 4: 478، رقم: 8328)

2- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسولِ اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" (امام) مہدی میرے اہلِ بیت سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے ایک ہی رات میں صالح بنا دے گا (یعنی اپنی توفیق وہدایت سے ایک ہی شب میں ولایت کے اس بلند مقام پر پہنچا دے گا جو اس کے لئے مطلوب ہوگا"۔ (ابن ماجہ، السنن، 2: 1367، رقم: 4085 - احمد بن حنبل، المسند، 1: 84، رقم: 645)

امام مہدی علیہ السلام کے ذریعے دین کو غلبہ، استحکام اور خوش حالی نصیب ہوگی:-

1- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا "اے فاطمہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا بے شک ان دونوں یعنی حسن وحسین رضی اللہ عنہما (کی اولاد) میں سے اس امت کے مہدی پیدا ہونگے۔ جب دنیا فتنہ و فساد کا شکار ہوجائیگی اور فتنوں کا ظہور ہوگا، اور راستے کٹ جائیں گے اور لوگ ایک دوسرے پر حملہ آور ہونگے۔ کوئی بڑا چھوٹے پر رحم نہیں کرے گا اور کوئی چھوٹا بڑے کی عزت نہیں کرے گا تو اللہ رب العزت اس وقت ان دونوں (حسن وحسین کی اولاد) میں سے ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جو گمراہی کے قلعوں کو فتح کریں گے اور بند دلوں کو کھولیں گے اس امت کے آخری زمانے میں دین کو قائم کریں گے جس طرح میں نے (اس امت کے) ابتدائی زمانے میں قائم فرمایا ہے اور وہ زمین کو عدل سے بھر دیں گے جس طرح پہلے وہ ظلم سے بھری ہوگی"۔ (سیوطي، الحاوي للفتاوی، 2:66، 67-طبراني، المعجم الكبير، 3:57، رقم:2675)

2- امام مجاہد (مشہور تابعی) ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "نفس زکیہ" کے قتل کے بعد ہی خلیفہ مہدی کا ظہور ہوگا۔ جس وقت نفس زکیہ قتل کردیے جائیں گے تو زمین وآسمان والے ان قاتلین پر غضب ناک ہوں گے۔ بعدازاں لوگ (امام) مہدی کے پاس آئیں گے اور انہیں دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کریں گے اور (امام) مہدی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ (ان کے زمانہ خلافت میں) زمین اپنی پیداوار اگا دے گی اور آسمان خوب برسے گا اور میری امت پر ان کی ولایت وسلطنت میں اس قدر نعمتیں نازل ہوں گی کہ اتنی نعمتوں سے اسے پہلے کبھی نہیں نوازا گیا ہوگا"۔ (ابن ابي شيبه، المصنف: 7:514، رقم: 37653)

(ضروری وضاحت: ایک نفس زکیہ محمد بن عبداللہ بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے خلیفہ منصور عباسی کے خلاف 245ھ میں خروج کیا تھا اور شہید ہوئے تھے۔ حدیث بالا میں مشہود "نفس زکیہ" سے مراد یہ نہیں ہیں بلکہ اس نام کے ایک اور بزرگ ہوں گے جو ظہور امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے قبل ہوں گے۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی امام مہدی علیہ السلام کی اقتداء میں نماز ادا فرمائیں گے:-

1- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تم لوگوں کا اس وقت (خوشی سے) کیا حال ہوگا۔ جب تم میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام (آسمان سے) اُتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا"۔ (بخاري، الصحيح، 3:1272، رقم:3265-مسلم، الصحيح، 1:136، رقم:155)

2- حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "دین کے کمزور ہوجانے کی حالت میں دجال نکلے گا اور دجال سے متعلق تفصیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا بعدازاں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام (آسمان سے) اتریں گے اور بوقت سحر (یعنی صبح صادق سے پہلے) آواز دیں گے "اے مسلمانو! تمہیں اس جھوٹے خبیث (دجال) سے مقابلہ کرنے میں کیا چیز مانع ہے"؟ تو لوگ کہیں گے "یہ کوئی جناتی مخلوق ہے"۔ پھر آگے بڑھ کر دیکھیں گے تو انہیں عیسیٰ علیہ السلام نظر آئیں گے۔ پھر نماز فجر کے لیے اقامت ہوگی تو ان کا امیر کہے گا "اے روح اللہ! امامت کے واسطے آگے تشریف لایئے"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے "تمہارا امام ہی تمہیں نماز پڑھائے" (اور اس وقت کے امام سیدنا مہدی ہوں گے)۔ جب لوگ نماز سے فارغ ہوجائیں گے تو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں) دجال سے مقابلہ کے لیے نکلیں گے۔ دجال جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو (خوف کے مارے) نمک کے پگھلنے کی طرح پگھلنے لگے گا"۔ (احمد بن حنبل، المسند، 3: 444، رقم:14997)

امام مہدی علیہ السلام کی اطاعت واجب اور تکذیب کفر ہوگی:-

1- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "(امام) مہدی تشریف لائیں گے اور ان کے سر پر عمامہ ہوگا۔ پس ایک منادی یہ آواز بلند کرتے ہوئے آئے گا کہ یہ مہدی ہیں جو اللہ کے خلیفہ ہیں۔ سوتم ان کی اتباع وپیروی کرنا"۔ (سیوطي، الحاوي للفتاوي، 2: 61-طبراني، مسند الشاميين، 2:71-ديلمي، الفردوس، 5:510)

امام آخرالزماں، مہدی الارض والسماء ہوں گے اور ان کے لئے آسمانی وزمینی علامات کا ظہور ہوگا:-

1- حضرت سلمان بن عیسیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بحیرہ طبریہ سے (امام) مہدی کے ذریعے تابوت سکینہ ظاہر ہوگا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس میں آپ کے سامنے اسے اٹھا کر رکھ دیا جائیگا۔ جب یہود اس (تابوت) کو دیکھیں گے تو چند لوگوں کے سوا تمام اسلام قبول کرلیں گے"۔ (سیوطي،

الحاوي للفتاوىٰ،2:83-نعیم بن حماد، الفتن،1:360،رقم:1050)

2- حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا"امام مہدی کے خروج (ظہور) سے پہلے جانبِ مشرق سے ایک ستارہ طلوع ہوگا جسکی چمکتی ہوئی دم ہوگی"۔(سیوطي، الحاوي للفتاوىٰ،2:82-نعیم بن حماد، الفتن،1:229رقم:642)

3- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا"جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ پرچموں (کا قافلہ) آتے ہوئے دیکھو تو اس میں ضرور شامل ہو جانا اگرچہ برف پر گھسٹ کر آنا پڑے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی ہوں گے"۔(ابن ماجہ، السنن،2: 1367،رقم:4084-احمد بن حنبل، المسند،5:277،رقم:22441-نعیم بن حماد، الفتن،1:311،رقم:896)

امام مہدی علیہ السلام روئے زمین پر بارھویں امام اور آخری خلیفۃ اللہ ہوں گے:-

1- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''یہ دین قائم رہے گا یہاں تک کہ تم پر بارہ خلفاء ہونگے۔ان تمام پر امت مجتمع ہوگی"-پھر میں نے حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ سے (کچھ) گفتگو سنی جسے میں سمجھ نہ سکا۔تو میں نے اپنے باپ سے عرض کیا۔آپ خاتم النبیین ﷺ کیا ارشاد فرما رہے ہیں میرے باپ نے بتایا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے''وہ تمام (بارہ خلفاء) قریش سے ہونگے۔''(ابوداؤد، السنن،4:106،رقم:4289)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفتاویٰ میں ابوداؤد کی مذکورہ بالا روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں امام مہدی پر ایک باب باندھا ہے جس کے شروع میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اسے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت درج فرمائی ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا"یہ دین قائم رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء ہونگے جن پر یہ امت مجتمع ہوگی''اور ایک دوسری روایت میں ہے ''یہ دین بارہ خلفاء تک غالب رہے گا۔اور وہ تمام خلفاء قریش سے ہونگے''-

امام ابوداؤد نے گویا یہ باب باندھ کر علماء کے اس قول کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ امام مہدی ان بارہ خلفاء میں سے ایک ہیں۔امام سیوطی نے اس سے واضح طور پر یہ استنباط فرمایا ہے کہ امام مہدی روئے زمین پر بارھویں اور آخری امام ہوں گے- ابوداؤد، امام مہدی کے بارے باب کا آغاز ان دو احادیث سے کر کے پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث لائے ہیں کہ''امام مہدی میری عترت اور اولاد فاطمہ سے ہوں گے''اور اس سے پہلے وہ حدیث بھی لائے ہیں جس میں ارشاد ہے کہ قیامت میں سے خواہ ایک ہی دن کیوں نہ بچ جائے اللہ رب العزت میری اہل بیت میں سے ایک شخص (مہدی) کو بھیجے گا جو زمین کو عدل سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم سے بھر دی گئی تھی"۔(سیوطي، الحاوي للفتاوي،2:85-ابوداؤد، السنن،4:106،رقم:4279)

بارہ امام:-

1-حضرت علی رضی اللہ عنہ
2-حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ
3-حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
4-حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ
5- حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ
6- حضرت امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ
7-حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ
8-حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ
9-حضرت امام محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ
10-حضرت امام علی تقی رحمۃ اللہ علیہ
11- حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ
12- حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

غزوہ ہند

سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 5-4 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ: "اور ہم نے آگاہ کر دیا تھا بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم ضرور فساد برپا کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم (احکام الٰہی سے) بڑی سرکشی کرو گے۔ پس وہ گھس گئے تمہاری آبادیوں میں اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ تو پورا ہو کر ہی رہنا تھا"۔

سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 6 ترجمہ: "پھر ہم نے پلٹا دیا زمانے کی گردش کو (ہم نے کرم کیا) ہم نے قوت دی تمہیں اولاد کی کثرت اور مال کی کثرت سے اور ہم نے تمہاری انفرادی قوت میں اضافہ کیا"۔

سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 7 ترجمہ: "اگر تم اچھے کام کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے ہی نفسوں کو ملے گی"۔

پس جب آ گیا دوسرا وعدہ (دوسرے وعدے کی گھڑی آ گئی) (آیت نمبر 7 جاری ہے اور اس کے ساتھ ہی آیت نمبر 7 کا ترجمہ ہے)

بعض علماء کرام نے اس آیت کو ماضی سے متعلق کہا ہے اور بعض نے مستقبل سے متعلق۔ اگر ماضی سے متعلق ہو تو جب دوسرے وعدے کی گھڑی آئی تو بعضوں کو تم پر مسلط کر دیا۔ اگر مستقبل سے متعلق ہو تو۔۔۔۔۔۔ترجمہ: "جب دوسرے وعدے کی گھڑی آئے گی تو تم پر اوروں کو مسلط کر دیں گے اور تمہیں مار مار کر (تمہارے کرتوتوں، تمہارے مظالم، تمہاری نافرمانیوں، تمہاری بغاوتوں اور تمہارے ظلم اور استحصال کی سزا کے طور پر مار مار کر) تمہارے چہرے بگاڑیں دیں گے۔ تاکہ وہ مسجد اقصیٰ میں اس طرح داخل ہوں غالب اور فاتح ہو کر جیسے اس میں حملہ آور پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے۔ تاکہ جس جگہ غلبہ پائیں اسے تباہ اور برباد کر ڈالیں"۔

یہ وہ آیت ہے آیت نمبر 7 جس کی مفسرین نے بہت سی تعبیرات بتائی بیان کیں ہیں۔ اس آیت کا بیان ایک پیشنگوئی ہے۔ اس لیے آئمہ کرامؒ نے اس موضوع پر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اکابرین کے حوالے سے مختلف تعبیرات اور مختلف اطلاقات بیان کیے ہیں کہ اس آیت کی application کس واقعہ پر ہوتی ہے۔ اس میں ایک تعبیر جو امام ابن جریر طبریؒ نے جامع البیان (تفسیر طبری) میں روایت کی ہے اور یہ روایت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ایک صحابی حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ راوی ہیں اس حدیث کے اور امام ابن جریرؒ (جامع البیان) اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس کی تفسیر (الدر المنثور) میں بیان کرتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے جو تفسیر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی اس آیت کی لی ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جو اس آخری آیت میں ہے۔

"اگر تم پھر لڑائی کرو گے تو پھر اور لوگوں کو تم پر دوبارہ مسلط کر دیا جائے گا۔ جو مار مار کر تم کو تمہارے ظلم ستم کا بدلہ دیں گے اور تمہارے منہ بگاڑ دیں گے اور اس طرح فاتح اور غالب ہو کر مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں داخل ہوں گے جیسے پہلے والے لوگ داخل ہوئے تھے"۔ اس پر وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا یہ اشارہ دوبارہ فاتح اور غالب ہو کر بیت المقدس میں داخل ہونے کا امام مہدی کی طرف ہے کہ وہ اپنے زمانے میں بیت المقدس کو فتح کریں گے اور بیت المقدس کو فتح کر کے اس کی عزت اور اس کی رونق اور اس کی آبادی اور اس کے مقام کو لوٹا دیں گے اور اس کے جو خزانے مدتوں سے لٹ چکے ہوں گے ان کو اس کی طرف لوٹا دیں گے۔

خاص بات اس بیت المقدس کی فتح میں جو امام مہدی کے ہاتھوں ہوگی یہ ہوگی کہ اس میں 1700 جنگی بیڑے استعمال ہوں گے۔ "سفینہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جہاز یا کشتیاں نہیں۔ سفینہ میں ایک بڑا جہاز کئی چھوٹے چھوٹے جہازوں کو لے کر چلتا ہے۔ آج کل کی زبان میں اسے "بحری بیڑہ" کہتے ہیں تو 1700 بحری بیڑے استعمال ہوں گے۔ اب اس میں دو باتیں توجہ طلب ہیں:

1- ایک یہ کہ امام مہدی جب تشریف لائیں گے تو القدس یروشلم (بیت المقدس) فتح ہوگا۔ حضرت امام مہدی کا زمانہ خلافت سات سے نو برس بھی بتایا گیا ہے اور 20 برس بھی بتایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر آپ 20 سال حکومت کریں گے مگر اس میں سات سال یا نو سال کا عرصہ وہ ہوگا جب آپ "خلیفۃ اللہ الی الارض" کے مرتبے پر پہنچ جائیں گے یعنی سات سے نو سال پوری دنیا پر آپ کی حکومت ہوگی۔ اسلام ایک سپر پاور بن جائے گا۔ آپ کی حکومت میں capital بیت المقدس ہوگا۔

2- دوسری بات جب امام مہدی کی قیادت میں بیت المقدس فتح ہوگا تو اس میں 700 بحری بیڑے استعمال ہوں گے ابھی تک تو دنیا کے حالات دور دور تک بھی اس بات کا اس تصور کا اشارہ نہیں دے رہے کہ امت مسلمہ 700 جنگی بیڑے بنانے کی پوزیشن میں آ گئی ہے یعنی ابھی اتنا وقت درکار ہے جس میں تغیرات زمانہ بڑی بڑی تبدیلیاں لائیں گے۔ بڑی بڑی طاقتیں ختم ہوں گی---آج جن کی گردنیں اکڑی ہوئی ہیں وہ جھکیں گی---بڑی طاقتوں کا خمار خاک میں ملے گا---کئی طاقتیں ابھریں گی اور کئی مٹیں گی---اس وقت جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے حضرت امام مہدی کی آمد اور اس وقت کے واقعات میں اس طاقت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس بڑی طاقت کا ذکر نہ ملنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس زمانے کے آنے تک یہ طاقت مٹ چکی ہوگی اور مغربی دنیا کی طاقت کا توازن یورپ کے پاس ہوگا اور یورپ

کا کیپیٹل روم ہوگا جو اٹلی کا دارالحکومت ہے۔تو سیدنا امام مہدی بیت المقدس فتح کریں گے اور دوسری بات یہ کہ جب آپ تشریف لائیں گے تو تین شخصیات بیک وقت ظہور پذیر ہوں گی: سب سے پہلے امام مہدی۔۔۔ پھر ان کی زندگی میں دجال۔۔۔اور پھر دونوں کے موجودگی میں حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

1-حضرت امام مہدی:- حضرت امام مہدی کی پیدائش مدینے میں ہوگی۔آپ 30 سے 40 سال کا عرصہ وہاں ہی یعنی مدینے میں ہی گزاریں گے۔اس کے بعد حج کے موقع پر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آپ کے دست اقدس پر 313 اکابرامت بیعت کریں گے اور پھر مشائخ علاامت بھی بیعت کریں گے۔

سیدنا امام مہدی جب ظہور فرمائیں گے تو اس پہلے تین بڑے خسف ہوں گے۔مشرق،مغرب اور عرب کے اندر۔اتنے بڑے زلزلے بیک وقت آئیں گے کہ زمین کے بیشتر حصے دھنس جائیں گے۔آپ سے قبل سورج ایک خاص نشانی کے ساتھ طلوع ہوگا۔یہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا نہیں ہوگا یہ ایک اور نشانی ہے۔مشرق کی طرف سے ایک ستارہ بہت لمبی دم والا اور بہت روشن طلوع ہوگا۔دیر تک پوری دنیا اس کو دیکھے گی۔اس سال رمضان المبارک کو پہلی تاریخ کو سورج گرہن ہوگا۔ایک ہی رمضان میں دوبار چاند گرہن ہوگا۔

جس سال حج کے موقع پر حجرہ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان امام مہدی کی بیعت ہوگی۔اُسی حج پر منیٰ کے موقع پر ایک بہت بڑی جنگ ہوگی۔قبائل کے درمیان مقابلہ ہوگا۔بہت بڑا خون خرابہ ہوگا اور بہت زیادہ تباہی آئے گی۔لوگ امام مہدی کی پناہ میں آجائیں گے۔آپ کی بیعت کے بعد فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگا۔سرزمین عرب پر حضرت امام مہدی کی حکومت قائم ہوجائے گی۔عرب کی زمین پر حکومت قائم کرنے کے بعد حضرت امام مہدی ملک شام کی طرف روانہ ہوں گے۔
اس وقت سفیانی نامی ایک شخص جس کا تعلق یزید کے قبیلہ سے ہوگا وہ ملک شام کے علاقے سے اٹھے گا اور کوفہ عراق کے سارے شہروں میں ہزاروں افراد کو قتل کرتا ہوا ایک لاکھ افراد کو اپنے معرکہ میں شہید کردے گا۔سفیانی کے معرکہ کا بدلہ لینے کے لیے ایک لشکر سیاہ رنگ کے جھنڈے لے کر خراساں کے مشرقی جانب سے نکلے گا۔وہ لشکر جنگ کرتے ہوئے آگے بڑھے گا۔اس لشکر کی قیادت خاندان بنوتمیم کا ایک نوجوان شعیب بن صالحہ تیمی کر رہا ہوگا۔یہ سفیانی لشکر کے ساتھ جنگ کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے گا اور ملک شام سے بیت المقدس تک سارے علاقوں کو فتح کرلے گا۔

ادھر سفیانی کو خبر ہوگی کہ امام مہدی مدینہ سے مکہ آگئے ہیں وہ ایک بہت بڑا لشکر آپ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجے گا۔وہ لشکر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام پر زمین میں دھنس جائے گا۔یہ خبر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی درجنوں حدیثوں کی تصدیق کرے گی کہ حضرت امام مہدی کے ظہور پر ان کو ختم کرنے کے لیے آنے والا لشکر زمین دوز ہوجائے گا۔یہ خبر مشہور ہوتے ہی ملک شام سے لشکر اور 40 ابدال پوری دنیا سے یکجا ہوجائیں گے اور سرزمین عراق کے کل اولیاء چل پڑیں گے اور یہ سب لوگ مکہ معظّمہ آکر حضرت امام مہدی سے بیعت کریں گے۔پھر یہ عظیم لشکر جرار امام مہدی کی قیادت میں شام اور قسطنطنیہ روانہ ہوں گے۔آپ عالمی خلافت کے سلسلے میں جائیں گے۔آپ ہجرت فرما کر القدس (بیت المقدس) تشریف لے جائیں گے۔آپ کا کیپیٹل القدس ہوگا۔آپ اللہ کے آخری خلیفہ اور امام ہیں۔آپ عالمگیر خلیفہ امت ہیں۔آپ سر پر عمامہ باندھتے ہوں گے۔(اگر دیکھا جائے تو ابھی مکہ اور مدینہ میں عماموں کا کلچر ہی نہیں آیا ہے۔)
حضرت امام مہدی اس صدی کے مجدد اعظم اور مجدد آخیری ہوں گے۔

ایک حدیث میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالی انہیں اس امت کا غوث بنا کر معبوث فرمائے گا"۔آپ اس امت کے آخیری غوث ہوں گے اور یہ ان کا روحانی درجہ ہوگا اور یہ غوث "غوثیت کبری" اور "ولایت عظمی" ہوگی۔

یہ غوث کا وہ درجہ نہیں ہوگا جو ہر زمانے میں کائنات کے غوث کا ہوتا ہے (یہ غوثیت صغریٰ ہے) حضرت امام مہدی "غوثیت کبری" اور "ولایت عظمی" پر فائز ہوں گے۔یہ اس وقت کائنات کے غوث اعظم ہوں گے۔

2- دجال:- امام مہدی کے زمانے میں دجال شام اور عراق کے درمیان اصفہان کے قریب ایک مقام سے نکلے گا۔یہ یہودیہ نامی بستی سے نکلے گا اور یہ جوان ہوگا۔حضرت امام مہدی بھی جوان ہوں گے۔دجال کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا یعنی ک۔ف۔ر۔۔۔۔اس کو پڑھا لکھا اور ان پڑھ ہر کوئی پڑھ لے گا۔جس سواری پر سوار ہوگا اس کے لیے لفظ حمار استعمال کیا گیا ہے۔عام ترجمہ کرنے والوں نے حمار کا روٹین کا ترجمہ کرتے ہوئے گدھا لکھ دیا کہ یہ دجال گدھے پر سوار ہوگا لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ دور اول تو گدھوں کا نہیں ہوگا۔دوسرے یہ کہ پوری دنیا کا دفعتاً راؤنڈ وہ گدھے پر نہیں کرسکے گا۔

ایک بات یہ بتائی گئی کہ اس کی سواری کے دونوں کانوں کے درمیان 40 بالشت کا فیصلہ ہوگا۔اب ایک بالشت 9 انچ کی ہوتی ہے۔40 ہاتھ بالش کا مطلب 30 فٹ۔۔۔

کان سے مراد اس کے پر لگتے ہیں۔اور یہ اشارہ جہاز کی طرف ہے۔گدھا علامتاً اس لیے کہا ہے کہ اس کے کان کھڑے ہوتے ہیں۔ ہاتھی یا کئی جانوروں کے کان نیچے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔اشارہ تیز رفتار جہاز کی طرف دیا جارہا ہے۔ یہ سیارہ نما جہاز ہوگا جو پوری دنیا کا راؤنڈ کروادے گا۔تیزی سے پوری دنیا میں جائے گا۔ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہوگی۔ یہ ہر طرف فساد پھیلائے گا سوائے مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے۔

اس وقت مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ کے باہر سات دروازے ہوں گے اور فصیل ہوگی (ابھی تو فصیلوں کا دور نہیں آیا ہے) سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر ایک فرشتہ ہوگا اور دجال ان مقامات کے اندر نہ جاسکے گا۔کل منافق جو مکہ اور مدینہ میں ہوں گے دجال کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس کی فوج میں داخل ہوجائیں گے۔دجال پہلے نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر خدائی کا دعویٰ کرے گا۔

3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام:- تیسری ہستی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کی مسجد اموی کے مشرقی منارے پر یا بیت المقدس میں ہوگا۔نماز فجر کا وقت ہوگا۔اقامت ہوچکی ہوگی۔اس وقت امت مسلمہ کے امیر امام مہدی ہوں گے۔حضرت امام مہدی حضرت عیسیٰؑ کو پہچان کر پیچھے ہٹنا چاہیں گے لیکن حضرت عیسیٰؑ کہیں گے کہ اس نماز کی اقامت آپ کے لیے ہوچکی ہے اور آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ "نہیں اس وقت امام آپ ہیں"-اور خود امام مہدی کے اقتدا میں نماز فجر ادا کریں گے۔نماز کے دوران جب رکوع سے اٹھیں گے تو "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کے ساتھ کہیں گے "قَتَلَ اللهُ الدَّجَالَ وَ فَضَّلَ الْمُؤمِنِينَ"۔ اللہ تعالیٰ نے دجال کو قتل کردیا اور مومنوں پر فضل کیا (غالب کیا۔)

نماز سے فارغ ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سامنے کا دروازہ کھولیں گے۔دجال سامنے 70 ہزار مسلح یہودیوں کے ساتھ کھڑا ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی دجال بھاگ کھڑا ہوگا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی تعاقب کریں گے اور مقام "لُد" پر دجال کو تلواروں کے ساتھ قتل کردیں گے۔" لُد" فلسطین میں ایک جگہ ہے ایک بستی کا نام لُد ہے۔قربان جائیں ہم اپنے نبی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ پر کے 1400 سال پہلے اس بستی کا نام بتادیا۔دجال مقام لُد پر مارا جائے گا۔آج کل مقام لُد پر یہودیوں نے ایک چھوٹا سا ایئر پورٹ بنادیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دجال سے فارغ ہوں گے تو یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا۔

قسطنطنیہ آج استنبول ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "ترکوں کے ساتھ بھی جنگ ہوگی اور ترکی بھی فتح کیا جائے گا"۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ابھی تو ترکی مسلمانوں کے پاس ہے تو جب امام مہدی فتح کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت یہاں حالات بدل چکے ہوں گے اور قسطنطنیہ روم کا کیپیٹل ہوگا۔گویا آج کا استنبول یورپ کا حصہ بننے کی طرف جارہا ہے۔ترکی نے یورپ میں شامل ہونے کے لیے apply کر رکھا ہے۔انہوں نے 10 سال consideration کے لیے دیے ہوئے ہیں۔وہ لوگ کیا دیکھیں گے؟ دیکھنا یہ ہوگا کہ 10 سالوں میں کس حد تک یہ لوگ اپنا دین اور ایمان ختم کرتے ہیں۔

حضرت امام مہدی کی فوج کی سب سے بڑی چھاؤنی دمشق ہوگا اور قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد پھر آپ بیت المقدس فتح کریں گے۔پھر روم فتح ہوگا۔اس کے بعد حضرت امام مہدی اپنی افواج سندھ اور ہند کو فتح کرنے کے لیے بھیجیں گے (سندھ "پاکستان" اور ہند "ہندوستان") گویا پاکستان اور ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے بھیجیں گے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہند کا غزوہ ہوگا۔یہ قرب قیامت اور "ادوار فتن" کی فتوحات کا زمانہ ہوگا"۔(سنن نسائی صفحہ 438، حدیث نمبر 3175)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہم سے ہند کے غزوے کا وعدہ فرمایا اور فرمایا کہ "ہند کے غزوہ میں اگر میں زندہ رہا تو اپنی جان و مال خود خرچ کروں گا اور اگر غزوہ ہندوستان میں میں شہید ہوگیا تو افضل الشہداء ہوں گا اور اگر بچ گیا تو اس جنگ سے بچنے والے دوزخ سے آزاد کردیے جائیں گے"۔

سوال یہ ہے کہ یہ غزوہ کیسے ہوگا؟ غزوہ تو وہ ہوتا ہے جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ خود شریک ہوں تو جواب یہ ہے کہ اس میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی روحانی شرکت ہوگی۔اسی طرح دوسری حدیث سے روایت ہے حدیث نمبر 31,73,74

نسائی شریف کی تیسری حدیث زمانے کا تعین کررہی ہے۔سنن نسائی صفحہ 438 حدیث نمبر 3177 فرمایا "دو لشکر ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ سے آزاد کردیا ہے۔ایک لشکر ہند میں جہاد کرنے والا اور دوسرا لشکر اُدھر حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والا"۔

یہ حدیث مبارکہ ایک وقت میں دو لشکروں کا ذکر کررہی ہے۔

اب ہند میں حضرت عیسیٰؑ نہیں آئیں گے جبکہ ہندوستان کی طرف لشکر حضرت امام مہدی بھیجیں گے جو ہندوستان، سندھ یعنی پاکستان اور پھر چائنہ فتح کرے گا۔ یہ پورا خطہ حضرت امام مہدی کے لشکر فتح کریں گے اور ہندوستان کے بادشاہ پابند سلاسل کرکے حضرت امام مہدی کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔حدیث بتارہی ہے کہ بیک وقت

دو لشکر جہاد میں شریک ہوں گے۔ادھر ہندوستان میں مہدی کا لشکر اور ادھر یہودیوں اور منافقوں کے قتل کے لیے حضرت عیسیٰؑ کا لشکر۔فرمایا کہ یہ دو لشکر ایسے ہوں گے کہ جو شہید ہو گیا وہ افضل الشہدا ہوگا اور جو بچ گیا وہ دوزخ کی آگ سے بچنے کا پروانہ پائے گا۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا ابھی وہ وقت آ گیا ہے۔ابھی تو ہندوستان سپر پاور بن چکا ہے۔ادھر چائنہ بڑا ہوتا جا رہا ہے۔پوری دنیا کی نصف آبادی صرف ان دو ملکوں چائنہ اور ہندوستان میں آ گئی ہے۔ٹیکنالوجی میں انڈیا امریکہ سے آگے نکل گیا ہے۔اب امریکہ نے اپنی یونیورسٹی کے کیمپسز انڈیا میں کھولنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور نارتھ امریکہ نے انڈیا کو انگلش speaking کنٹری میں شامل کر دیا ہے۔ابھی تو چائنہ اور ہندوستان کا ایک مقابلہ چل رہا ہے۔اور پاکستان اپنے حال پر ہی کھڑا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت المقدس میں اسلام کا عالمی ہیڈ کوارٹر قائم ہو جائے گا تو امام مہدی ہند کے لیے، پاکستان کے لیے، چائنہ کے لیے، اپنی فوج کیوں بھیجیں گے؟اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لشکر وہ اس لیے بھیجیں گے کہ جب قسطنطینیہ کا جہاد ہوگا "الملحمۃ الکبری" "world war" اس میں امام مہدی کے خلاف مغرب سے بھی فوجیں آئیں گی، روم اور شام سے بھی فوجیں آئیں گی۔امام مہدی سے لڑنے کے لیے اور مشرق سے بھی آئیں گی اور مشرق کے طاقت ور ترین ملک اس وقت انڈیا اور چائنہ ہوں گے۔تو مشرق کا مطلب ہے انڈیا (ہندوستان)

یعنی یہودیوں کو بچانے کے لیے، القدس کو بچانے کے لیے، قسطنطنیہ کا یورپین کیپیٹل بچانے کے لیے چائنہ بھی اور انڈیا بھی اپنی تمام تر طاقتیں اس عالمی جنگ میں اپنی فوجیں جھونک دیں گے۔(امام مہدی کے خلاف) لہذا قسطنطنیہ فتح کر لینے کے بعد امام مہدی ان فوجوں کی طرف لشکر فوج بھیجیں گے جو روم، مشرق، چائنہ اور انڈیا سے آئیں تھیں ان سے بدلہ لینے کے لیے اپنی فوجیں ادھر بھیجیں گے۔

حجاز کی فوجیں حضرت امام مہدی کے لشکر کا حصہ ہوں گی۔اس عالمی جنگ میں چھ لاکھ افراد مارے جائیں گے اور فتح امام مہدی کی ہوگی۔(سنن ابوداؤد، جلد 2، صفحہ 426 حدیث 4238)

جنگ عظیم، قسطنطنیہ کی فتح، دجال کا نکلنا، یہ اکٹھے تینوں پوائنٹ 7 ماہ میں ہوں گے۔ان میں زیادہ زمانہ اور فاصلہ نہیں ہوگا۔چنانچہ یہ تمام فتوحات مکمل ہوں گی۔جس میں فتح قسطنطنیہ، فتح شام پھر فتح بیت المقدس ہے، پھر فتح ہندوستان ہے، فتح سندھ اور پاکستان ہے، فتح چائنہ ہے، فتح روم ہے۔یعنی مشرق اور مغرب کے تمام علاقے امام مہدی کی عالمی خلافت اسلامیہ کا حصہ بن جائیں گے۔جب یہ فتوحات ہو چکی ہوں گی تو امام مہدی 14 سال القدس کے کیپیٹل میں رہیں گے۔تو ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس وقت ہندوستان کے حکمران پابند سلاسل پیش ہوں گے۔40 سال کی عمر میں آپ یہ فتوحات کریں گے۔40 سال آپ اور حیات رہیں گے۔بہت سی احادیث کو جمع کریں تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی عمر 80 برس ہوگی۔حضرت عیسی علیہ السلام اپنے نزول کے بعد 40 سال رہیں گے اور شادی کریں گے اور آپ کی اولاد ہوگی۔آپ علیہ السلام سارے معرکے مکمل کرنے اور فرائض کی انجام دہی کر لینے کے بعد حرمین شریف آئیں گے۔حج اور عمرہ کریں گے، روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر حاضری دیں گے، آپ خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کریں گے تو اندر سے آپ خاتم النبیین ﷺ کا جواب آئے گا، مدینے ہی میں حضرت عیسی علیہ السلام کی وفات ہوگی اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کے ساتھ تیسری قبر حضرت عیسی علیہ السلام کی بنائی جائے گی۔

پھر افریقہ کے حکمران اور حبشہ کے حکمران حملہ کریں گے کعبۃ اللہ کو منہدم اور مدینے کو غیر آباد کر دیں گے۔مدینہ منورہ کا غیر آباد کر دیا جانا اور کعبۃ اللہ کا ویران کر دیا جانا یہ اہل اللہ اولیاء اللہ کے مکشوفات میں سے ہے۔اور خصوصی رازوں میں سے ہے کہ کعبۃ اللہ کو منہدم کر کے اور مدینہ کو غیر آباد کر کے قیامت سے پہلے ان دونوں کے اوپر اٹھا لیا جائے گا۔قیامت نہ کعبہ پر آئے گی، نہ روضہ مصطفی خاتم النبیین ﷺ پر۔۔۔کعبۃ اللہ کو اٹھا کر اسی طرح آسمان پر رکھا جائے گا جیسے بیت المعمور کو سنبھال کر رکھا ہے۔۔۔جیسے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کو رکھا ہے۔۔۔جیسے حضرت ادریس علیہ السلام کو رکھا ہے۔۔۔اسی طرح ساری کائنات کو، روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ کو، مدینہ کی اس بستی کو، اس حصے کو اٹھا لیا جائے گا۔

علامات قیامت میں سے کچھ باتیں وہ ہوتی ہیں جو اللہ تعالی اپنے خواص کو بذریعہ ملاء اعلی (ایک الگ چینل ہے جو کتابوں میں نہیں ہوتا وہاں سے) عطا کرتا ہے۔ایک دروازہ کھلتا ہے۔فتوحات کا نزول ہوتا ہے۔حکمت اترتی ہے وہ علم لَدُنی ہے۔

تو نہ فنا مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے قدموں کی جگہ کو ہے اور نہ فنا کعبۃ اللہ کو ہے۔عقیدے کے پختہ ہونے کے لیے یہاں پر دلیل پیش کی جاتی ہے۔جہاں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا روضہ اطہر ہے وہ اس زمین کا حصہ ہی نہیں ہے، وہ جنت کا ٹکڑا ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "یہ میرا گھر۔۔۔ میرے گھر سے لے کر میرے ممبر تک یہ جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر قیامت کے دن میرے حوض (کوثر) پر ہوگا"۔(صحیح بخاری، حدیث 1888۔۔۔صحیح مسلم، حدیث نمبر 3368، 3370)

کون کہتا ہے؟ کون سا ملک کہتا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں۔ رب تعالی نے تو ہماری زمین کی مٹی سے مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی قبر بھی نہیں بنائی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ہم جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟ خود ہمارے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بشریت کی تشکیل ہماری مٹی سے نہیں ہوئی۔

شرف مصطفی (جلد اول، ص 300) میں ہے کہ "جب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی بشریت کی تشکیل کا وقت آیا (تو امام نیشاپوری روایت کرتے ہیں) تو حکم دیا جبرائیل ملائکہ کو لے کر جاؤ (سورہ الحجر، آیت نمبر 28)　وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ

"میں نے ہر پیکر انسان کو مٹی سے بنایا ہے۔ مصطفی خاتم النبیین ﷺ کا پیکر زمین کی مٹی سے نہیں ایک خاص مٹی سے بنایا ہے"۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی" یا اللہ! کہاں کی مٹی لاؤں"؟ فرمایا" ریاض الجنہ " کی مٹی" اور پھر حضرت جبرائیل کے بھیجنے سے پہلے اس زمین پر جنت کا ایک باغ منتقل کر دیا کہ نام بھی مٹی کا رہ جائے اور مٹی ہو بھی نہیں اور جنت کی مٹی سے مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی بشریت کا خمیر بنایا۔

اب ایک اور بات سمجھنے کی ہے کہ تمام جنت نور ہے۔ جنت اس عالم مادیت کے شے ہی نہیں ہے۔ درخت نور، باغات نور، محلات نور، پتھر نور، کنکر نور، چشمے نور ،حوریں نور، علماء نور۔۔۔ تو جنت کی ہر شے نور ہے تو مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے بشریت کا پیکر بھی نور سے بنایا گیا۔ تو نہ بشریت کا انکار ہے نہ نورانیت کا۔۔۔ نورانیت بھی حق ہے اور بشریت بھی حق ہے۔ تو جس خطے پر آپ خاتم النبیین ﷺ آرام فرما رہے ہیں وہ جنت کا ٹکڑا ہے۔ اس کو فنا نہیں وہ اٹھا لیا جائے گا اور مدینے کو خالی کیوں کروایا؟ کیونکہ لوگ تو فانی ہیں۔ مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کو روضہ مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ سمیت اٹھانا تھا۔ فانیوں کو مدینے کے اٹھائے جانے سے پہلے ہی مدینے سے نکال دیا۔ منافقوں کو دجال کے ساتھ اور مومنوں کو امام مہدی کے ساتھ روانہ کر دیا۔ رہ گیا فقط قرینہ مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ اور در مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ۔۔۔ تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ اٹھا کر جنت میں لے آو۔ اُدھر کعبہ جنت میں آ گیا۔ اُس پر فنا نہیں۔ اسی طرح قرآن پاک پر فنا نہیں۔ جب قیامت کا وقت قریب آئے گا تو سینوں سے اور کتابوں سے قرآن کو اٹھا لیا جائے گا۔ کتابیں صاف ہو جائیں گی۔ صرف اوراق رہ جائیں گے۔ جب کعبۃ اللہ، ریاض الجنہ اور قرآن پاک اٹھا لیے جائیں گے۔ اس کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ چھ دن بعد پھر واپس مغرب میں غروب ہو جائے گا۔ پھر دابتہ الارض ایک بہت بڑا جانور نکلے گا۔ پھر ایک خوشبودار ہوا یمن سے آئے گی۔ اس سے کل مومن اور مومنات اللہ اللہ کرنے والے وفات پا جائیں گے۔ نیند میں جائیں گے اور پھر اللہ کو پیارے ہو جائیں گے۔

اس لیے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت کسی مومن پر قائم نہیں ہوگی"۔ یعنی جب قیامت کے زلزلے، زمین کے جھٹکے، زمین کے اوپر بدحالی شروع ہوگی اُس وقت کوئی مومن زندہ نہیں ہوگا۔

اس کے بعد یہ زمانہ 120 سال تک رہے گا یعنی 120 سال تک یہ دنیا کافروں اور فاسقوں کی ہوگی۔۔۔ ظالموں کی ہوگی۔۔۔ جابروں کی ہوگی۔۔ فرمایا کہ جو گدھوں کی طرح زنا کریں گے۔۔۔ شاہراؤں پر زنا اور بدکاری کریں گے۔۔۔ شرک کریں گے۔۔۔ ظلم کریں گے۔۔۔ جھوٹے لوگ ہوں گے۔ 120 سال ان کے ہوں گے۔ اس کے بعد زلزلے اور خسوف (زمین کا دھنس جانا) ہوں گے۔ پھر قیامت کے جھٹکے آئیں گے۔ اس کے بعد ایک چیخ۔۔۔ ایک چنگاڑ۔۔۔ ایک صور پھونکا جائے گا۔ **یہ پہلا نفخہ۔۔ پہلا صور**۔۔ پہلی کربناک آواز۔۔ اذیت ناک آواز آئے گی۔۔۔ اس سے سب مرجائیں گے۔ یہ موت 40 سال رہے گی۔

نفخہ ثانیہ یا دوسرا صور:۔ پھر دوسری چنگاڑ آئے گی۔ اس میں سب جی اٹھیں گے اور یہ جی اٹھنا موت کے بعد اٹھنا ہوگا۔ قیامت برپا ہوگی۔۔ سب ننگے، میدان حشر کی طرف دوڑیں گے۔ کافر، فاسق و فاجر، اور نافرمان ماتھے، ناک، منہ اور چہرے کے بل۔۔۔ کچھ ٹانگیں اوپر اور منہ زمین پر گھسیٹتے ہوئے منہ کے بل چلتے ہوئے جائیں گے۔ مومنین کے لیے سواریاں آئیں گی۔ طرح طرح کی سواریاں ہوں گی۔ کئی کو اونٹنیاں ملیں گی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میں اپنی سواری کی اونٹنی کو اپنی بیٹی فاطمہ کو دے دوں گا"۔ عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ کس پر آئیں گے"؟ فرمایا" جنت کے لیے میرا ایک الگ براق ہوگا۔ 70 ہزار ملائکہ کے ساتھ میں براق پر سوار ہو کر محشر میں جاؤں گا"۔

ان تمام باتوں کے بعد جو خاص بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ امام مہدی آ جائیں گے تو حکومت کے بعد 40 برس رہیں گے یعنی 40 برس کے بعد ان کا اور حضرت عیسی علیہ السلام کا وصال ہوگا۔ اُن کے بعد اُن کے خلفاء کی 22، 23 سال حکومتیں رہیں گی۔ پھر ان کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایک صدی کی

ابتدا میں وہ ہوا چلے گی جس سے مومنین کا وصال ہوگا۔ پھر سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ طلوع شمس کے بعد 120 سال کافروں کو ملیں گے"۔ حتمی بات تو صرف اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" قیامت نہیں آئے گی جب تک 10 علامتیں پوری نہ ہو جائیں۔

1-امام مہدی کا نزول 2-دجال کا فتنہ 3- حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول 4- یاجوج ماجوج 5-مغرب سے طلوع آفتاب

6-جانور کا نکلنا 7- دھوئیں کا نکلنا 8- نرم ہوا کا چلنا اور سب مومنین کا وفات پا جانا

9-تین خسوف (زمین کا دھنس جانا) مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں۔ 10- آگ جو لوگوں کو ہانک کر محشر کے میدان میں لے جائے گی"۔

حضرت قتادہ ؓ روایت کرتے ہیں ان سے حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں سنن ابن ماجہ کتاب الفتن سطح صفحہ 69، حدیث نمبر 4057

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "نشانیاں کسی دوسری صدی ہجری میں ہوں گی"۔ یعنی نشانیاں جب بھی آئیں گی سن ہجری کا دسواں سال ہوگا۔(دوسری صدی ہجری ہوگی۔) اس کے بعد نشانیاں شروع ہوں گی۔ اب آج کون سی صدی ہجری ہے؟ اس وقت پہلے ہزار سال ختم ہو کر ہجری سن کی چار صدیاں گزر چکی ہیں اور پانچویں صدی جاری ہے۔

یہ تھی حدیث سنن ابن ماجہ۔۔۔۔ اب ہم آتے ہیں مشکوۃ شریف اس میں بھی اسی طرح کتاب الفتن قیامت کی نشانیاں ہیں۔ مشکواۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 173، حدیث 5460 فرماتے ہیں یہ نشانیاں دوسری صدی شروع ہونے کے بعد ہوں گی یعنی کسی دوسری صدی میں ہوں گی۔

اس کے بعد یہی ریفرنس امام حاکم نے روایت کیا ہے مستدرک میں یہ بخاری مسلم کی شرح میں حدیث صحیح ہے کہ دوسری صدی ہجری جب شروع ہوگی تو یہ مندرجہ بالا 10 نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ 10 نشانیاں جب بھی شروع ہوں گی دوسری صدی ہجری کے شروع میں ہوں گی۔ آج پانچویں صدی ہجری شروع ہے۔ اگر اس ہزار سال میں امام مہدی نے آنا ہوتا تو ان کے ظہور کا ٹائم 200 سال پہلے گزر چکا ہوتا اور اب تک کام تمام ہو گیا ہوتا۔

اس ہزارویں سال کے ختم ہونے میں بھی پونے چھ سو سال باقی ہیں۔ چھ صدیاں باقی ہیں۔ پھر دو صدی اگلے ہزار سال کی آئیں گی۔ گویا آج سے پونے 800 سال بعد اگلے ہزارویں سال کی دوسری صدی کی ابتدا ہوگی۔ یعنی وہ تیسری ہجری شروع ہو جاتی ہے(ایک ہزار سال کی ایک ہجری)

اس کا مطلب ہے پونے آٹھ سو سال کے بعد جا کے اگلے ہزار سال کے---تیسری صدی شروع ہوگی۔

حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے صدی کا تعین کر دیا ہے کہ سن ہجری میں جب 200 سال پورے ہوں گے یعنی تیسری صدی ہجری شروع ہوگی تو قیامت کی نشانیوں کا ظہور شروع ہو جائے گا اور سب سے پہلا ظہور امام مہدی کا ہوگا۔

مندرجہ بالا حقائق اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ امام مہدی کے نزول اور قیامت کی دس نشانیوں کے وقت کا تعین کر دیا جائے۔

لیکن ہر شخص دو طرح کی قیامت سے دوچار ہوتا ہے: 1- قیامت صغریٰ اور 2-قیامت کبریٰ

1-قیامت صغریٰ:- جس دن کسی شخص کی موت ہوتی ہے وہ اس کے لیے قیامت صغریٰ ہوتی ہے کیونکہ نزاع کے وقت کی سختی اور پھر قبر کا عذاب۔

2-قیامت کبریٰ:- جس دن ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق اپنی اپنی قبروں سے نکلے گا۔

سورہ البقرہ، آیت نمبر 286 میں ہے: ترجمہ:"انسان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو کچھ اس نے کمایا"۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اتنا بہت سا عرصہ (قیامت تک کے آنے کا) کہاں گزارنا ہے؟ ظاہر ہے یہ دنیا کی زندگی تو 50، 60، 70 یا زیادہ سے زیادہ 100 سال کی ہوگی۔ تو یہ آٹھ صدی ہم کہاں رہیں گے؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ ہمارا---ہم سب کا----ہم سب موجود لوگوں کا وہ عرصہ زمانہ ہے جو ہم نے اپنی اپنی قبروں میں گزارنا ہے۔

اتنے عرصے قبر میں رہنے کے لیے ہماری تیاری کیا ہے؟ یہ ہمیں ہر وقت سوچنا اور اس تیاری میں مصروف عمل رہنا چاہیے۔

سورہ الحشر، آیت نمبر 18 میں فرمان الہی ہے: ترجمہ:"جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیج رکھا ہے"۔

اللہ تعالی ہم سب کو کل کی بہترین تیاری کرنے والا بنائے۔ (آمین)

قیامت کی بڑی نشانیاں

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" قیامت اُس وقت تک نہ آئے گی جب تک تم اُس کی دس نشانیاں نہ دیکھ لوگے۔

1۔ دجال کا فتنہ		2۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول		3۔ یاجوج ماجوج

4۔ مغرب سے طلوع آفتاب		5۔ جانور کا نکلنا		6۔ دھوئیں کا نکلنا

7۔ خسف (زمین کا دھنسنا)		8۔ قذف (سنگباری، یعنی پتھروں کی بارش)		9۔ مسخ (صورتوں کا بگڑنا)

10۔ آگ کا ظاہر ہونا جو عدن کی گہرائی یا مشرق سے نکل کر لوگوں کو ہانک کر شام کے محشر کے میدان میں لے جائے گی"۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر 7285-ابو داؤد، حدیث نمبر 4311-جامع ترمذی، حدیث نمبر 2183-مسند احمد، حدیث نمبر 3052)

ان دس نشانیوں میں سے پہلی چھ علامات مومنوں کو نظر آئیں گی اور آخری چار علامات مومنین نہ دیکھیں گے (مسلم کتاب الفتن) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا علامات (قیامت گویا) ایک ہار میں پروئی ہوئی ہیں۔ اگر اس ہار کو کاٹ دیا جائے تو وہ (واقع ہونے میں) تانتا باندھ لیں گی۔ (حکم کتاب فتن)

وہ علامات جو مومنون کو نظر آئیں:۔

1- دجال کا فتنہ		2- حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کا نزول		3- یاجوج ماجوج

4- مغرب سے طلوع آفتاب		5- جانور کا خروج		6- دھویں کا نکلنا

1- دجال کا فتنہ:- دجال کون ہے؟ یہ آدم زاد ہے۔ یہودی ہے پیدائشی طور پر۔ اس کی شکل مسخ شدہ ہے۔ ساخت اور میلانات کے اعتبار سے شیطان ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" وہ بھاری بھرکم آدمی ہوگا جس کا رنگ سرخ، بال گھنگھریالے اور آنکھ کانی ہوگی۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوا ہوگا"۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر 7366)

دنیا میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا فتنہ ہوگا۔ دجال کا ٹھکانہ اس وقت کہاں ہے؟؟

دجال اس وقت زندہ ہے مگر وہ ایک معین مدت کے لیئے جزیرہ کے ایک گرجے میں بند ہے۔

صحیح مسلم میں دجال سے متعلق بنت قیس سے ایک حدیث موجود ہے۔ فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں کہ:" میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے ڈھنڈورچی کو ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے سنا کہ نماز باجماعت ہوگی۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی (اُس زمانے میں عورتیں بھی مسجد میں نماز پڑھا کرتیں تھیں اور اُن کی صفیں مسجد میں (سب سے آخری حصّہ میں) مردوں کے پیچھے ہوتی تھیں۔ جب اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ نماز پڑھا چکے تو ہنستے ہنستے ممبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر فرمایا" جانتے ہو میں نے تمہیں یہاں کیوں جمع کیا ہے"؟۔ لوگوں نے کہا" اللہ اور اللہ کا رسول خاتم النبیین ﷺ ہی جانتے ہیں"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیئے جمع کیا ہے کہ:" تمیم داری عیسائی تھا۔ وہ آیا اُس نے بیعت کی اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ اُس نے مجھے ایک ایسا قصّہ سنایا ہے جو اُس قصّے سے لگا ہوا ہے جو میں نے تمہیں دجال کے بارے میں سنایا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ لخم اور جزام کے تیس (30) آدمیوں کے ہمراہ سمندری سفر پر روانہ ہوا۔ موجیں مہینے بھر اُس سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہیں۔ یہاں تک کے وہ ایک جزیرہ پر لنگر انداز ہو گئے۔ جب جزیرے میں داخل ہوئے تو وہاں ایک جانور ملا جس کے جسم پر بہت سے بال تھے۔ ہم نے اس سے پوچھا تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میں جسّاسہ (جاسوس) ہوں پھر اس نے ہم سے کہا کہ " لوگو دیر" میں موجود اُس آدمی کی طرف جاؤ۔ وہ تمہاری خبریں سننے کا بڑی شوق سے گرجے میں انتظار کر رہا ہے"۔

راوی نے کہا کہ ہم جلدی جلدی چلے اور گرجے میں داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھاری بھرکم آدمی ہے جس کے گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں کے درمیان اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ لوہے کی زنجیروں سے مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں۔ ہم نے اس سے پوچھا تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا" تم کون ہو؟" ہم نے کہا" عربی ہیں"۔ اُس نے کہا" مجھے بیسان کے نخلستان کا حال بتاؤ"؟ ہم نے کہا" اس کی کونسی بات پوچھنا چاہتے ہو"؟ اس نے کہا" کیا نخلستان بار آور ہوا ہے"؟ ہم نے کہا "ہاں"۔ اُس نے کہا" جلد ہی وہ بے بار ہو جائے گا"۔ پھر اس نے پوچھا" بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ"؟ ہم نے کہا" کونسی بات معلوم کرنا چاہتے ہو" اس نے کہا" اُس

میں پانی ہے"۔ہم نے کہا"اس میں بہت پانی ہے"۔اس نے کہا" جلد ہی اس کا پانی ختم ہوجائے گا"۔ پھر اس نے کہا" مجھے زغر کے چشمے کے بارے میں بتاؤ"؟ ہم نے کہا " کونسی بات پوچھنا چاہتے ہو"؟اس نے کہا" کیا وہاں کے لوگ اِس چشمے سے کھیتی باڑی کرتے ہیں"؟ ہم نے کہاں "ہاں وہاں بہت پانی ہے اور لوگ کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں"۔ پھر اس نے پوچھا کہ "مجھے اُمیوں کے نبی کے بارے میں بتاؤ"؟ ہم نے کہا" وہ مکہ سے نکل کر یثرب میں قیام پذیر ہیں"۔اس نے پوچھا" کیا عربوں نے ان کے ساتھ جنگ کی؟ ہم نے کہا" ہاں"۔اس نے پوچھا اس نے ان کا مقابلہ کیسے کیا؟ ہم نے اسے بتایا کہ "وہ قریب قریب کے عربوں پر غالب آ گئے ہیں۔انہوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی ہے"۔اس نے پوچھا" کیا واقعی ایسا ہوا ہے"؟ ہم نے کہا" ہاں "اس نے کہا ان کے حق میں یہی بہتر تھا کہ وہ اس کی اطاعت قبول کرلیں"۔ پھر اس نے کہا" اب میں اپنے بارے میں تمہیں بتاتا ہوں میں مسیح دجال ہوں۔ مجھے عنقریب خروج کی اجازت مل جائے گی۔ میں نکل کر زمین کی سیر کروں گا اور چالیس راتوں میں مکہ اور مدینے کے سوا ہر بستی کو گرادوں گا۔مکہ اور مدینے کی بستی کے ہر سوراخ پر فرشتے پہرہ دیں گے"۔

پھر حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" مجھے تمیم داری کی یہ روداد اچھی لگی۔ کیونکہ یہ اس حدیث کے مطابق ہے جو میں نے تمہیں دجال اور مکہ اور مدینے کے بارے میں سنائی تھی"۔ دیکھو وہ شام یا یمن کے سمندر میں نہیں بلکہ وہ مشرق میں ہے۔مشرق ہی میں رہے گا اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا راوی یہ کہتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے یہ حدیث سُن کر حفظ کرلی"۔(صحیح مسلم ،جلد 6،حدیث نمبر 7386)

دجال کو کس نے قید کیا ہے؟ بعض کا قول ہے کہ فرشتوں نے اور بعض کا قول ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے قید کر دیا تھا۔دجال کے خروج سے پہلے کچھ واقعات رونما ہوں گے۔

ہر مجدون کا معرکہ ہوگا اور اس کے بعد دریائے فرات شام میں بحیرہ طبریہ اور فلسطین اور اردن کی حدود پر بیسان کا نخلستان سوکھ جائے گا اس کے بعد "ہر مجدون" کی عالمی جنگ چھڑ جائے گی جس کے فوراً بعد دجال کا انتظار کرنا چاہیے۔

بعض روایات میں یہ ہے کہ لوگوں نے پوچھا"اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ زمین میں دجال کا قیام کتنے عرصے ہوگا؟"آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا چالیس دن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ پھر ایک دن ایک ماہ کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر۔باقی دن دوسرے دنوں کی طرح ہوں گے"۔(جامع ترمذی،حدیث نمبر 2240)

دجال کی ہلاکت:- جب دجال تیز تیز چل کر زمین میں سیاحت کر رہا ہوگا اور ان کو گمراہی میں ڈال کر اپنے فتنوں کے شر سے لوگوں کو تکلیفیں پہنچا رہا ہوگا۔تو لوگ بھاگ بھاگ کر پہاڑوں میں چلے جائیں گے۔امام مہدی اور ان کے تمام ساتھی شام کے شہر دمشق میں دجال کے ہاتھوں بری طرح تباہ ہوکر ایک پہاڑ میں محصور ہوجائیں گے۔ قحط، بھوک، تکلیف ان کو ناتواں کردے گی کہ اچانک کشائش کا دروازہ کھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اللہ کے دوستوں کے لیئے آجائے گی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو اللہ تعالیٰ زمین پر دوبارہ نزول کی اجازت دے دیں گے۔وہ امام مہدی اور ان کے ساتھی مسلمانوں کے لیئے دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے قریب دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔اُس وقت امام مہدی فجر کی نماز کی امامت کے لیئے کھڑے ہو چکے ہوں گے۔

اقامت کہی جا چکی ہوگی۔امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پیچھے ہٹیں گے لیکن وہ ان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہیں گے کہ "اس نماز کی اقامت تمہارے لیئے ہوچکی ہے۔اس لیئے تم ہی نماز پڑھاؤ"۔امام مہدی مسلمانوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھائیں گے۔سلام پھیرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے اللہ کے دشمن دجال کے مقابلے کے لیئے نکلو۔جونہی دروازہ کھولیں گے دجال بھاگ نکلے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس کا پیچھا کریں گے اور نیزہ مار کر اس کو ختم کر دیں گے۔اس وقت یہودیوں کا معلوم ہوجائے گا کہ وہ رب نہ تھا۔یہ دیکھ کر 70 ہزار یہودی بھاگ کھڑے ہوں گے۔وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مہدی اور مسلمانوں سے چھپ جائیں گے وہ جس چیز کے پیچھے چھپیں گے اللہ اس چیز کو زبان عطا کرے گا اور وہ اس کا پتہ بتا دے گا پس اللہ تعالیٰ ان سب کو ختم کروا کر زمین کو ان پلید اور نجس انسانوں سے پاک کردے گا۔

2- مومنوں کو نظر آنے والی دوسری نشانی حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول

دجال کے خاتمے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ معاف کریں گے۔اسلام یا تلوار کا نعرہ لگائیں گے۔اس کے بعد لوگ اتنی ناز و نعمت کی زندگی گزاریں گے۔جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔زمین سے برکتوں کا نزول ہوگا اور آسمان اپنی برکتیں نازل کرے گا۔حضرت عیسیٰ

علیہ السلام شادی کریں گے۔ پھر حج کریں گے پھر زمین میں 60 برس تک رہیں گے اور ایک صحیح روایت کے مطابق 40 برس تک قیام کریں گے۔

تیسری علامت :(جو مومنوں کو نظر آئے گی)

-3 یاجوج ماجوج:- یاجوج ماجوج کون ہیں؟

صحیح حدیث سے ثابت ہے یاجوج ماجوج حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے دو ترک جماعتیں ہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے "اے آدم" وہ کہیں گے "میں حاضر خدمت ہوں" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہر ہزار میں سے 999 الگ کر دو یہ جہنمی ہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" یہی وہ وقت ہے جب حشر میں لوگوں میں ایک کہرام مچ جائے گا یوں معلوم ہوگا جیسے لوگ نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے مگر اللہ کا عذاب سخت ہوگا"۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ ہم میں سے کون بچے گا"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "خوشیاں مناؤ وہ بچنے والا تم میں سے ایک اور ایک ہزار یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے"۔ (صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر 3348)

"یاجوج ماجوج" یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے:

1- حام: جو حبشیوں کے جدامجد ہیں۔ **2- سام:** جو عربوں، فارسیوں اور رومیوں کے جدامجد ہیں۔ **3- یافث:** جو ترکوں کے جدامجد ہیں۔

پس یاجوج ماجوج ترکوں یعنی چینیوں، روسیوں، جاپانیوں اور منگولوں اور ان کی نسل کے دوسرے لوگوں کے چچا کے بیٹے ہیں۔ وہ اَب کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ کہف کی آیت نمبر 93 تا 95 میں فرمایا:

ترجمہ: "یہاں تک کہ جب وہ (ذوالقرنین) دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا تو ان پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو لگتا نہیں تھا کہ کوئی بات سمجھتے ہوں۔ انہوں نے کہا "اے ذوالقرنین یہ یاجوج ماجوج اس سرزمین میں بہت شور مچاتے ہیں۔ کیا ہم لوگ آپ کے لیئے کچھ محصول کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک آڑ بنا دیں"۔ ذوالقرنین نے جواب دیا "جس حال میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا بہت کچھ ہے۔ پس محنت سے میری مدد کرو۔ تاکہ میں تمہارے اور اُن کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں"۔

پس یاجوج ماجوج اس دیوار کے پیچھے بند ہیں جو ذوالقرنین نے ان کو روکنے کے لیئے پرانے زمانے میں بنائی تھی۔ کیونکہ وہ فساد مچاتے تھے اور شرارتیں کرتے تھے۔ وہ دیوار بڑی مضبوط، موٹی اور اونچی ہے۔ اسے لوہے کے ٹکڑوں اور پگھلے ہوئے تانبے سے بنایا گیا ہے۔ یاجوج ماجوج اس دیوار کی وجہ سے نہ تو اس میں سوراخ کر سکتے ہیں اور نہ اس کی بلندی اور چکناہٹ کی وجہ سے اس پر چڑھ سکتے ہیں۔ یہ دیوار دو بڑے پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی ہے۔

یہ پہاڑ کہاں ہے؟ حضرت ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ ترکی کے آخری سرے پر آرمینیا اور آذربائیجان کے قریب ہے۔ یعنی کوہ قاف کے پاس ترکی اور روس کی حدود پر واقع ہے۔ بات یہ ہے کہ کوئی آدمی نہ تو ان تک پہنچ سکتا ہے نہ ان کو نکال سکتا ہے یاجوج ماجوج کا خروج اس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر دیں گے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا پھر یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس دیوار کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے پھر: (سورہ الانبیاء، آیت نمبر 96)

ترجمہ: "وہ ہر بلندی سے نکلتے ہوئے معلوم ہوں گے وہ پہاڑوں، میدانوں میں ہر جگہ لوگوں پر چھا جائیں گے"۔

مسلمان ان سے بھاگ کر شہروں اور قلعوں کی راہ لیں گے۔ اور اپنے ساتھ اپنے دوستوں اور مویشیوں کو بھی لے جائیں گے۔ یاجوج ماجوج تمام زمین کا پانی پی لیں گے۔ تمام جاندار کو ختم کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے کہنے پر اپنے بندوں کی جان بچانے کے لیئے کوہ طور پر چلے جائیں گے اور وہاں محصور ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے کہنے پر بددعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کی گردنوں پر ایک کیڑا بھیج دے گا۔ یہ کیڑا ان کی گردنوں پر حملہ کرے گا۔ چنانچہ وہ سب مر جائیں گے اور ان کی کوئی آہٹ تک سنائی نہ دے گی۔ اس وقت مسلمان کہیں گے کہ " کوئی ایسا آدمی ہے جو باہر نکل کر دیکھے کہ یاجوج ماجوج باہر کیا کر رہے ہیں؟ "ایک آدمی ثواب کی غرض سے اپنے آپ کو وقف کرے گا۔ وہ باہر آئے گا اور زور سے پکار کر کہے گا" اے مسلمانوں کے گروہ تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کو ختم کر دیا"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ لمبی گردنوں والے پرندے بھیج دے گا جو اُن کو اٹھا کر لے جائیں گے (جہاں اللہ کی مرضی)۔ پھر اللہ تعالیٰ

بارش بھیجے گا۔ جو ہر جگہ برسے گی اور ساری زمین دھل جائے گی گویا زمین پر جھاڑو دے دی گئی ہے۔

4- چوتھی علامت جو مومنوں کو نظر آئے گی مغرب سے طلوع آفتاب:- اس بڑی علامت کا قصہ یوں ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے سورج ہر روز مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے۔ غروب اور طلوع ہونے کی یہ اجازت وہ ہر روز اپنے رب سے لیتا ہے۔ جب وقت مقرر آجائے گا تو وہ معمول کے مطابق اپنے رب سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرے گا مگر اسے اجازت نہیں ملے گی۔ پھر اجازت مانگے گا پھر نہیں ملے گی۔ پھر اجازت مانگے گا پھر نہیں ملے گی۔ تین دن سورج طلوع نہ ہو گا پھر اسے کہا جائے گا "جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ"۔ لوگ یہ دیکھ کر خوف ذدہ ہو جائیں گے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔ سورج کا یہ الٹا طلوع صرف ایک دن ہو گا اور اس کے ساتھ ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا پھر سورج اپنے معمول کی طرف لوٹ جائے گا اور قیامت تک مشرق سے ہی نکلتا رہے گا۔

5- پانچویں علامت جو مومنوں کو نظر آئے گی جانور کا خروج:- قرآن پاک سورۃ النمل۔ آیت نمبر 82 میں فرمانِ الٰہی ہے۔

ترجمہ: "جب قیامت کا وعدہ ان پر پورا ہو جائے گا تو ہم ان کے لیئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کیونکہ کافر لوگ ہماری باتوں پر یقین نہ لاتے تھے"۔ یہ بھاری بھرکم جانور ہو گا۔ جو صفا پہاڑ کے شگاف سے نکلے گا۔ یہ لوگوں کے چہروں پر نشان لگائے گا۔ جس سے مومن کا چہرہ روشن اور کافر کا چہرہ تاریک ہو جائے گا۔ جب یہ نکلے گا تو صرف مومنوں کی ایک جماعت وہاں کھڑی رہے گی باقی ڈر کر بھاگ جائیں گے۔ اُس جماعت کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ اللہ کا جانور ہے۔ وہ انہی سے آغاز کرے گا اور ان کے چہروں کو جلا (روشنی) بخش کر ایسا کر دے گا جیسا کہ چمکتا ہوا موتی۔ پھر وہ روئے زمین پر بھاگ نکلے گا۔ لیکن کوئی بھاگنے والا اس سے نہ بچ سکے گا۔ یہاں تک کہ لوگ اس سے ڈر کر نماز کی پناہ میں آئیں گے۔ وہ پیچھے سے آکر کہے گا "اے فلاں اَب نماز پڑھ رہا ہے" پھر وہ اس کے سامنے آ کر اس کے چہرے کو داغ کر چلا جائے گا۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ: "زمین کا جانور نکلے گا تو اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ اسلام کی انگوٹھی ہو گی وہ عصا سے کافر کی ناک میں نکیل ڈال دے گا اور مومن کے چہرے کو انگوٹھی سے جلا (روشنی) دے گا۔ یہاں تک کہ ایک دسترخوان پر کھانا کھانے والے اکٹھے ہو کر یہ کہیں گے کہ "یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے"۔ (جامع ترمذی، حدیث نمبر 3187)

6- چھٹی علامت جو مومنوں کو نظر آئے گی "دھواں":- یہ آخری علامت ہے جو مومنوں کو نظر آئے گی۔ قرآن پاک سورہ دخان آیت نمبر 11-10 میں فرمایا:

ترجمہ: "سو آپ اُس روز کا انتظار کریں جب آسمان میں ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو گا۔ لوگوں پر عام ہو جائے گا"۔ چنانچہ یہ دھواں مومنوں کو تو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا اور کافروں کے لیئے یہ ایک تنبیہ ہو گی کہ عذاب اور انتقام کا نزول ہو چکا ہے۔ یہ دھواں چالیس روز تک چھایا رہے گا یہ مومن کو اتنی تکلیف دے گا جتنا زکام دیتا ہے اور کافروں کا مواخذہ کرے گا۔ تو وہ پھول جائے گا یہاں تک کہ اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگے گا۔

اس نشانی کے ظہور کے بعد یمن سے ایک نرم ہوا چلے گی اور سب مومنوں کی روحیں قبض کرے گی اس کی گرفت سے صرف کافر بچیں گے تا کہ ان پر عذاب ڈالا جا سکے۔

وہ علامات جن کو مومن نہ دیکھ سکیں گے:

یہ چار علامات ہیں:

1۔ خسف (زمین کا دھنس جانا)　　　　2۔ قذف (پتھروں کی بارش)

3۔ مسخ (صورتوں کا بگڑنا)　　　　4۔ آگ کا نکلنا

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" یہ پہلے تینوں قسم کے عذاب اس وقت ہوں گے۔ جب گانے والیوں اور ناچ گانے کے آلات کا چرچا ہو گا (ساز، بانسری، ڈھولک وغیرہ کا) اور جب شراب نوشی عام ہو جائے گی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے قول کے مطابق مندرجہ بالا تینوں قسم کے عذاب خاص خاص جماعتوں پر نازل ہوں گے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ ان عذابوں سے پہلے مومن لوگوں کو وفات دے دے گا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" قیامت بدکاروں پر آئے گی" ان تینوں قسم کے عذابوں کے بعد آخری بڑی علامت ظاہر ہو گی۔ اور یہ کائنات کے ہولناک حقیقی انقلاب کی آخری نشانی ہو گی۔

آگ کا نکلنا: چوتھی اور آخری نشانی: یمن سے یا عدن کی گہرائی سے یا مشرق سے ایک آگ نکل کر لوگوں کو ہانک کر شام کے میدان حشر میں لے جائے گی۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4311)

کائنات کا انقلاب اور اس کا خاتمہ:- اس کے بعد اللہ تعالیٰ دنیا کے خاتمے کی اجازت دے دے گا اور فرشتے اسرافیلؑ کو جس نے صور پھونکنا ہے پہلا صور پھونکنے کا حکم دے دے گا۔

پہلا صور یا پہلا نفخہ یا پہلی گھبراہٹ کی پھونک:- یہ نفخہ خاصہ طویل ہوگا۔ جس کو سن کر آسمان اور زمین پر رہنے والے سب ڈر جائیں گے سوائے ان کے جن کو اللہ بچا لے اور وہ انبیاء علیہ السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہوں گے کیونکہ انبیاء علیہ السلام اور شہدا اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ انہیں اس چیخ کے خوف سے بچالے گا۔ قرآن پاک سورہ نمل آیت نمبر 87 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: "اور کیا گزرے گی اس روز جبکہ صور پھونکا جائے گا اور ہول کھا جائیں گے وہ جو آسمانوں زمینوں میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس ہول سے بچالے گی"۔

پھر سب دم دبائے اس کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔ یہ وہی نفخہ ہے جس کی وجہ سے کائنات بری طرح حرکت کرنے لگے گی اور ایک زبردست زلزلہ آ جائے گا۔ زمین لرز جائے گی پہاڑ گر جائیں گے۔ سمندر پھٹ کر بھڑکتی آگ میں تبدیل ہو جائیں گے۔ سورج اور چاند کی روشنی جاتی رہے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ پوری کائنات اسی طرح کہر اور بخارات میں بدل جائے گی۔ جیسے تخلیق سے پہلے تھی۔

دوسرا نفخہ بے ہوشی اور موت کا نفخہ:- پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا حکم دیں گے۔ انبیاء علیہ السلام اور شہداء سمیت زمین و آسمان کی تمام مخلوق بے ہوش ہو کر مر جائے گی۔ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ بچالے۔ وہ چار جبرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام، عزرائیل علیہ السلام اور عرش اٹھانے والے چاروں فرشتے - پھر اللہ تعالیٰ اسرافیلؑ کو جبرائیلؑ، میکائیلؑ، عزرائیلؑ اور عرش اٹھانے والے چار فرشتوں کی موت کا حکم دے گا۔ اب صرف اللہ تعالیٰ اور موت کا فرشتہ رہ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ موت کے فرشتے کو مر جانے کا حکم دے گا پھر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ پھر وہ زمین اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں حرکت دے گا۔ "میں بادشاہ ہوں- میں جبار ہوں۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں جبر کرنے والے کہاں ہیں؟ کہاں ہیں فخر کرنے والے؟ آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ ذات الٰہی خود جواب دے گی "بادشاہی صرف اللہ کی جو ایک ہے جو قھار ہے"-

بخاری اور مسلم کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث کے مطابق "کائنات چالیس (سال، ماہ یا دن) تک اِسی حالت میں رہے گی"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ دو نفخوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا "اے ابو ہریرہؓ کیا چالیس روز"؟ انہوں نے کہا "مجھے معلوم نہیں"۔ انہوں نے پوچھا کہ "کیا چالیس ماہ"؟ میں نے کہا "مجھے پتہ نہیں"۔ انہوں نے پوچھا "کیا چالیس برس" انہوں نے کہا "مجھے علم نہیں" پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے شبنم یا سائے کی مانند بارش اتارے گا۔ جس کے باعث مخلوقات کے جسم ایسے اُگ آئیں گے جیسے سبزیاں اُگتی ہیں۔ انسان کی دمچی (کمر کے نچلے حصّے میں ابھری ہوئی ہڈی کے سوا سب بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ قیامت کے دن (لوگ) مخلوق اسی ہڈی سے ترکیب پائے گی۔

جب تخلیق مکمل ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اسرافیل کو زندہ کر کے اُس کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے۔ صور میں اتنے سوراخ ہیں جتنی مخلوقات کی روحیں، اسرافیل صور پھونکیں گے تو روحیں اڑ کر جسموں میں چلی جائیں گی۔ اور جسم اپنی اپنی قبروں سے اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد حشر کے میدان سے گزرنا ہوگا اور پھر حساب کتاب کا مرحلہ شروع ہو جائے گا۔

****

قرب قیامت میں عام واجبات

قیامت بہت قریب ہے۔ ہر شخص دو طرح کی قیامت سے دو چار ہوگا۔ (1) قیامت صغریٰ　　(2) قیامت کبریٰ

(1) قیامت صغریٰ:- جس دن کسی شخص کی موت کا دن ہوتا ہے، وہ اس کیلئے قیامت صغریٰ ہوتی ہے۔

(2) قیامت کبریٰ:- اور جس دن حشر نشر کیا جائے گا، وہ قیامتِ کُبریٰ ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے قیامت آنے سے پہلے کی تمام نشانیاں بتادی تاکہ انسان اس دنیا میں جو کہ عمل کی زندگی ہے آخرت کیلئے تیاری کر سکے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے قیامت کی کچھ چھوٹی علامات بتائیں، جنہیں علاماتِ صغریٰ اور کچھ بڑی علامات بتائیں جنہیں قیامت کی علامات کُبریٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علامات صغریٰ اَب تک تمام پوری ہو چکی ہیں۔ اب علامات کبریٰ کے شروع ہونے کا زمانہ ہے۔

ان تمام علامات کے زمانے میں بھی مسلمان موجود ہونگے۔ بس آخری بڑی چار نشانیاں مومن نہ دیکھ پائیں گے۔ یعنی علامات کبریٰ دو طرح کی ہوں گی۔

1۔ وہ علامات جو مومنوں کو نظر آئیں گی۔　　2۔ وہ علامات جو مومنوں کو نظر نہیں آئیں گی۔

1۔ مومنوں کو نظر آنے والی علامات:-

1۔ مومن کا دجال کو دیکھنا　　2۔ عیسیٰ ابن مریمؑ کو دیکھنا　　3۔ یاجوج ماجوج کو دیکھنا

4۔ مغرب سے طلوعِ آفتاب دیکھنا　　5۔ جانور کا دیکھنا　　6۔ دھوئیں کا دیکھنا

2۔ مومنوں کو نظر نہ آنے والی علامات:- وہ علامات چار ہیں۔

تین خسوف (خسوف سے مراد زمین کا دھنسنا اور زمین کا پھٹ کر لوگوں کو نگل جانا۔) مشرق میں مغرب میں اور جزیرۃ العرب میں چوتھی علامت آگ ہے جو عدن کی گہرائی یا مشرق سے نکل کر لوگوں کو ہانکتے ہوئے میدانِ حشر میں لے جائیگی۔

قیامتِ کُبریٰ کی پہلی چھ علامات مومنین دیکھیں گے۔ ان زمانوں میں فتنے اور خون ریز معرکے ہونگے۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ ہم مسلمانوں کو ان فتنوں اور خون ریز معرکوں کیلئے کیا تیاری کرنی چاہیئے کیونکہ یہ وقت بس اَب آنے والا ہے۔ اس آنے والے مرحلے کی تیاری کیلئے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔

<u>1۔ علم:-</u> علم سے مُراد وہ علم ہے جس کا ثبوت رسولِ خدا خاتم النبیین ﷺ سے ملتا ہے۔ ایسا علم جو خرافات، ذلالت اور گمراہی سے پاک ہو۔ عام طور پر اس علم سے مراد قرآن، حدیث، فقہ اور شریعت کا علم ہے۔ <u>اور خاص طور پر اس علم سے مراد اس مرحلہ کی سوجھ بوجھ ہے۔ جس سے ہم گزریں گے۔</u>

یعنی پہلا خون ریز معرکہ کب ہوگا؟ مہدی کا ظہور کب ہوگا؟ اس کی علامات کیا ہیں؟ اُس وقت کیا کرنا ہوگا؟ دجال کا خروج کب ہوگا؟ اس کے اوصاف کیا ہیں؟ اس کے فتنے کا طول وعرض کیا ہوگا؟ اس کے فتنے سے کیسے بچا جائے؟ یاجوج ماجوج کب آئیں گے؟ ان سے کیسے بچا جائے؟ سورج مغرب سے کب طلوع ہو گا؟ اس کی علامات کیا ہوں گی؟ جب جانور نکلے گا تو کیا کیا جائے؟ اس سے کیسے بچا جائے یا اس کے سامنے کیا کیا جائے؟ یہ دھواں کیا کرے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔

آنے والے مرحلے کے واقعات، آنے والے زمانے کے فتنے آنے والے معرکوں سے عدم واقفیت ان فتنوں کے جال میں پھنسا کر انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال سکتی ہے۔ مثلاً کوئی بھی بے خبر دجال کے فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے جب دجال اس سے کہے گا کہ:

کیا خیال ہے اگر میں تمھارے والدین کو زندہ کردوں تو تم مجھ پر ایمان لاؤ گے؟ تو وہ جواب دے گا۔ ہاں!

پھر شیطان اس کے والدین کی شکل دھار کر اس کے سامنے آ جائیں گے اور کہیں گے بیٹے جی اس کی پیروی کرو یہ تمھارا رب ہے۔ چنانچہ وہ بے خبر اس پر ایمان لے آئے گا۔ کیونکہ اس کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ یہ دجال ہے۔ اور اس کے فتنے کا سکوپ (Scope) کیا ہے؟

چنانچہ علم کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ علم اللہ کے حضور میں اخلاص، توفیقِ الٰہی اور صحیح فہم سے بار آور ہوگا۔ اور یہ صفات تقوی سے حاصل ہوتی ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- ترجمہ: ''بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک اچھا وہ ہے جو تقویٰ میں اعلیٰ ہے۔'' (سورہ الحجرات، آیت نمبر 13)

یعنی ہر متقی ان تمام باتوں کی سوجھ بوجھ حاصل کر لیتا ہے۔

<u>2۔ توبہ:-</u> دوسری ضروری چیز گناہوں سے توبہ ہے۔ خواہ گناہ بڑے ہوں یا چھوٹے خفیہ ہو یا اعلانیہ۔ کیونکہ اِن فتنوں اور جنگوں میں انسان کے ہوش وحواس اُڑ جائیں گے اور اگر اُس نے پہلے سے توبہ نہ کی ہوگی تو بھوک، فقر، قحط، خشک سالی اور جنگ وجدال اسے توبہ کی کہاں مہلت دے گی؟

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''سات باتوں سے پہلے پہلے نیک کام کرلو۔ کیا تم ایسے فقر کے منتظر ہو جو غافل کردے؟ یا ایسی تونگری کے منتظر ہو جو سرکشی پر آمادہ کرے؟ یا ایسے مرض کے منتظر ہو جو تباہ و برباد کردے؟ یا ایسے بڑھاپے کے منتظر ہو جو عقل کو ضعیف کردے؟ یا دجال کے منتظر ہو؟ کیونکہ نہ دکھائی دینے والی بُرائی

تمھارا انتظار کر رہی ہے؟ یا ایسی موت کے منتظر ہو جو کام تمام کر دے؟ یا تم قیامت کے انتظار میں ہو کہ قیامت کی مصیبت بڑھ چڑھ کر ہوگی" اے اللہ کے بندو! توبہ کر لو بیشتر اس کے کہ فتنے تم پر دھاوا بول دیں اور بیشتر اس کے کہ مغرب سے آفتاب طلوع ہو اور درِ توبہ بند ہو جائے۔(السلسۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 1666-الحافظ الا بن طاہر 2/2313)

3۔ دنیا سے بے رغبتی:۔ اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم جلدی سے دنیا کی زندگی کا پہیہ روک کر سارے عالم کو برباد کر دیں۔نہیں ہم نے تو اپنے دین سے سیکھ رکھا ہے کہ! حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے"اس دنیا میں یوں کام کرو گویا تم کل ہی مرنے والے ہو۔"

اس سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ لوگ ہاتھ چھوڑ کر بیٹھ جائیں اور کام کاج، طلب علم اور دعوت الی اللہ کو چھوڑ دیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ۔"دنیا میں رہیں مگر دنیا میں نہ رہیں" یعنی دنیا کو بقدر ِضرورت ہاتھ میں رکھیں۔دنیا دل میں سمانے کی چیز نہیں ہے۔دل میں تو اللہ کی رضا اور محبت کو سمائیں۔ہر وقت خوفِ الٰہی ہمارے دل میں موجود رہے ہر وقت یہ خیال رہے کہ کہیں ہمارے کسی کام سے اللہ ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔اس صورت میں ہر قدم پھونک پھونک کر اُٹھایا جائے گا۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک پردیسی یا مسافر رہتا ہے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 6416)

یعنی مسافر کو ہر گھڑی اپنی منزل پر پہنچنے کا خیال رہتا ہے۔وہ پلیٹ فارم (دنیا) پر اپنا گھر نہیں بسا لیتا۔یعنی مقصد صرف اس دنیا کی محبت کو ترک کرنا ہے۔کیونکہ یہ سب مصیبتوں کی جڑ ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"مجھے تم پر فقر و فاقہ کا خوف نہیں ہے مجھے یہ خوف ہے کہ دنیا تم پر وسیع ہو جائے گی۔جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر وسیع ہو گئی تھی۔ پھر تم اس میں دل لگانے لگو گے جیسے تم سے پہلے لوگ اس پر مر مٹے۔پھر تم بھی ایسے ہی تباہ کر دیئے جاؤ گے جیسے تم سے پہلے لوگ تباہ ہوئے"۔(متفق علیہ)

جو آدمی دنیا سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ یہ محبت اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے تو پھر وہ حسد کرنے لگتا ہے،ظلم کرنے لگتا ہے، ہر وقت مال کی جستجو میں رہتا ہے، بغاوت اور سرکشی پر آمادہ رہتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد سب سے پہلی بدعت جو لوگوں میں ظاہر ہوئی وہ لوگوں کا پیٹ بھر کر کھانا کھانا تھا۔جب لوگ پیٹ بھر کر کھانے لگے تو اُن کے نفس اُن کو گھسیٹ کر بازاروں میں لے آئے۔(کہ چلو خوب کمائیں تا کہ خوب کھائیں) یعنی پھر وہ دنیا کی محبت میں غرق ہوتے چلے گئے ہوس بڑھتی رہی۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا!

"اگر انسان کے پاس ایک احد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو تو وہ دوسرے کی جستجو کرنے لگتا ہے۔اگر آدمی کو دو وادیاں (جنگل) سونے کے دے دیئے جائیں تو وہ تیسرے کی جستجو کرتا ہے۔انسان کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔"(السلسلۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 2857)

اس لیئے مومن کو قناعت سے کام لے کر موجودہ زندگی گزارنی ہے۔اور زیادہ سے زیادہ آخرت کا توشہ تیار کرنے میں لگا رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے! وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَ اتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ:"اور زادِ راہ لے لیا کرو۔یقیناً بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے عقل مندو مجھ سے ڈرتے رہو"۔(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 197)

"نیکیوں کا بازار شب و روز لگا ہوا ہے۔کامیاب اور خوش بخت وہی ہے جو اِس میں محنت کر کے نفع کما لے فریب خوردہ اور نقصان اُٹھانے والا وہ ہے جو اس میں کوتاہی کرے اور گھاٹا اٹھاتا چلا جائے"۔

4۔ تلاوت قرآن پاک کرنا:۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ"جو کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کی جزا دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ(الم) ایک حرف ہے۔بلکہ "الف" ایک "لام" ایک اور "میم" ایک حرف ہے۔"(جامع ترمذی، حدیث نمبر 2910-مشکوۃ شریف، حدیث نمبر 2137-السلسلۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 2976)

5۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا:۔ سبحان اللہ کہو، الحمد للہ کہو، اللہ اکبر کہو اور لا الہ الا اللہ پڑھو۔کم ہی سہی پر اُسے وردِ زبان بناؤ اور مسلسل پڑھتے رہو۔ہمارے نامۂ اعمال میں پہاڑوں جتنی نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔

6۔ تازہ وضو کرنا:۔ جی نہ بھی چاہے تو پھر بھی تازہ وضو کریں۔مسجد کی طرف زیادہ سے زیادہ قدم اٹھائیں۔ایک نماز کے بعد دوسری نماز کیلئے انتظار کریں۔اتنا ثواب ملے گا جتنا اس لشکر کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرحدوں کی حفاظت کیلئے قیام کرتا ہے۔

7۔ والدین کی فرمانبرداری اور صلہ رحمی:۔ اپنے والدین کی فرمانبرداری کریں صلہ رحمی کریں۔پڑوسی سے اچھا سلوک کریں۔مہمان کی مہمان نوازی کریں کھانا کھلائیں۔مریضوں کی تیمارداری کریں۔اور لڑنے والوں کے درمیان صلح کروائیں۔درجات بلند کیئے جائیں گے اور تمام برائیاں مٹا دی جائیں گی۔

8۔ نفلی عبادات کرنا:۔ فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے رکھنا۔ہر پیر، جمعرات اور ہر ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کے روزے۔یہ روزے ایام بیض کے روزے کہلاتے ہیں۔تہجد، اشراق، چاشت، اوابین پڑھیں۔نماز فی الزوال اور صلوٰۃ الیل پڑھیں۔فرض حج کے علاوہ حج کریں۔جہاد اور تبلیغ کریں۔یعنی اللہ کی طرف دعوت

دیں۔

9۔ تابعداری:۔ مومن اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بارے میں دلیل بازی نہ کرے جب بھی اس کے پاس اللہ اوراس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا حکم آئے کہے کہ:

''میں نے سن لیا اور اطاعت کر لی۔''

قرآن پاک سورۃ الاحزاب آیت نمبر 36 میں ارشاد ہے۔

ترجمہ:۔''اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (خاتم النبیین ﷺ) کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اپنے کام کا کوئی اختیار رہو اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کا کہنا نہ مانے گا۔وہ کھلی گمراہی میں ہوگا'' اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم کرے۔جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔

ترجمہ:۔''اے نبی! اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 59)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیت تلاوت کرتے ہوئے لوٹے تو عورتوں نے آیت کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ کے قول پر ایمان لاتے ہوئے اٹھ کر اپنی چادروں سے اپنے سروں کو ڈھانپ لیا-

10- برائی کرنے والوں کے ساتھ رویہ؟ ایک آدمی حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا "فلاں آدمی نے آپؓ کو گالی دی ہے"۔آپؓ نے فرمایا "یہ اُس کا اعمال نامہ ہے۔اس کی مرضی اُسے جس سے چاہے، بھرے"۔

ایک آدمی نے حضرت وہب بن منبہؒ سے کہا "فلاں شخص آپؒ کو گالی دے رہا تھا"۔آپؒ نے فرمایا" کیا شیطان کو تم ہی ملے ہو، جس کے ذریعے وہ اپنی بات پہنچائے"؟؟؟

ایک آدمی نے کسی بزرگ سے کہا "فلاں نے آپ کو گالی دی ہے"۔آپ نے کہا "اس نے مجھ پر تیر چلایا مگر مجھے نہیں لگا، تمہیں کیا پڑی تھی کہ تم وہ تیر اٹھا کر میرے دل میں پیوست کردو"؟؟؟

ایک آدمی امام شافعیؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا "فلاں آپ کی برائی کر رہا تھا"۔آپؒ نے کہا "اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو تم چغل خور ہو اور اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو تم فاسق ہو"۔ پس وہ شرمندہ ہو کر واپس لوٹ گیا۔

11- زبان کی حفاظت:- حضرت معاذؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے جانثار صحابہ میں سے تھے وہ فرماتے ہیں میں نے ایک مرتبہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا'' یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے دوزخ سے دور کردے اور جنت میں داخل کردے''۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اے معاذؓ تم نے ایک عظیم سوال کیا ہے۔البتہ یہ اس کے لیے آسان ہے جسے اللہ توفیق عطا فرمائیں''۔ پھر فرمایا:''تو اللہ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ، بیت اللہ کا حج کر (اگر استطاعت ہو تو)، پھر فرمایا'' کیا میں تجھے خیر اور نیکی کے دروازے نہ بتادوں؟ یاد رکھ، روزہ آتشِ جہنم سے ڈھال ہے۔صدقہ کرنا گناہ کے اثر کو زائل کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا'' پھر فرمایا'' کیا میں تمہیں دین کا سر، اس کا ستون، اس کی بلندی نہ بتادوں؟ دین کی جڑ اسلام ہے۔اس کا ستون نماز ہے۔اور اس کی کوہان جہاد ہے''۔پھر فرمایا'' کیا میں اس چیز کی تجھے خبر نہ دوں جس کے ذریعے تو ان سب پر قابو پا سکے''؟۔میں نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ضرور۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا'' اس کو اپنے لیے وبال بننے سے روک کے رکھنا''۔میں نے عرض کیا'' یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا زبانوں پر بھی (کلام پر بھی) ہماری گرفت ہوگی''؟۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اے معاذ میں تو تجھے بہت عقلمند آدمی سمجھتا تھا'' پھر فرمایا'' لوگوں کو جہنم میں منہ کے بل گرانے والی جو چیز ہوگی وہ ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی کھیتیاں ہی تو ہوں گی'' (ترمذی)

12۔ فرقہ بندی اور اختلاف کو چھوڑ دیں:۔ فرقہ بندی اور اختلاف خواہ کسی بھی قسم کا ہو بُرا ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے یہ ہم سے پہلے والی امتوں کی بیماری ہے۔یہ ایک ایسی لاعلاج بیماری ہے کہ جب بھی کسی امت کو لاحق ہوتی ہے اسے تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''پہلی امتوں کی بیماری حسد اور کینہ تمھارے اندر سرایت کر گئی ہے یہ بیماری حجامت بنا دیتی ہے۔دین کی، نہ کہ بالوں کی۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد خاتم النبیین ﷺ کی جان ہے۔تم اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتے۔جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کے کرنے سے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ''۔(مسند احمد، ترمذی)

پس مسلمانوں کے درمیان انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے اختلاف ترک کرنا فرض اور واجب ہے۔خاص طور پر اس وقت جب دشمن دھاوا بول رہے ہوں اور اقوام عالم مل جل کر ان پر ایسی ٹوٹ پڑی ہو جیسا کہ کھانے والے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔مسلمان اہلِ علم کو حکم ہے کہ وہ ہر چیز کو صحیح مقام پر رکھیں سب سے مقدم اس چیز کو سمجھیں

جو زیادہ ضروری ہے پھر اس چیز کو جو نسبتاً کم ضروری ہے۔شریعت کے احکام میں اس کے مقررہ قوانین ہیں مثلاً فرضِ عین،فرضِ کفایہ، واجبات،سنت،نوافل،مستحب۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ:

''جو فرض میں مشغول ہو کر نفل سے غافل ہو جاتا ہے وہ معذور ہوتا ہے۔اور جو نفل میں مشغول ہو کر فرض سے غافل ہو جاتا ہے وہ مغرور ہے''۔

بدبختی کی علامات:- بدبختی 6 قسم کے حالات کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔

1- بدبختی والدہ کے ساتھ احسان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی:- سورہ مریم،آیت نمبر 32

ترجمہ:"اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا"۔

2- بدبختی قرآن کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی:- سورہ طٰہٰ،آیت نمبر 2

ترجمہ:" اے محمد(خاتم النبیین ﷺ) ہم نے آپ(خاتم النبیین ﷺ) پر قرآن پاک اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ(خاتم النبیین ﷺ) مشقت میں نہ پڑ جائیں"۔

3۔ بدبختی ہدایت کی پیروی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی:- سورۃ طٰہٰ،آیت نمبر 123

ترجمہ:"پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا"۔

4- بدبختی اللہ کے خوف کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی:- سورہ اعلیٰ،آیت نمبر 10

ترجمہ:"جو خوف رکھتا ہے وہ تو نصیحت پکڑے گا اور اس سے وہ بڑا(بے خوف) بدبخت دور رہے گا"۔

5- بدبختی تقوی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی:- سورہ الیل،آیت نمبر 17-14

ترجمہ: "سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا۔اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے۔جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس سے بچا لیا جائے گا"۔

6-اور بدبختی دعا کے ساتھ شامل نہیں ہوسکتی:- سورہ مریم،آیت نمبر 4

ترجمہ:"اے میرے پروردگار!میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا"۔

دعا کرنے والا کبھی بدبخت نہیں رہا۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا"عجیب کیا ہے"؟فرمایا"دنیا"۔

پوچھا"عجیب تر کیا ہے"؟آپؓ نے فرمایا" طالب دنیا"۔

پوچھا"واجب کیا ہے"؟آپؓ نے کہا"توبہ"۔

پوچھا"واجب تر کیا ہے"؟آپؓ نے کہا" گناہ کے فوراً بعد توبہ"۔

پوچھا"یا حضرت قریب کیا ہے"؟آپؓ نے جواب دیا" قیامت"۔

پوچھنے والے نے پوچھا"قریب تر کیا ہے"؟آپؓ نے جواب دیا" موت"۔

پوچھا"مشکل کیا ہے"؟آپؓ نے کہا"قبر میں اترنا"۔

پوچھا"مشکل تر کیا ہے"؟آپؓ نے کہا"بغیر اعمال کے قبر میں اترنا"۔

ہمارے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے قیامت کا تعین نہیں کیا مگر اجمالاً اس کی عام علامتوں کا ذکر فرما دیا ہے۔تاکہ ہم آنے والے وقت کیلئے تیار رہیں۔اور آخرت کے محاسبے کے لئے بھی وقت آنے سے پہلے تیاری کرلیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین پر ثابت قدم رہنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔**(آمین)**

****

مُصنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین	خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُحسنِ اِنسانیت (۲،۱)	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مختصر تذکرہ صحابہ کرامؓ مختصر تذکرہ انبیاء کرامؑ	اولیاءِکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)